بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی احکام

تنظیم و تحریر

طلعت سیدہ جعفری

مطابق فتاوی

سید حسین مرتضیٰ نقوی

کتاب کا نام ________________________________ اسلامی احکام

مطابق فتاوی ----------------- آیۃ اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی مدظلہ العالی

تنظیم وتحریر _______________________ ڈاکٹر طلعت سیدہ جعفری مدظلہا العالیہ

کمپوزنگ ------------------------------ غلام رسول فیضی

تصحیح پروف ____________________________ سید رضوان الیاس جعفری

اشاعت اول ------------------- جون ۲۰۱۵ء، رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

ناشر ---- کتابخانہ مرتضوی وزہراء (س) آکادمی کراچی۔ پاکستان

تعداد ____ ۱۰۰۰

بسم الله الرحمن الرحیم
MRTsoft

جواز عمل

اللہ عزو جل کے نام گرامی سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔

حضرات محمد وآل محمد علیہم السلام پر مسلسل درود وسلام۔

"**اسلامی احکام**" میں موجود احکام و فتاویٰ پر عمل انشاء اللہ تعالیٰ مومنین کرام کے لیے، اللہ جل جلالہ کی اطاعت وخوشنودی نیز اُخروی نجات واَجر وثواب کا باعث ہوگا۔

واللہ ولی التوفیق

سید حسین مرتضیٰ نقوی

حوزہ علمیہ، قم

کتاب کے بارے میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ساتھ ...،

اللہ...،

جو عقولِ انسانی کی پرواز سے بلند اور گرفت سے باہر ہے۔

اللہ...،

جس کی حقیقت کو مانا جا سکتا ہے۔ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ...،

زمان و مکان سے ماورا، صفات و ماہیت سے بے نیاز، وجود و عدم سے مافوق ہے۔

درود و سلام حضرت آدم علیہ السلام سے حضور ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک، تمام انبیاء الٰہی، حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام، حضرت علی علیہ السلام، تمام ائمہ معصومین علیہم السلام خصوصاً امام مہدی صاحب العصر و الزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اور اللہ عزو جل کے تمام منتخب اور فرمانبردار بندوں پر، خواہ مرد ہوں یا زن، زندہ ہوں یا شہید یا دار آخرت میں جلوہ افروز ہوں۔

اللہ عزوجل کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ایمان واخلاص کے ساتھ علمِ نافع اور عمل صالح ہے۔

اللہ جل جلالہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ جیسے حقیر و ناچیز بندہ کو یہ سعادت عنایت فرمائی کہ اللہ عزوجل پر بھرپور ایمان و توکل کے ساتھ احکام الٰہی اور فرامین انبیاء وائمہ اہلبیت علیہم السلام کی اطاعت اور ان عظیم ہستیوں سے توسل کے ساتھ علم نافع اور عمل صالح کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہوں۔ صالح، مومن، عارف، مخلص اور قدرت مند مفکرین، علماء اور فقہاء اسلام کے سامنے زانوئے تلمذ، تہہ کروں۔ ان کے انوار افکار و علوم و معارف، وتفقّہ سے اپنی فکر و نظر، علم و عمل، قلب و جگر، عقل و خرد اور جان و روح کو منور و تاباں و درخشاں کروں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی بے کراں رحمتوں، عنایتوں اور کرامتوں نیز انبیاء اللہ علیہم السلام خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے توجہات اور ان ہستیوں سے مسلسل توسل کے نتیجہ میں اس ایمانی و فکری و علمی و عملی سفر میں جن اکابر علماء و صلحاء وعرفاء سے کسب فیض کے مواقع فرا ہم ہوئے ان سب کا ذکر بہت طولانی ہو جائے گا۔ لیکن ان میں سے چند کا ذکر ضروری ہے۔ تاکہ پاسِ ادب بھی برقرار رہے۔ محسنین کا ذکر بھی زندہ رہے۔ حقیر کے تکاملِ علمی و فکری و عملی میں شریک ثواب رہنے والوں کا شکریہ بھی ادا ہو جائے۔ ان کے نام بھی تاریخ میں زندہ و تابندہ رہیں۔

میری فکر و نظر، علم و عمل اور ایمان و آگہی میں رنگ بھرنے اور اس میں استواری و صلابت واستحکام واستقلال پیدا کرنے میں جن قدآور شخصیتوں کا بھرپور حصّہ رہا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱. والدہ ماجدہ صاحبہ نفس قدسیہ حضرت سیدہ عابدہ بانو زیدی بارہوی عرف خاتون عالم قدس سرھا الشریف۔ متوفی ۱۴۲۰ھ
۲. والد علام مفسر د محدث و فقیہ و متکلم و مورخ وادیب آیۃ اللہ العظمیٰ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل، فاضل لکھنوی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۴۱۔۱۴۰۷ھ
۳. جدامجد محدث وفقیہ وحکیم وزاہد وعابد وعارف حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید زاہد حسین بارھوی اخباری عرف آقائے بارہوی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۱۱۔۱۳۹۴ھ
۴. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابن حسن رضوی کربلائی قدس سرہ الشریف، ۱۳۴۹۔۱۴۲۸ھ
۵. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابن حسن نجفی قدس سرہ الشریف، ۱۳۴۷۔۱۴۳۵ھ
۶. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد ہادی حسینی میلانی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۱۳۔۱۳۹۵

۷. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی علامہ فانی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۳۷۔ ۱۴۰۹ھ
۸. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین نجفی مرعشی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۱۵۔ ۱۴۱۱ھ
۹. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد رضا گلپائیگانی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۱۶۔ ۱۴۱۴ھ
۱۰. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد علی اراکی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۵۴۔ ۱۴۱۵ھ
۱۱. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ حسن سعید چہل ستونی طہرانی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۳۷۔ ۱۴۱۶ھ
۱۲. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد ہادی معرفت قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۴۹۔ ۱۴۲۸ھ
۱۳. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ علی مشکینی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۳۹۔ ۱۴۲۹ھ
۱۴. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد تقی بہجت فومنی قدس سرہ الشریف۔ ۱۳۳۴۔ ۱۴۳۰ھ
۱۵. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ حسین وحید خراسانی مد ظلہ العالی متولد: ۱۳۳۹ھ
۱۶. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ العالی متولد: ۱۳۴۵ھ
۱۷. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ زین الدین باکوئی دام ظلہ العالی متولد: ۱۳۶۰ھ
۱۸. استاد بزرگوار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ جعفر سبحانی دام ظلہ العالی متولد: ۱۳۴۷ھ

ان تمام اساتذہ نیز ان کے علاوہ بہت سے دوسرے اساتذہ نے اپنی بھرپور عنایتوں، توجہوں اور محبتوں کے ساتھ فکری و علمی و عملی واخلاقی تربیت میں بھرپور کردار ادا کیا۔

استاد معرفت قدس سرہ کے ساتھ فکری و علمی و عملی وابستگی اور مرحوم کی خصوصی شفقت کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اپنے اس شاگرد اور اس کی اہلیہ ڈاکٹر طلعت سیدہ جعفری سلمہا اللہ تعالیٰ کو اپنے

فتاوی کی جمع آوری نیز ترتیب و تدوین اور بیان کا حکم بھی دیا۔ اپنی " مجلس افتاء "کے رکن رکین ہونے کے شرف سے مشرف فرمایا۔ دونوں کیلئے اجازہ اجتہاد و قضاوت تحریر فرمایا۔

استاد معرفت قدس سرہ ہی کے حکم پر حقیر نے فقہ واصول کے درس خارج کا سلسلہ بھی شروع کیا جو الحمد اللہ برسہابرس سے جاری ہے۔

استاد معرفت قدس سرہ نے اپنے رسالۂ عملیہ کی تدوین و ترتیب و تبویب کا کام بھی اپنے اسی شاگرد کی نگرانی میں ثقۃ الاسلام طلعت سیدہ سلمھا اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمایا۔ استاد معرفت قدس سرہ نے اس رسالۂ عملیہ کا نام "احکام شرعی" تجویز فرمایا۔

اس رسالہ کی تیاری میں تقریباً ۷ سال کا عرصہ لگا۔ یہ رسالہ استاد معرفت قدس سرہ کی زندگی ہی میں ان ہی کی نگرانی میں چھپا اور دنیا کے مختلف ملکوں میں تقسیم ہوا۔ پڑھے لکھے طبقہ نے اس رسالہ کے خصوصیات اور فتاویٰ کے امتیازات کے سبب اس کا بھرپور استقبال کیا۔ بہت سے دینی مدرسوں میں اسے درسی متن اور کتاب کے طور پر پڑھایا جانے لگا۔

اس لئے یہ رسالہ بہت کم عرصہ میں نایاب ہو گیا۔

زہراء (س) اکادمی، اس کے اساتذہ خصوصاً زہراء (س) اکادمی کے رئیس برادر عزیز آیۃاللہ علامہ شیخ شبیر حسن میثمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے مدارس علمی کی ضرورتوں اور عام مسلمانوں کی تقلیدی سہولتوں کے پیش نظر اس رسالہ کو دوبارہ منظر عام پر لانے کی کوشش کی۔

اس دوران چونکہ بہت سے علماء و مقلدین کی طرف سے یہ اصرار تھا کہ ان کے لئے ایک معتبر رسالۂ عملیہ پیش کیا جائے۔ اس لئے حقیر نے اس کی نئی اشاعت سے پہلے اس کو اوّل سے آخر تک غور سے پڑھا اور اصلاح کے بعد اپنے فقہی و اجتہادی مطالعات کے نتیجہ میں اس کو مرتب و مدون کیا۔ اس کے بعد یہ رسالۂ عملیہ "احکام شرعی نقش دوم" کے نام سے آپ کی نذر کیا گیا۔

اس رسالہ کی اشاعت کے بعد اس کو مجازی ماحول میں پیش کرنے کی گفتگو ہوئی۔ اس لئے اس پر مزید کام کرکے اس میں کچھ اور اضافات کئے گئے۔

ان اضافات کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ اس کا نام بدل دیا جائے۔ کیونکہ اب یہ پہلے رسالہ کے مقابلہ میں بہت بدل گیا ہے۔

اس لئے اب ہم اسے قارئین اور مقلدین کے حضور "اسلامی احکام" کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد اور محمد وآل محمد علیہم السلام کے توجہات کے سبب انشاء اللہ اس رسالہ میں موجود فتاویٰ پر عمل مومنین کے لئے دنیا میں ایمان اور محبت رسول واہلبیت رسول علیہم السلام کی محبت میں اضافہ، دین پر ثبات قدم، روزی میں برکت نیز روز آخرت اعمال کی قبولیت، اجر و ثواب، شفاعت، اور بخشش، کا سبب ہوگا۔ آمین بحق محمد وآلہ الطاہرین علیہم السلام۔

واللہ ولی التوفیق

سید حسین مرتضیٰ

جمعۃ المبارکہ، ۲۹، شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

۲۷، جون ۲۰۱۴ء/ حوزۂ علمیہ، قم

ضروری گفتگو

آیۃ اللہ شیخ شبیر حسن میثمی دام عزہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کی مسلسل اور نہ ختم ہونے والی حمد و ثنا...

حضرات محمد وآل محمد پر قیامت تک درود و سلام کے بعد:

"اسلامی احکام" کے نام سے فتاویٰ کا یہ مجموعہ، مومنین کرام کی تقلیدی نیز دینی مدرسوں کی تدریسی ضرورتوں کو پورا کرنے کی خاطر مومنین کرام کی خدمت میں نذر کیا جارہا ہے۔

"اسلامی احکام" اپنی زبان کی سادگی، روانی اور سلاست کے ساتھ ساتھ اجتہاد کے نئے افقوں سے روشناس کرانے والا فتاویٰ کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کو سمجھنا، سمجھانا آسان ہے۔ مومنین کو انشاء اللہ اس کے مطابق اللہ عزوجل کے احکام پر عمل کرنے میں آسانی محسوس ہوگی۔

اس علمی سرمایہ کو ہم زہراء (س) اکادمی کی خدمتوں میں ایک نئے اور قابل قدر اضافہ کے طور پر اللہ عزوجل کی بارگاہ جلالت میں شکرانہ نیز محمد وآل محمد علیہم السلام کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت کے عنوان سے نذر کر رہے ہیں۔ امید ہے ہمارا یہ نذرانہ بارگاہ ربوبیت میں شرف قبولیت حاصل کرے گا۔ آمین بحق محمد وآلہ الطاہرین علیہم السلام۔

یہ علمی اور فقہی کاوش، درسی اور علمی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام و قوانین اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے فرامین کے مطابق زندگی بسر

کرنے والوں کے لئے ایک رسالۂ عملیہ بھی ہے۔ اس پر عمل انشاء اللہ مومنین کرام کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے ساتھ ساتھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے پاک و پاکیزہ اہلِ بیت علیہم السلام کی خوشی، آخرت میں نجات اور بارگاہ ربوبیت سے اجر و ثواب کے حصول کا باعث ہوگا۔

شیخ شبیر حسن میثمی

رئیس

زہراء (س) اکادمی، کراچی۔ پاکستان

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام

"اسلامی احکام" حوزہ علمیہ قم کے ماہر استاد، مفسر اور فقیہ حضرت آیۃ اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی مدظلہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

اسلام کے شرعی احکام کے مجموعے عام طور سے توضیح المسائل کے نام سے لکھے اور چھاپے جاتے ہیں۔ ان احکام کا یہ مجموعہ آپ کے سامنے "اسلامی احکام " "کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

میں نے استاد معظم کے حکم کے مطابق، اس مجموعہ کو بڑی محنت، عرق ریزی اور ذمہ داری کے ساتھ تیار کیا ہے۔

"اسلامی احکام " کے نام سے اب جو کتاب آپ کے سامنے ہے، یہ اردو زبان میں شرعی احکام اور فقہی مسائل کی براہِ راست تحریر و تدوین کی غالباً پہلی کاوش ہے۔ اس کتاب کے بعض اہم امتیازات یہ ہیں:

﴿۱﴾ ......زبان سلیس اور سادہ ہے۔

﴿۲﴾ ......پیچیدہ فقہی اصطلاحات کی جگہ متبادل عام فہم الفاظ استعمال کیے ہیں۔

﴿۳﴾ ...... فقہی ابواب کے لیے نئی ترتیب معین کی ہے۔

﴿۴﴾ ......مسائل و احکام کو سادہ انداز میں بیان اور مرتب کیا گیا ہے۔

﴿۵﴾ ......اہم فقہی عناوین کی فنی اور فقہی تعریف بیان کی ہے۔

﴿۶﴾ ......"لغت" کے ذیل میں اہم الفاظ اور اصطلاحات کے معنی بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔

فقیہ بارع استاد آیۃ اللہ سید حسین مرتضٰی دام ظلہ نے اس کی عبارت کو سلیس اور عام فہم بنانے نیز فقہی اصطلاحات کی تعریفوں کے بیان میں میری بہت سی مشکلوں کو حل کیا ہے۔

میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کہہ سکتی ہوں کہ اس میں موجود فقہی آراء اور فتاویٰ پر عمل، مقلدین کیلئے رضائے الٰہی کے حصول کا سبب ہوگا۔ انشاء اللہ۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اس عبادت کو قبول فرمائے۔ ہماری نیتوں اور اعمال کو اپنے لیے خالص کرے۔ نیز ہمیں اپنے دین کی خدمت اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی سیرت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحق محمد وآلہ الطاہرین علیہم السلام۔

طلعت سیدہ

حوزۂ علمیہ، قم

مقدمہ

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

رحمٰن و رحیم اللہ کے نامِ نامی سے۔

حمد و ثناء فقط اللہ کیلئے ہے۔

سلام رحمت ہو اللہ کے چُنے ہوئے بندوں

یعنی محمد وآل محمد علیہم السلام پر۔

بہت سے دوستوں کا اصرار تھا،

اللہ تعالیٰ نے توفیق بھی مرحمت فرمادی۔

اب یہ عاجزانہ کاوش حاضر خدمت ہے۔

اس میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی احکام بیان کئے گئے ہیں۔

یہ فقہی اور اجتہادی کوششوں کا تازہ ترین نچوڑ اور نتیجہ ہیں۔

ان کی پیشکش کا مقصد:

*اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا،

* شریعت اسلامی کے خالص الٰہی احکام کا تعارف،

نیز

* عظیم مسلمان فقہاء کی ہزار سالہ کوششوں کی قدردانی مراد ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمالے۔ آمین بحق محمد وآلہ الطاھرین علیہم السلام

سید حسین مرتضی نقوی

اجتہاد و تقلید

- بلوغ
- اجتہاد
- احتیاط
- تقلید
- نیت

اجتہاد و تقلید

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو زندگی گزارنے کے لیے کچھ احکام نازل فرمائے ہیں۔ ان احکام کے مطابق زندگی گذارنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو ان احکام کا علم ہو۔ ان احکام کا علم حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔

﴿۱﴾ اجتہاد ﴿۲﴾ احتیاط ﴿۳﴾ تقلید

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اپنے دیئے ہوئے احکام پر عمل کرنے کے لیے زندگی کے ایک مرحلہ تک پہنچنے تک آزاد قرار دیا ہے۔

بلوغِ تکلیفی :

جب انسان اپنی زندگی کا ایک خاص مرحلہ طے کر کے ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے اس وقت اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام پر عمل واجب ہوتا ہے۔ عمر کے اس حصہ کے آغاز کو بلوغ یا بلوغِ تکلیفی کہتے ہیں۔ تکلیف، ذمہ داری کو کہتے ہیں۔ بلوغ تکلیفی کے معانی ہیں کہ "اب انسان ذمہ دار ہو گیا ہے" ۔ اس پر اللہ عزوجل کی طرف سے کچھ ذمہ داریاں اور فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ بلوغ کے سن تک پہنچ جانے والے انسان کو بالغ کہا جاتا ہے۔ ہر بالغ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

بالغ انسان :

جب انسان اپنے تکامل کے کچھ معین مرحلوں کو پورا کر لیتا ہے تو اسلامی شریعت کی اصطلاح میں اسے "بالغ" کہا جاتا ہے۔ اس سن و سال تک پہنچنے سے پہلے اللہ عزوجل کی طرف سے اس پر کوئی فریضہ عاید نہیں ہوتا۔ اس کے لئے کوئی چیز حلال یا حرام نہیں ہوتی۔ اس کے نامۂ اعمال میں کوئی برائی

نہیں لکھی جاتی۔ لیکن اللہ عزو جل اپنے رحم و کرم کے سبب اس سن و سال میں وہ جو نیک کام انجام دیتا ہے اس کا کم از کم دس گنا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ کر محفوظ فرما دیتا ہے۔

جسمانی تکامل اور سن و سال کے جن مرحلوں کو مکمل کر کے انسان بالغ ہو جاتا ہے وہ یہ ہیں:

﴿۱﴾ ....لڑکوں کا محتلم ہونا یا سولہویں سال میں داخل ہونا اور

﴿۲﴾ .... لڑکیوں کا حیض دیکھنا یا چودھویں سال میں داخل ہونا

انسان کے بالغ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کو اپنی زندگی اللہ عزو جل کے ان احکام کے مطابق گزارنا ضروری ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انسانوں تک پہنچائے ہیں۔ محمد و آل محمد علیہم السلام کے تعلیمات کے مطابق، غیبتِ کبریٰ کے دور میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے سب سے بہتر اور پسندیدہ راستہ اجتہاد ہے۔

اجتہاد:

اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان، قرآن و حدیث و ادبیاتِ عرب دور جدید کے علوم نیز اجتماعی اور معاشرتی حالات اور اس جیسے دوسرے ضروری دینی و دنیاوی علوم میں اس طرح مہارت حاصل کرے کہ مختلف مسائل کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد ان کے بارے میں شرعی دلیلوں کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا استنباط کر سکے۔ اور اسے اچھی طرح سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکے۔ جو مسلمان اس سب سے بہتر طریقہ پر عمل نہ کر سکے، اس کو احتیاط پر عمل کی کوشش کرنا چاہیئے۔

اجتہاد کرنے والے عالم کو مجتہد کہا جاتا ہے۔ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث اور زبانوں کے قواعد و ادبیات اور محاوروں پر تسلط کے علاوہ ان قدیم و جدید علوم و فنون اور سائنسوں کے بارے میں بھی جانتا ہو، جو مسائل و معاملات کے سمجھنے اور ان کے بارے میں اللہ جل جلالہ کے حکم تک رسائی کے لیے ضروری ہوں۔

احتیاط:

احتیاط پر عمل کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اتنی علمی اور فقہی لیاقت رکھتا ہو کہ فقہاء کے اختلاف کے موقعوں پر ایسے فتویٰ کی تشخیص دے سکے جو احتیاط کے شرعی ضابطوں کے مطابق ہو۔

معاشرے کے پڑھے لکھے افراد کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ احتیاط پر عمل کریں۔

ان کے لئے احتیاط پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چند فقہاء کے فتاویٰ کو پڑھیں۔ جن مقامات پر فقہاء کے فتاویٰ میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے، ان پر غور کریں، ان فتاویٰ میں سے جس مجتہد کا فتویٰ ان کی عقل، معلومات اور ان کے معاشرتی حالات میں زیادہ قابل عمل اور معقول نظر آئے اس پر عمل کریں۔

جو مسلمان نہ اجتہاد کی قدرت رکھتا ہو نہ احتیاط پر عمل کر سکتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مجتہد کی تقلید کرے۔

تقلید:

تقلید کا مطلب ہے:

"اسلامی احکام پر عمل کرنے کے لیے کسی مجتہد سے اللہ کے احکام کا معلوم کرنا"۔

- مختلف اور بظاہر غیر مربوط مسائل میں مختلف فقہاء سے رجوع کرنا (عمل کیلئے پوچھنا) جائز ہے۔
- بہت سے مجتہدوں کے ہم مرتبہ ہونے کی صورت میں (تبعیض یعنی) مختلف فقہاء کی تقلید جائز ہے۔
- بعض اوقات چند مجتہد کچھ خاص مسائل میں دوسرے مجتہدوں پر برتری رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہر مسئلہ میں اس خاص مجتہد ہی کی تقلید کرنا چاہیے جو اس مسئلہ میں قوی ہو۔ یعنی فتویٰ دینے میں دوسرے مجتہدوں پر برتری رکھتا ہو۔

۞ مجتہد خواہ زندہ ہو یا مردہ، جب کسی مسئلہ میں اس سے برتر مجتہد کا علم ہو جائے، تو تقلید بدلی جاسکتی ہے۔

۞ جن مسائل میں مسلمان کو معلوم ہو کہ فقہاء کے فتاویٰ مختلف ہیں، ان کے سلسلہ میں [ہر مسئلہ یا ہر باب میں] اگر زیادہ بہتر اور قابل یعنی اعلم کی تشخیص ممکن ہو تو اس کی تقلید کرنا چاہیے۔

البتہ،

☆ اگر اختلاف کی طرف توجہ نہ ہو، یا
☆ اعلمیت کی پہچان مشکل ہو

تو اس مسئلہ میں کسی بھی مجتہد کی تقلید کی جا سکتی ہے۔ تحقیق و جستجو ضروری نہیں ہے۔

مرجع تقلید کے سلسلہ میں:

☆ ________________ ایمان اور
☆ ________________ فقاہت کے علاوہ
☆ ________________ تقویٰ و ورع اور
☆ ________________ زہد (دنیاوی معاملات سے لاتعلّقی)

کا ہونا بھی شرط ہے۔

نیت:

اللہ جل جلالہ نے اپنے تمام احکام پر عمل کرنے کے لیے نیت کو بنیاد قرار دیا ہے۔ نیت سے عمومی طور پر ارادہ، مقصد اور ہدف مراد ہوتا ہے۔

اللہ جل جلالہ کے فرمان کے مطابق شریعت اسلام اور فقہ کی نظر میں نیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے کام کا مقصد وہدف اللہ کی خوشنودی رکھے اور یہ ارادہ کرے:

"وہ جو کام، عبادت یا اطاعت انجام دینے جا رہا ہے وہ صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی خوشی، اس کی خوشنودی اور اس کی بارگاہ میں نزدیکی اور تقرب کے لیے انجام دے رہا ہے"

سورۂ الاسراء کی آیت نمبر ۸۴ میں ارشاد رب العزت ہے:

"كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ"

"ہر شخص اپنی نیت مقصد اور ارادہ کے مطابق ہی عمل کرتا ہے۔"

اللہ جل جلالہ نے جو احکام اپنے بندوں پر واجب کئے ہیں نیت اس کی بنیاد ہے۔ اگر ان احکام پر نیت کے بغیر عمل کیا جائے تو ایسا ہے جیسے وہ کام یا عمل انجام ہی نہیں پایا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی انسان نماز، روزہ، حج، زکات، خمس، جہاد اس ارادہ کے بغیر انجام دے کہ وہ اللہ جل جلالہ کے حکم کو فقط اور فقط اس کی خوشی، خوشنودی اور اس کی بارگاہ میں تقرب کے لیے انجام دے رہا ہے تو وہ اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوا۔ اس فریضہ کی قضا اس پر واجب ہو گی۔

نیت، کی فضیلت یہ ہے کہ:

واجب معاملات کی ادائیگی کے موقعہ پر نیت میں جتنا خلوص ہو گا، عمل کا ثواب اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ اگر کوئی انسان اپنے روز مرہ کے معاملات کھانا پینا، رفت و آمد، سونا جاگنا، نہانا دھونا، ملنا جلنا، علاج معالجہ، سیر و تفریح حتی کہ بیت الخلاء جانا بھی اس نیت سے انجام دے کہ:

"اللہ جل جلالہ نے انہیں ان نعمتوں سے نوازا ہے اور وہ ان نعمتوں سے جو فیض اور فائدہ حاصل کر رہا ہے اس سے اس کا مقصد یہی ہے کہ اللہ جل جلالہ

اس سے خوش ہو، اپنے اپنی بارگاہ میں تقرب و منزلت عطا فرمائے۔ تو روزمرہ کے معمولی کام جس میں سے بعض کاموں کو کرنے سے انسان گھبراتا ہے یا اسے گھن آتی اور نفرت ہوتی ہے، وہ کام بھی اللہ جل جلالہ کی اطاعت و عبادت بن جائیں گے۔ اس پر بھی بارگاہ ربوبیت سے اسے ثواب عطا ہوتا رہے گا۔"

نیت کی اہمیت کے پیش نظر یہاں ہم چند حدیثیں نقل کر رہے ہیں۔

- عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْمَاعِيلَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ إِسْحَاقَ الْأَزْدِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ الْعَبْدِيِّ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ آبَائِهِ عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام قَالَ قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم: لَا قَوْلَ إِلَّا بِعَمَلٍ وَلَا قَوْلَ وَلَا عَمَلَ إِلَّا بِنِيَّةٍ وَلَا قَوْلَ وَلَا عَمَلَ وَلَا نِيَّةَ إِلَّا بِإِصَابَةِ السُّنَّةِ [1]

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کوئی گفتگو، بات چیت، دعویٰ عمل کے بغیر بیکار ہے۔

کوئی گفتگو اور عمل نیت کے بغیر بیکار ہے۔

کوئی گفتگو، عمل اور نیت سنۃ یعنی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے ارادہ کے بغیر بیکار ہے۔

- عَلِيٌّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّوْفَلِيِّ عَنِ السَّكُونِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم:

۱۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب العقل والجہل: بَابُ التقلید: ج:۱: ص: ۴۴: ح:۲۰۸: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ وَنِيَّةُ الْكَافِرِ شَرٌّ مِنْ عَمَلِهِ وَ كُلُّ عَامِلٍ يَعْمَلُ عَلَى نِيَّتِهِ[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہوتی ہے۔

یاد رکھو! ہر کام کرنے والا اپنی نیت، ارادہ اور مقصد کے مطابق کام کرتا ہے۔

- عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ علیہ السلام قَالَ: لَا عَمَلَ إِلَّا بِنِيَّةٍ[2]

امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

کوئی بھی عمل نیت کے بغیر بیکار ہے۔

- عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْمِنْقَرِيِّ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ يُونُسَ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ علیہ السلام:

إِنَّمَا خُلِّدَ أَهْلُ النَّارِ فِي النَّارِ لِأَنَّ نِيَّاتِهِمْ كَانَتْ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَوْ خُلِّدُوا فِيهَا أَنْ يَعْصُوا اللَّهَ أَبَداً وَ إِنَّمَا خُلِّدَ أَهْلُ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ لِأَنَّ نِيَّاتِهِمْ كَانَتْ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَوْ بَقُوا فِيهَا أَنْ يُطِيعُوا اللَّهَ أَبَداً فَبِالنِّيَّاتِ خُلِّدَ هَؤُلَاءِ وَ هَؤُلَاءِ. ثُمَّ تَلَا قَوْلَهُ تَعَالَى:

"قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ" ﴿الاسراء:۱۷: ۸۴﴾

قَالَ: عَلَى نِيَّتِهِ[3]

۱۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الایمان والکفر: بَابُ الْعِبَادَةِ: ج:۱: ص: ۳۸۵: ح: ۱۶۷۷: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الایمان والکفر: بَابُ الْعِبَادَةِ: ج:۱: ص: ۳۸۵: ح: ۱۳۷۶: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۳۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الایمان والکفر: بَابُ الْعِبَادَةِ: ج:۱: ص: ۳۸۶: ح: ۱۳۸۰: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جہنمی اس لیے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کہ دنیا میں ان کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ ہمیشہ دنیا میں رہتے تو اللہ جل جلالہ کی نافرمانی ہی کرتے رہتے۔

اسی طرح جنت والے ہمیشہ جنت میں اس لیے رہیں گے کہ جب تک وہ دنیا میں تھے ان کی نیت ہمیشہ یہی رہی کہ اگر وہ ہمیشہ اس دنیا میں رہیں تو وہ ہر حال میں اللہ عزوجل کی فرمانبرداری کرتے رہیں گے۔

اس لیے دونوں گروہ اپنی نیتوں کے نتیجہ میں ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

پھر امام علیہ السلام نے سورۂ الاسراء کی آیت ۸۴ کی تلاوت فرمائی جس میں ارشاد ہے:

كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ

ہر شخص اپنے "شاکلہ" پر عمل کرتا ہے۔

پھر فرمایا:

یہاں "شاکلہ" سے مراد نیت ہے۔

اسی لیے حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

- **مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه السلام قَالَ: كَانَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام يَقُولُ:**

لَا يَقِلُّ عَمَلٌ مَعَ تَقْوَى وَ كَيْفَ يَقِلُّ مَا يُتَقَبَّلُ [1]

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اکثر فرمایا کرتے تھے:

جو عمل اللہ جل جلالہ کی اطاعت کی خاطر (تقویٰ کی بنیاد پر) انجام دیا جائے وہ خواہ کتنا ہی معمولی ہو اسے معمولی نہ سمجھو۔

۱۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الایمان والکفر: بَابُ الطَّاعَةِ وَالتَّقْوَى: ج:۱: ص:۳۸۰: ح:۱۶۲۴: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

ذرا سوچو!

جو عمل اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کرلے وہ معمولی کیسے ہو سکتا ہے!؟

چونکہ نیت تمام اعمال کی جان ہے۔ ہر عمل کو عبادت بنادیتی ہے۔ ہر واجب عمل کے انجام دینے اور حرام عمل سے بچنے کے لیے نیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ نیت کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہے۔ اس لیے عبادات وفرائض کے ابواب میں داخل ہونے سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

نیت کے سلسلہ میں یہ بات جان لینا بھی ضروری ہے کہ نیت کا زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ بنیادی طور پر ہر انسان اور مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس طرح تربیت کرے کہ یہ بات اس کے شعور ولاشعور تربیت میں پختہ ہو جائے کہ اسے جو بھی کام انجام دینا ہے وہ اللہ جل جلالہ کی خوشنودی اور اطاعت ہی کی خاطر انجام دینا ہے۔ اگر وہ ایسا کرے تو جب بھی وہ کوئی عمل انجام دے گا اس کا شعور و لا شعور خود بخود اس کے ارادہ اور مقصد و نیت کا تعین کر دے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص ضرورت محسوس کرے تو وہ زبان سے بھی نیت ادا کر سکتا ہے ورنہ دل میں نیت کا ادا کر لینا اور دہرانا شرعی طور پر کافی ہے۔ اس سے انشاء اللہ اس کی عبادت قبول ہو جاتی ہے۔

نیت، اجتہاد، احتیاط، تقلید سے لے کر وضو، غسل، نماز، روزہ، حج، زکات، خمس، تجارت، نکاح، طلاق، میراث تمام اعمال کے لیے ضروری ہے۔

عذر شرعی:

یہ بات تمام مومنین کے علم میں ہونا ضروری ہے کہ اسلام کے تمام احکام پر عمل ایسے حالات میں ضروری ہے جب تک اس پر عمل کے نتیجہ میں اس کو جان، مال، صحت یا آبرو کے نقصان یا خطرہ میں پڑنے کا معقول اندیشہ نہ ہو۔

لیکن، اگر کسی کے لیے اسلام کے کسی حکم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں معقول حد تک کسی ایسے نقصان کا اندیشہ ہو جو اس کے لیے برداشت کے قابل نہ ہو تو اس وقت تک کے لیے اس پر سے اس حکم پر عمل کرنے کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے جب تک یہ خطرہ یا اندیشہ برقرار رہے۔

اس بات کا تعین کہ کون سے حالات کس وقت تک کسی مسلمان اور مومن کے لیے ایسا عذر بن سکتے ہیں کہ اس پر سے ان حالات میں اس وقت تک ایک خاص حکم پر عمل واجب نہیں رہتا یا ساقط ہو جاتا ہے یہ فقیہ مجتہد کا کام نہیں، بلکہ یہ خود ہر انسان کا اپنا ذاتی فریضہ ہے۔

البتہ اس عذر شرعی کے تعیین میں اسے اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اللہ جل جلالہ کے سامنے جواب دہ ہے۔

اگر کوئی شخص عذر شرعی کے تعیین میں مشکل کا سامنا کرے تو وہ اپنے مومن اور عبادت گذار دوستوں یا علماء سے مشورہ ضرور کر سکتا ہے۔ یہ لوگ بھی اس کی ذمہ داری کی ادائیگی کے سلسلہ میں اس کو مشورہ دے سکتے ہیں۔

لیکن، کوئی بھی کسی دوسرے شخص کے لیے عذر شرعی کا تعین نہیں کر سکتا۔

اس لیے اگر کوئی مرد مومن کسی کام کے سلسلہ میں عذر شرعی پیش کرے تو اس کا مذاق اڑانا یا اسے بے دین کہنا درست نہیں ہے۔

طہارت

- پانی
- نجاسات
- مطہرات
- وضو
- غسل
- میت کے احکام
- تیمّم

پانی

پانی

پانی، پیدائشی طور پر
پاک ہے۔
پاک کرتا ہے۔
ارشاد رب العزت ہے:

وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا [1]

" ہم نے آسمان سے پانی اُتارا جو پاک اور پاک کرنے والا ہے۔"

نیز ارشاد ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ [2]

" تمہارے لیے آسمان سے پانی اس لیے اُتارا کہ:
وہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کرے۔"

۱۔ سورہ الفرقان: ۲۵:۴۸
۲۔ سورہ انفال: ۸:۱۱

پانی اور دوسرے مایعات

عام طور سے فقہی کتابوں میں پانی کیلئے " آبِ مُطلق " یا "ماء المطلق " اور " دوسرے مایعات " کیلئے " آبِ مُضاف " یا " ماءِ المضاف " کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ہم یہاں اس کی جگہ " پانی " اور "دوسرے مایعات " یعنی آب " یا "الماء "اور مایعات غیر آبی " یا " مایعات المتفرقہ " کی اصطلاح استعمال کر رہے ہیں۔ یہ اصطلاح زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے۔

پانی:

پانی، ایسا مایع جس کو پانی کہا جاتا ہو۔ وہ مایع، جسے عام طور سے پانی ہی کہا جائے۔ عام طور سے فقہی کتابوں میں اسے "ماءِ المطلق " یا " ماء علی الاطلاق " یا "آبِ مُطلق " کہا جاتا ہے۔

☆ **عرقِ گلاب**، اس سے مستثنیٰ ہے۔ عرقِ گلاب عام طور سے پانی نہیں کہلاتا۔ لیکن تقطیر کی وجہ سے دراصل خالص پانی ہی کے حکم میں ہے۔ اس سے وضوء اور غسل کیا جاسکتا ہے۔ [۱]

ہوتا یوں ہے کہ پانی میں گلاب کی پتیاں ڈال کر اسے جوش دیا جاتا ہے۔ پھر اس سے نکلی ہوئی بھاپ یا بخارات کو دوبارہ ٹھنڈا کرکے پانی بنالیا جاتا ہے۔ اس طرح اس میں گلاب کی مہک (خوشبو) اور مزہ آجاتا ہے۔ دراصل وہ پانی ہی ہوتا ہے۔

☆ "**نبیذ** " بھی پانی ہی کے حکم میں آتا ہے۔

"نبیذ " کی اصطلاح دو چیزوں کے سلسلہ میں استعمال ہوتی ہے۔

۱۔ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى عَنْ يُونُسَ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ ع قَالَ قُلْتُ لَهُ الرَّجُلُ يَغْتَسِلُ بِمَاءِ الْوَرْدِ وَيَتَوَضَّأُ بِهِ لِلصَّلَاةِ قَالَ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ

میں نے امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے عرض کی:

ایک شخص اگر عرق گلاب سے نماز کے لئے وضو کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

کوئی حرج نہیں۔

کلینی: الکافی: ج ۳: ص: ۴۲ کتاب الطهارة: باب النوادر: ح: ۷ ۳۳: ط: الامیرة بیروت: ۲۰۰۸/ ۱۳۹۲ھ

طوسی: ج: ۱: ص: ۲۱۹: ح: ۶۲۸: ط: الامیرة بیروت: ۲۰۰۸/ ۱۳۹۲ھ

بعض مقامات پر "نبیذ" جو سے کشید گی کی جانے والی شراب کو کہتے ہیں۔

بعض مقامات پر "نبیذ" اس پانی کو کہتے ہیں جس کا کھارا پن دور کرنے کے لیے اس میں مٹھی بھر کھجور یا انگور ڈال دیئے جائیں، یہ کھجور اور انگور اس پانی کو گوارا، شرین اور پینے کے قابل بنا دیتے ہیں۔

یہ "نبیذ" پانی کے حکم میں آتا ہے۔ اس سے وضو اور غسل کیا جا سکتا ہے۔[۱]

اس کے علاوہ:

☆ نہر کا پانی جو نہر کی مٹی یا ریت کے سبب گدلا ہو جاتا ہے،

☆ چشمہ کا پانی، جس میں پہاڑوں، معدنیات یا کانوں میں گذرنے کے سبب ان معادن یا زمینوں، کانوں یا پتھروں کی مہک یا مزہ یا تھوڑے بہت معدنیات قدرتی طور پر مل جاتے ہیں۔

☆ سمندر کا پانی جس میں عام طور سے بے شمار نمکیات ملے ہوتے ہیں اور بہت کھارا ہوتا ہے۔

☆ کسی معدن یا کان کے قریب کھڑے رہنے یا گذرنے کے سبب جس پانی کا مزا یا بو بدل جاتا ہے۔

☆ ایسا ٹھہرا پانی جس کا مزا یا بو کسی چیز یا مُردار کے قریب پڑے رہنے کے سبب بدل جاتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے تمام مائعات، پانی یا آبِ مُطلق ہی کہے جاتے ہیں۔ یہ سب "پانی" ہی کے حکم میں ہیں۔

دوسرے مایعات:

جس مایع کو عام طور سے یا بنیادی طور پر پانی نہ کہا جا سکے، جیسے ایسا رنگ ملا پانی جس میں رنگ کا غلبہ ہو یا ایسا خون ملا پانی جس میں اتنا خون ملا ہو کہ وہ خون اور پانی کا آمیزہ بن چکا ہو۔

یا ایسا مایع جسے سرے سے پانی ہی نہ کہا جائے، جیسے پھلوں کا رس، شربت، سرکہ، گھی، تیل وغیرہ۔

اسی طرح وہ مایعات جو قدرتی طور پر زمین یا سمندر سے نکلتے ہیں مگر پانی نہیں کہلاتے جیسے پیٹرول، مٹی کا تیل، ڈیزل، مایع گیس وغیرہ۔

۱۔ کتاب الکافی کی چھٹی جلد میں ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے "باب النبیذ" میں ان دونوں قسموں کے بارے میں احادیث نقل کی ہیں۔ جو حضرات مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ان احادیث کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

پانی کا حکم:

پانی:

☆ __________ پاک ہوتا ہے۔

☆ __________ دوسروں کو بھی پاک کرتا ہے۔

☆ __________ یہ نجاست اور حدث دونوں کو دور کرتا ہے۔

یعنی اس سے نجس چیزوں کو پاک بھی کیا جاسکتا ہے۔ نیز حدث سے بھی طہارت حاصل کی جاسکتی ہے۔ وضو اور غسل دونوں کے کام آتا ہے۔

دوسرے مایعات کا حکم:

پانی کے علاوہ تمام مایعات بنیادی طور پر پاک ہیں۔ دوسروں کو پاک نہیں کر سکتے۔ طہارت کے کام نہیں آتے۔ نہ نجس چیزوں کو پاک کر سکتے ہیں۔ نہ حدث کو دور کر سکتے ہیں۔

اگر ان میں کوئی نجس چیز مل جائے تو صرف اسی صورت میں پاک ہو سکتے ہیں جب ان کا استحالہ ہو جائے۔

پانی کی قسمیں:

مقدار اور منبع یا مصدر کے لحاظ سے پانی پانچ طرح کا ہوتا ہے:

﴿۱﴾ __________ بارش کا پانی یا آبِ باران

﴿۲﴾ __________ بہتا ہوا یا رواں پانی یا آبِ جاری

﴿۳﴾ __________ کنویں کا پانی یا آبِ چاہ

﴿۴﴾ __________ کُر پانی

﴿۵﴾ __________ تھوڑا پانی یا آبِ قلیل

﴿۱﴾ بارش کا پانی یا آب باراں

تعریف:

قدرتی طور پر آسمان سے برسنے والا پانی، بارش کا پانی کہلاتا ہے۔ بارش کا پانی یا آبِ باران اگر کہیں جمع ہو جائے تو یہ تین دن تک بارش کے پانی کے حکم میں ہے۔

احکام: [۱]

☆ بارش کا پانی خود پاک ہے۔ نجس چیزوں کو پاک کرتا ہے۔

☆ بارش کا پانی جہاں تک پہنچے خواہ زمین پر بہہ کر یا ہوا کے ذریعہ کمرہ یا چھت کے نیچے یا چھت وغیرہ کے ٹپکنے سے، اگر نجس چیز پر گرے تو اسے پاک کر دیتا ہے۔

☆ بارش کا پانی اگر کسی نجس چیز پر پڑے تو اسے پاک کر دیتا ہے۔ خواہ براہ راست اس پر برسے، یا پرنالہ سے گرے یا چھت سے ٹپک کر اس پر پڑے۔

☆ اگر کوئی نجس بس یا سواری میں سفر کر رہا ہو۔ بارش سے بھیگ جائے تو سواری پاک ہو جائے گی۔ خود بھی پاک ہو جائے گا۔

☆ بارش کا جو پانی پرنالہ سے گر رہا ہو اگر اس میں عین نجس بھی شامل ہو تب بھی وہ پاک ہے۔ اسی لیے اگر وہ کپڑوں یا جسم پر پڑ جائے تو اس کے ساتھ نماز ہو سکتی ہے۔

☆ بارش کا جو پانی چھتوں، میدانوں، گلیوں اور سڑکوں پر جمع ہو جاتا ہے اس میں عین نجاست کے شامل ہونے کے باوجود وہ پاک ہوتا ہے۔

☆ بارش کا جمع شدہ پانی یا کیچڑ پاک ہوتی ہے۔ بارش رکنے کے بعد تین دن تک پاک رہتی ہے۔ بشرطیکہ بارش رکنے کے بعد اس میں کوئی نئی نجاست نہ ملے۔

۱۔ بارش کے پانی کے احکام کے سلسلہ میں مطالعہ فرمائیں:
کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الطھارۃ: باب اختلاط ماء المطر بالبول ومایرجع فی الاناء من غسالۃ الجنب والرجل یقع ثوبہ علی الماء الذی یستنجی بہ:: ج۳: ص: ۴۲: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

☆اگر کوئی شخص بارش کے پانی میں بھیگ جائے تو اس کا وضو[۱] بھی ہو جائے گا اور غسل[۲] بھی۔

﴿۲﴾ بہتا ہوا یا رواں پانی یا آب جاری

تعریف:

بہتا ہوا پانی یا آبِ جاری وہ پانی ہے جو چشموں یا زمین سے اُبل کر نکلتا ہے اور پھر بہنے لگتا ہے۔ چشموں، نہروں، دریاؤں اور سمندروں کا پانی، آبِ جاری کہلاتا ہے۔

یہ پانی مقدار میں چاہے جتنا ہی کم کیوں نہ ہو، جاری ہی کہلاتا ہے۔ اگرچہ اس کی مقدار اتنی کم ہو کہ اس کو جمع کرنے کیلئے گڑھا کھودنا پڑے تاکہ وہ اس میں جمع ہو جائے۔

احکام:

☆ جاری پانی پاک ہے۔ نجس چیزوں کو پاک بھی کرتا ہے۔

☆اگر نجاست کے گرنے سے اس کی بو، رنگ یا مزہ بدل جائے تو نجس ہو جاتا ہے۔

☆ جیسے ہی کسی بھی سبب سے یہ تبدیلی ختم ہو جائے، یہ پاک ہو جاتا ہے۔

۱۔عنہ عن احمد بن محمد عن موسی بن القاسم عن علی ابن جعفر عن اخیہ موسی علیہ السلام قال: سألتہ عن الرجل لایکون علی وضوء فیصیبہ المطر حتی یبتل رأسہ ولحیتہ وجسدہ ویداہ ورجلاہ ہل یجزیہ ذلک من الوضوء؟ قال: ان غسلہ فان ذلک یجزیہ.

علی بن جعفر نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس کا وضو نہ ہو۔ وہ بارش میں اتنا بھیگ جائے کہ اس کے سر، ڈاڑھی، جسم، دونوں ہاتوں اور دونوں پیروں سے پانی ٹپکنے لگے۔ کیا اس کا وضو ہو گیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اگراس کا پورا جسم دھل گیا تو اس کا وضو ہو گیا۔

طوسی: التہذیب: ج:۱: ابواب الزیادات فی ابواب الطہارۃ: باب الاحداث الموجبۃ للطہارۃ ص: ۱۹۱: ح: ۱۰۸۶: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔عِدَّۃٌ مِنۡ اَصۡحَابِنَا عَنۡ اَحۡمَدَ بۡنِ مُحَمَّدِ بۡنِ عِیسَی وَاَبُو دَاوُدَ جَمِیعاً عَنِ الۡحُسَیۡنِ بۡنِ سَعِیدٍ عَنۡ مُحَمَّدِ بۡنِ اَبِی حَمۡزَۃَ عَنۡ رَجُلٍ عَنۡ اَبِی عَبۡدِ اللّٰہِ ع فِی رَجُلٍ اَصَابَتۡہُ جَنَابَۃٌ فَقَامَ فِی الۡمَطَرِ حَتّٰی سَالَ عَلَی جَسَدِہٖ اَیُجۡزِئُہُ ذٰلِکَ مِنَ الۡغُسۡلِ قَالَ نَعَمۡ

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو مجنب تھا وہ بارش میں کھڑا ہوا۔ اتنا بھیگا کہ پانی اس کے جسم پر جاری ہو گیا۔ کیا اس کا غسل ہو گیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں!

کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الطہارۃ: بَابُ صِفَۃِ الۡغُسۡلِ وَالۡوُضُوءِ قَبۡلَہُ وَبَعۡدَہُ وَالرَّجُلِ یَغۡتَسِلُ فِی مَکَانٍ غَیۡرِ طَیِّبٍ وَمَا یُقَالُ عِنۡدَ الۡغُسۡلِ وَتَحۡوِیلِ الۡخَاتَمِ عِنۡدَ الۡغُسۡلِ: ج ۳: ص: ۲۸: ح: ۲۰۹: ط: الامیرۃ: بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

مثال کے طور پر: بہنے کے سبب یا پانی کی مقدار بڑھ جانے کے سبب اگر نجاست سے پیدا ہونے والی بو، مزہ یا رنگ ختم ہو جائے، تو یہ پانی خود بخود پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ طبیعی اور قدرتی خزانہ یا منبع سے وابستہ ہوتا ہے۔

☆ نجس چیزوں کو پاک کرنے کے لیے جاری پانی سے ایک مرتبہ دھونا، یا اس میں ڈال کر بغیر نچوڑے نکال لینا کافی ہے۔ بشرطیکہ عین نجاست اس چیز میں چپکی یا لگی نہ رہ گئی ہو۔

﴿۳﴾ کنویں کا پانی یا آبِ چاہ

تعریف:

جو پانی زمین سے اُبلنے کے بجائے رِس کر نکلے اور گڑھے میں جمع ہو جائے وہ کنویں کا پانی یا آبِ چاہ کہلاتا ہے۔

خواہ یہ پانی زمین کی کھدائی کر کے زمین کی گہرائی سے نکلے اور گہرائی ہی میں کنویں میں جمع ہو جائے یا کسی مقام پر زمین سے رِس رِس کر جھیل کی صورت میں جمع ہو جائے۔

دونوں صورتوں میں کنویں کے پانی کے حکم میں ہو گا۔

یوں بہتے ہوئے پانی اور کنویں کے پانی کا فرق یہ ہے کہ:

☆ بہتا ہوا پانی زمین سے اُچھل کر نکلنے والے پانی کو کہا جاتا ہے۔

☆ جبکہ کنویں کا پانی زمین سے رِس کر نکلنے والے پانی کو کہا جاتا ہے۔

احکام:

☆ کنویں کا پانی خواہ کُر سے کمتر ہی کیوں نہ ہو پاک ہے۔ نجس اشیاء کو پاک کر دیتا ہے۔

☆ کنویں کا پانی بھی صرف نجاست یا نجس چیز کے گرنے سے نجس نہیں ہوتا۔ یہ اسی وقت نجس ہوتا ہے جب نجاست یا نجس چیز کے سبب اس کا رنگ، بو یا مزہ بدل جائے۔

☆ کنویں کا پانی اگر نجس ہو جائے تو جیسے ہی نجاست کے سبب اس میں آئی ہوئی تبدیلی یعنی رنگ، بو اور مزہ ختم ہو جائے، پاک ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کا سبب پانی کا اضافہ یا وقت کا گذرنا ہو۔

☆کنویں کے پانی سے بھی نجس چیزوں کو پاک کرنے کے لیے انہیں پانی کے اندر ایک دفعہ بھگو کر نکال لینے یا ایک مرتبہ دھونا کافی ہے بشرطیکہ عینِ نجاست لگی نہ رہے۔

﴿۴﴾ کُر پانی

تعریف:

فقہی اصطلاح میں آبِ کُر، اس پانی کو کہتے ہیں جس کی مقدار پیمانۂ کُر کے برابر ہو۔ بظاہر کُر کی مقدار "آب کثیر" کی کمترین حد معین کرنے کے لیے ہے۔ کوئی مستقل عنوان نہیں ہے۔ لیکن چونکہ فقہاء نے اس پر الگ سے گفتگو کی ہے اس لیے یہاں اس کا بیان کر رہے ہیں۔

کُر، کی تفصیل اور حد کا تعین:

کُر، اس پیمانہ کو کہتے ہیں جو سیلنڈر یا مٹکے کی طرح یعنی گول ہو، اس کا قطر ساڑھے تین بالشت یعنی تقریباً ۷۰/ سینٹی میٹر اور گہرائی یا عمق ساڑھے تین بالشت یعنی تقریباً ۷۰/ سینٹی میٹر ہو۔

عام طور سے جو خیال کیا جاتا ہے کہ کُر مربع یا مستطیل شکل کا ہوتا تھا، تحقیق کے مطابق ایسا نہیں ہے۔

اسی لیے روایتوں میں بھی دو ابعاد کا ذکر ہے۔ اگر ائمہ علیہم السلام کی نظر میں مربع شکل ہوتی تو یقیناً تینوں ابعاد یعنی چوڑائی، لمبائی اور گہرائی کا ذکر فرماتے۔

یوں بھی عام طور سے مایعات کو گول ڈرم، مٹکوں، گھڑوں، یا بیرل جیسے برتنوں ہی میں رکھا جاتا ہے جو گول ہوتے ہیں۔

سلنڈر یعنی گولائی کے حامل برتنوں کا حجم اور اس میں مایع کی مقدار معلوم کرنے کا ریاضیاتی فارمولا یہ ہے:

$$v = \pi\, r^2 h$$

اب ،اگر کُر برتن کا قطر ساڑھے تین بالشت ہو جو تقریباً ۷۰ / سینٹی میٹر ہے۔اور اس کا عمق یا گہرائی بھی ساڑھے تین بالشت ہو جو تقریباً ۷۰ / سینٹی میٹر ہے تو اس ریاضیاتی فارمولے کے مطابق درج ذیل نتیجہ نکلے گا:

$$r = \frac{70}{2} = 35\ cm$$
$$h = 70\ cm$$
$$\pi = \frac{22}{7} = 3.14$$

$$\rightarrow = (3.14)\times(35)^2\times70 = 0.269255m^3$$

$$= 3.4\times35\times35\times70 = 0.269255m^3$$

اس حجم یا volume میں کتنے لیٹر پانی آسکتا ہے۔اس کا ریاضیاتی فارمولا یہ ہے کہ اس حجم کو ۱۰۰۰/ سے ضرب دیا جائے۔اس ضرب کا حاصل مایع کا اندازہ بتائے گا۔جو یہ ہے:

0.269255×1000= 269.255 liter

گویا کُر پانی کی مقدار ریاضیاتی فارمولے کے مطابق 269.255 لیٹر ہو گی۔ یہ مقدار امریکی گیلن میں 71.13 گیلن ، انگلش گیلن میں 59.22782 گیلن اور امریکی پنٹ میں 569.03717 پنٹ قرار پائے گی۔

یہ اس صورت میں ہے جب برتن اوپر سے نیچے تک ایک ہی جیسی پیائش کا ہو۔ لیکن چونکہ عہد نبوی ﷺ اور عہد ائمہ علیہم السلام میں اس مقصد کے لیے "حُبّی " یعنی بڑے مٹکے استعمال ہوتے تھے۔ اس لیے اگر ہم ساڑھے تین میٹر پیٹ اور ساڑھے تین میٹر گہرائی لیں تو تقریباً اس سے ملتی جلتی شکل بنے گی،جو اگلے صفحہ پر موجود ہے۔

اس صورت میں چاروں سروں سے کچھ حجم اندازہ کے مطابق $0.9700m^3$ نکالنے کے بعد کُر کا حجم 0.196565m3 قرار پائے گا۔

اس لیے استاد مرحوم حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ ہادی معرفت مرحوم نے کُر کی مقدار 196.565 لیٹر 43.337 انگلش گیلن اور 345.896 پنٹ قرار دیا تھا۔ علماء و محققین کی آسانی کے لیے اس کی پوری تفصیل لکھ دی ہے۔

اسی طرح اگر عمومی رائے کو مان کر مربع کا حجم یعنی volume نکالا جائے تو $70\times70\times70 = 343000cm^3$ یعنی $0.343000\ m^3$ جس کا مطلب یہ ہے کہ کُر پانی مقدار $0.343000\times1000 = 343$ لیٹر قرار پاتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض فقہاء نے روایات میں موجود رطل کے اندازہ کے مطابق بھی کُر کی مقدار کے تعین کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس میں سب سے بڑا جھول یہ ہے کہ اس کو انہوں نے لیٹر کے بجائے گرام سے مطابقت دی ہے۔ جبکہ مایعات کو ہر دور میں وزن کے بجائے پیمانے سے ناپا جاتا ہے اور مایعات کا پیمانہ گرام کے بجائے لیٹر ہے۔

اس کے علاوہ رطل ہر دور میں ایک ایسا پیمانہ رہا ہے جس کے اندازوں میں مکہ، مدینہ اور عراق میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ اس لیے رطل یا ارطال والی روایات کو فقط عصر معصوم علیہ السلام ہی میں وہ بھی فقط ان لوگوں کے لئے حجت مانا جاسکتا ہے جنہوں نے امام علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ اس لیے یہاں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

تحقیقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ کُر کی مقدار:

196.56 /لیٹر = 43.337/ انگلش گیلن = 345.896/امریکی پنٹ تسلیم کی جائے۔

احکام:

☆ کُر پانی پاک ہے۔ نجس چیزوں کو بھی پاک کرتا ہے۔

☆ کُر پانی فقط عین نجاست یا نجس چیز کے گرنے یا مل جانے سے نجس نہیں ہوتا۔

☆ کُر پانی فقط اسی صورت میں نجس ہوتا ہے جب، اس میں عین نجاست کے گرنے یا ملنے کے سبب پانی کا مزا، بو یا رنگ بدل جائے۔

☆ اگر پانی کا رنگ، بو یا مزہ قریب پڑی ہوئی عین نجاست کی وجہ سے بدل جائے تب بھی وہ (کُر پانی) نجس نہیں ہوگا۔

☆ نل یا پانی کا برتن اگر کُر سے متصل ہو اور وہ مخزن، منبع یا ٹینک جس سے یہ پانی متصل ہے اس کے پانی کی مقدار کُر سے کم نہ ہوئی ہو تو اس نل یا برتن کا پانی کُر ہی شمار ہوگا۔ وہ خود بھی پاک ہوگا۔ پاک کر بھی سکے گا۔ فقط نجاست کے گرنے سے نجس نہیں ہوگا۔

☆ کُر پانی، اگر نجس ہو جائے تو جیسے ہی نجاست کے سبب آئی ہوئی تبدیلی یعنی رنگ، بو یا مزہ ختم ہو جائے، یہ (آبِ کُر) پاک ہو جاتا ہے۔

☆ نجس چیزوں کو پاک کرنے کیلئے کُر یا کُر سے متصل پانی سے ایک مرتبہ دھونا کافی ہے۔

☆ بظاہر کر پانی قلیل پانی (تھوڑے پانی) اور آب کثیر (زیادہ پانی) کی حد کا تعین ہے۔ گویا اس مقدار سے کم پانی پر تھوڑے پانی یا آب قلیل کا حکم آئے گا۔ جب پانی مقدار اس سے زیادہ ہو جائے گی تو اس پر زیادہ پانی یعنی آب کثیر اور رواں یا بہتے ہوئے پانی کا حکم آئے گا۔

﴿۵﴾ تھوڑا پانی یا آبِ قلیل

تعریف:

اگر پانی کسی طبیعی منبع یا کسی کُر سے بڑے مخزن سے متصل نہ ہو نیز خود اس پانی اس کی مقدار کُر سے کم ہو، جیسے: لوٹے، بوتل یا گھڑے وغیرہ کا پانی تو فقہی اصطلاح میں اسے آبِ قلیل یعنی تھوڑا پانی کہا جاتا ہے۔

احکام:

☆ تھوڑا پانی یا آبِ قلیل پاک ہوتا ہے۔ نجس چیزوں کو پاک کرتا ہے۔

☆ تھوڑا پانی، فقط نجاست یا عینِ نجاست کے گرنے یا ملنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

☆ تھوڑا پانی یا آبِ قلیل، اگر نجس ہو جائے تو وہ اسی صورت میں پاک ہو سکتا ہے جب وہ بہتے ہوئے پانی، بارش کے پانی، کنویں کے پانی، یا کُر پانی سے متصل ہو جائے، نیز، اس میں نجاست کے سبب آئی ہوئی تبدیلی ختم ہو جائے۔

☆ نجس چیز کو آبِ قلیل سے پاک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ عینِ نجاست دور کرنے کے بعد اس کو دھویا جائے۔

☆ کپڑے وغیرہ جیسی چیزیں جو پانی جذب کر لیتی ہیں، آبِ قلیل سے طہارت کے موقع پر ان کا نچوڑنا ضروری ہے۔

پیشاب اور پائخانہ کی طہارت

پانی کی پانچ قسموں سے عام نجس چیزوں کی طہارت کے احکام ان کے ذیل میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہاں ہم رفعِ حاجت کے موقع پر طہارت کے احکام بیان کر رہے ہیں۔

پیشاب:

☆ پیشاب کرنے کے بعد، مقامِ پیشاب کو کسی بھی قسم کے پانی سے دو مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

☆ پانی نہ ہونے کی صورت میں مقامِ پیشاب کو مٹی یا ٹشو پیپر سے خشک کیا جاسکتا ہے۔ جب بھی پانی ملے پاک کرنا ضروری ہے۔

پائخانہ:

☆ پائخانہ کرنے کے بعد، مقام کو کسی بھی قسم کے پانی سے فقط ایک دفعہ دھولینے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

☆ پانی نہ ہونے کی صورت میں، مٹی، کاغذ یا کپڑے وغیرہ سے عین نجاست جدا ہوتے ہی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پانی کا استعمال ضروری نہیں ہے۔

دھوون یا غسالہ

تعریف:

غسالہ کو اُردو میں دُھوَن کہتے ہیں۔ یہ اس پانی کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کو دھونے کے بعد، دھلنے یا نچوڑنے کے سبب حاصل ہو۔

احکام:

☆ عام نجس چیزوں سے جو دھوون نکلتا ہے، اگر اس میں نجاست کے ذرات نہ ہوں تو پہلا دھوون بھی پاک ہوتا ہے۔

☆ صرف پیشاب سے نجس ہونے والی چیزوں کا پہلا دھوون پاک نہیں ہوتا۔ خواہ اس میں عین نجاست کے ذرات موجود ہوں یا نہ ہوں۔

☆ پیشاب سے نجس ہونے والی چیزوں کا دوسرا دھوون پاک ہوتا ہے۔

نجاسات

تعریف:

﴿۱﴾ نجاست یا نجاسات:

فقہ اسلامی کی اصطلاح میں نجاست یا نجاسات اس چیز یا اُن چیزوں کو کہا جاتا ہے جو بذاتِ خود ناپاک قرار دی گئی ہیں۔ یہ چیزیں کسی دوسری چیز سے لگ جائیں تو اسے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ مُتَنَجِّس:

متنجس اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی نجاست کے لگنے سے ناپاک ہو گئی ہو۔

نجاسات کی تعداد

بعض چھ چیزوں کو اسلام نے عینی یا ذاتی طور پر ناپاک قرار دیا ہے۔ تحقیقی طور پر ان کی تعداد چھ ہے۔

﴿۱﴾ پیشاب:

☆انسان نیز زمین پر چلنے والے حرام گوشت چوپایوں کا پیشاب نجس ہے۔

☆ پرندوں، کیڑے مکوڑوں یعنی چھپکلی وغیرہ، خزندوں اور پانی کے جانوروں نیز زمین پر چلنے والے حلال گوشت چوپاؤں کا پیشاب پاک ہے۔

﴿۲﴾ پائخانہ:

☆ انسان نیز ہر اس حرام گوشت چوپائے کا پائخانہ (فضلہ) نجس ہے جس کا فضلہ انسان کے فضلہ جیسا ہو جیسے کتے یا بلی کا فضلہ۔

☆ چونکہ شریعت میں نجاست کے لیے عَذِرَہ (گُو یا پائخانہ) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق انسان کے یا اس کے جیسے فضلہ پر ہوتا ہے جیسے بلی یا کتے کا فضلہ۔

☆اس لحاظ سے پرندوں، پانی کے جانوروں اور خزندوں یعنی زمین پر رینگ کر چلنے والے جانوروں کا فضلہ جیسے چھپکلی یا چوہے کی مینگنی وغیرہ پاک ہے۔ ان پر عذرہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

﴿۳﴾ منی:

☆انسانوں اور تمام نر چوپایوں کی منی نجس ہے خواہ وہ حرام گوشت ہوں یا حلال گوشت۔
☆خواتین بلکہ کسی بھی مادہ کی رطوبت منی کا حکم نہیں رکھتی۔
☆انسان (مرد یا عورت) کے مقام پیشاب سے مختلف لیس دار مادے نکلتے ہیں۔ یہ منی سے ملتے جُلتے ہوتے ہیں۔ لیکن منی نہیں ہوتے ہیں۔ پاک ہوتے ہیں۔ خواہ یہ مادے جنسی ہیجان کے موقع پر ہی کیوں نہ خارج ہوں۔ ان کے نکلنے سے وضو یا غسل باطل نہیں ہوتا ہے۔ نہ ہی طہارت ضروری ہوتی ہے۔ یہ "مذی" یا "ودی" کہلاتے ہیں۔

﴿۴﴾ خون:

☆انسان، نیز ہر اس جانور کا خون نجس ہے جس کا خون گردن کاٹنے پر اُچھل کر نکلتا ہو۔[۱] خواہ وہ جانور حرام گوشت ہو یا حلال گوشت ہو۔
☆اس لحاظ سے کیڑے مکوڑوں، خزندوں، یعنی رینگنے والے کیڑے مکوڑوں اور جانداروں، آبی یا سمندری اور دریائی جانوروں نیز ہاتھی کی طرح کے بعض دوسرے جانوروں کا خون پاک ہے۔ ان کا خون اُچھل کر نہیں نکلتا۔
☆انڈے میں موجود خون نیز جانوروں کو دوہتے وقت دودھ کے ساتھ نکلنے والا خون نجس ہے۔ یہ خون ایک نازک جھلی کے اندر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر وہ اسی جھلی کے ساتھ اس طرح نکال دیا جائے کہ جھلی نہ پھٹے اور خون انڈے یا دودھ میں ملنے نہ پائے تو دودھ یا انڈا پاک رہے گا۔
☆ مسوڑھوں سے نکلنے والا خون، اگر لعابِ دہن سے ملنے کی وجہ سے خود بخود ختم ہو جائے تو پاک ہے۔ ایسے موقع پر لعابِ دہن نگلنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۔ فقہی اصطلاح میں اس خون کو "خونِ جہندہ" کہتے ہیں۔ جن جانوروں کا خون اچھل کر نکلتا ہے، ان کو فقہی اصطلاح میں "ذی النفسِ السائلہ" کہا جاتا ہے۔

☆اُصولی بات یہ ہے کہ جسم کے اندر خون، پیشاب یا فضلہ سے ملنا کسی چیز کو نجس نہیں کرتا۔ جب تک خون، پیشاب، فضلہ یا منی جسم کے اندر ہو پاک اور طاہر ہے۔ یہ چیزیں جسم سے باہر آنے کے بعد نجس ہوتی ہیں۔

☆ اسی لیے ذبح کرنے اور ذبیحہ کی گردن دھونے کے بعد جو خون طبیعی طور پر ہڈیوں یا گوشت میں باقی رہتا ہے، وہ پاک ہے۔

☆ چوٹ لگنے کے سبب پڑنے والا نیل، ناخن اکھڑنے یا کھال چھل جانے یا زخم کے سبب جمنے والا کھرنڈ پاک ہوتا ہے۔ اس پر ایک لیس دار مادہ کی تہہ ہوتی ہے جو خون پر جم کر خشک ہو جاتی ہے۔

☆پیپ پاک ہے۔

﴿ ۵ و ۶ ﴾ سوَر اور پاگل کتا :

☆سور اور پاگل کتا، دونوں کا بدن، پسینہ، لعابِ دہن سب کچھ نجس ہے۔

کتے کا حکم :

عام طور سے کتے کے بارے میں مشہور ہے کہ کتا نجس العین ہے۔ اس کا گھر میں رکھنا برکتوں سے محرومی کا سبب ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس شہرت کے برخلاف اصحاب کہف کے کتے کا ذکر احترام، طہارت و فاداری اور حفاظت کی خوبیوں کے ساتھ آیا ہے:

وَ تَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظاً وَ هُمْ رُقُودٌ وَ نُقَلِّبُهُمْ ذاتَ الْيَمينِ وَ ذاتَ الشِّمالِ وَ كَلْبُهُمْ باسِطٌ ذِراعَيْهِ بِالْوَصيدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِراراً وَ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْباً

﴿الکہف :۱۸ : ۱۸﴾

تمہیں وہ جاگتے ہوئے بیدار لگتے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں، ہم ان کو دائیں بائیں کروٹیں دلواتے رہتے ہیں۔ ان کا کتا ان کے

اپنے پاؤں پھیلائے بیٹھا ہشیاری اور ہیبت کے ساتھ ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

اگر تم ان کے نزدیک جا کر ان کو دیکھو تو تم خوف سے پلٹ کر بھاگ جاؤ اور ان کا رعب و دہشت تمہارے اوپر مسلط ہو جائے۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا

﴿الکہف :۱۸ : ۲۱ ﴾

جلد ہی لوگ کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے۔

یا کہیں گے پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے۔

اٹکل بچو، نامعلوم تکے لگائیں گے۔

یا کہیں گے سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے۔

آپ ﷺ ان سے فرما دیں کہ ان کی تعداد میرے رب ہی کو معلوم ہے، تم میں سے بہت کم لوگ ان کی صحیح تعداد سے واقف ہیں۔

اس لیے آپ ﷺ ان سے بس سرسری گفتگو سے زیادہ بات نہ کریں۔

نہ ہی ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اس کے علاوہ حضور ختمی مرتبت ﷺ سمیت تمام انبیاء علیہم السلام بکریوں، بھیڑوں، اونٹوں وغیرہ کے ریوڑ چرایا کرتے تھے۔ ریوڑ کے ساتھ محافظ کتوں کا ہونا ضروری ہوتا تھا۔ یہ کتے پالے جاتے تھے۔ یہی کتے ریوڑوں کی حفاظت اور ہدایت کا کام انجام دیتے تھے نیز انہیں بکھرنے اور جانوروں کو ریوڑ سے الگ ہو کر بھٹکنے سے روکتے تھے۔

اسی طرح کتے سے کیے ہوئے شکار کو اسلام سمیت تمام الٰہی ادیان میں جائز و مباح قرار دیا گیا ہے۔ کہیں بھی کتے کے کیے ہوئے شکار کو پاک کرنے کا حکم نہیں آیا ہے۔

عام طور پر کتا درندہ ہونے کے باوجود نہ صرف اہلی جانور ہے بلکہ انسان کا محافظ اس کا خدمت گذار، وفادار اور شکار کے ذریعہ اس کے لیے روزی فراہم کرنے والا جانور ہے۔

اس لیے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ

﴿المائدہ: ۵ : ۴﴾

یہ لوگ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں ان کے لیے کیا حلال کیا ہے؟ آپ ﷺ فرمادیں:

تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔ نیز وہ بھی جو تمہارے وہ پالتو اور تربیت یافتہ شکاری کتے تمہاری دی ہوئی اس تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں تمہارے لیے شکار کر کے لاتے ہیں جو تم انہیں اس علم کے ذریعہ دیتے ہو جو اللہ جل جلالہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔

یہ کتے جو کچھ تمہارے لیے شکار کر کے لائیں اسے خوشی خوشی کھاؤ

مگر اس پر اللہ ﷻ کا نام ضرور لے لینا۔

ہر حال میں اللہ ﷻ کی بزرگواری کو پیش نظر رکھنا۔ اللہ ﷻ تیزی

سے حساب لینے والا ہے۔

اس پس منظر کی روشنی میں اس آیت کریمہ پر غور کریں جہاں ارشاد ہے:

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

﴿الاعراف : ۷ : ۱۷۶﴾

ان کی مثال آوارہ کتے جیسی ہے اس کو ہنکاؤ گے تب بھی وہ ہانپتا کانپتا

رہے گا۔ اگر اس کو کچھ نہیں کہو گے تب بھی وہ ہانپتا کانپتا رہے گا۔

یہی مثال ان لوگوں کی ہے جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں۔

ان کو یہ قصے سنایئے تا کہ یہ خود بھی غور کریں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں دو قسم کے کتوں کا ذکر ہے:

- ایک، پالتو، تربیت یافتہ اور شکاری کتے۔
- دوسرے، پاگل اور آوارہ کتے۔

مسلم کی نقل کی ہوئی یہ روایت ہماری گفتگو اور فہم کی تائید کرتی ہے:

وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، سَمِعَ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ

الْمُغَفَّلِ، قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه [وآله] وسلم

بِقَتْلِ الْكِلَابِ ثُمَّ قَالَ:

مَا بَالُهُمْ وَبَالُ الْكِلَابِ؟

ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ وَقَالَ:

إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ فَاغْسِلُوهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَعَفِّرُوهُ

الثَّامِنَةَ فِي التُّرَابِ.[1]

ابن المفضل کہتے ہیں: رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے کتوں کو قتل کرنے کا

حکم دیا۔

اور فرمایا:

انہیں کتوں سے کیا مطلب؟

پھر، شکاری کتوں اور گلہ یا ریوڑ کی حفاظت والے کتوں کو مستثنیٰ قرار

دیا اور فرمایا:

اگر کتا کسی برتن کو چاٹ لے تو اسے سات مرتبہ دھوؤ پھر آٹھویں

مرتبہ مٹی سے رگڑو مانجھو۔

اس کے بعد اسی صفحہ پر صحیح مسلم نے اسی روایت کے لیے ایک اور سند نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے، البتہ یحییٰ بن سعید کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

وَرَخَّصَ فِي كَلْبِ الْغَنَمِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرَاعَةِ

۱۔ مسلم: الصحیح: کتاب الطہارۃ: باب حکم وُلُوغِ الْكَلْبِ (۲۷) ح: ۹۳ / ۲۸۰: ج: ۱: طبع ضمن: موسوعۃ الکتب الستۃ وشروحھا: ج: ۴: ص: ۲۳۵: ط: الثالثۃ: فورت، استانبول، ترکی ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء

رسول اکرم ﷺ نے ریوڑ یا گلہ کے کتوں، شکاری کتوں اور زراعت کے کتوں کو مستثنیٰ قرار دیا۔

نیز لکھا ہے کہ یہ اضافہ فقط اسی روایت میں ہے۔

اس روایت سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پاگل اور آوارہ کتے کے چاٹے ہوئے برتن کے بارے میں ہے۔ نیز اس کا نجاست سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کے زہریلے پن سے تعلق ہے۔

اس وقت عام طور سے مٹی کے برتن ہوتے تھے۔ ان میں زہر کے سرایت کر جانے کا امکان تھا اس لیے فرمایا گیا کہ سات مرتبہ دھونے کے بعد بھی اس برتن کو مٹی سے رگڑ لو تاکہ اس کے زہریلے جراثیم کا اثر زائل ہو جائے۔

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّوْفَلِيِّ عَنِ السَّكُونِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام قَالَ : قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام : بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله إِلَى الْمَدِينَةِ فَقَالَ لَا تَدَعْ صُورَةً إِلَّا مَحَوْتَهَا وَلَا قَبْراً إِلَّا سَوَّيْتَهُ وَلَا كَلْباً إِلَّا قَتَلْتَهُ[۱]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک شہر میں بھیجا اور فرمایا:

وہاں جتنے مجسمے اور تصویریں ہیں ان کو مٹا دو جتنی قبریں ہیں انہیں منہدم کر دو اور جتنے کتے ہیں انہیں قتل کر دو۔

اس روایت کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہی کتے مراد ہیں جو آوارہ اور پاگل ہیں۔ یقیناً وہ کوئی ایسا ہی شہر ہو گا جہاں جہالت اور بدنظمی ایسی ہو گی کہ قبروں نے انسانوں کے گھر کی جگہ لے لی ہو گی، بتوں کی کثرت ہو گئی ہو گی اور آوارہ کتوں نے شہروں میں فساد اور تباہی مچادی ہو گی۔

۱۔ کلینی: الکافی: کتاب الفروع: كِتَابُ الزِّيِّ وَ التَّجَمُّلِ وَ الْمُرُوءَةِ: بَابُ تَزْوِيقِ الْبُيُوت: ج:۶: ص:۳۰۲: ح: ۱۰۴۰: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

وَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حُرَيْزٍ
عَنِ الْفَضْلِ أَبِي الْعَبَّاسِ قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام:
إِذَا أَصَابَ ثَوْبَكَ مِنَ الْكَلْبِ رُطُوبَةٌ فَاغْسِلْهُ وَ إِنْ مَسَّهُ
جَافّاً فَاصْبُبْ عَلَيْهِ الْمَاءَ۔
قُلْتُ: لِمَ صَارَ بِهَذِهِ الْمَنْزِلَةِ؟ قَالَ:
لِأَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَمَرَ بِقَتْلِهَا [1]

فضل بن ابی العباس کہتے ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اگر تمہارے کپڑوں میں کتے سے رطوبت لگ جائے تو اسے دھولو، اور

اگر خشک کتا کپڑوں سے چھو جائے تو اس پر پانی چھڑک لو۔

میں نے عرض کی:

اسے کیوں اتنا گرا دیا گیا ہے؟

فرمایا:

اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس سے پہلی حدیث کے مطالعہ کی روشنی میں جب اس حدیث پر غور کرتے ہیں تو صاف صاف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد پاگل اور آوارہ کتے ہی ہیں۔

راوی کا سوال اس بات کو اچھی طرح سمجھنے میں ہماری اور بھی مدد کرتا ہے۔

ایک حدیث میں یوں آیا ہے:

أَبُو عَلِيٍّ الْأَشْعَرِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ
إِسْمَاعِيلَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ سَعِيدٍ الْأَعْرَجِ قَالَ:

۱۔ طوسی: تہذیب الاحکام: کتاب الطھارۃ: بَابُ تَطْهِيرِ الثِّيَابِ وَ غَيْرِهَا مِنَ النَّجَاسَاتِ: ج:۱: ص:۲۶۱: ح: ۷۶۱: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام عَنِ الْفَأْرَةِ وَ الْكَلْبِ يَقَعُ فِي السَّمَنِ وَ الزَّيْتِ ثُمَّ يَخْرُجُ مِنْهُ حَيّاً؟

فَقَالَ عليه السلام:

لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ [1]

سعید الاعرج کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر گھی یا تیل میں چوہا یا کتا گر پڑے، پھر اسے زندہ باہر نکال لیا جائے تو اس گھی یا تیل کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

کوئی حرج نہیں اسے کھایا اور استعمال کیا جا سکتا ہے۔

یہ حدیث عام کتوں کی طہارت کے لیے انتہائی واضح ہے۔اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

ان اور ان جیسی بہت سی روایتوں پر غور و تفکر کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ صرف آوارہ اور پاگل کتے ہی نجس ہیں، باقی کتوں کی نجاست پر بظاہر کوئی مضبوط دلیل نظر نہیں آتی۔

مشہور نجاستیں

عام طور سے فقہاء کے درمیان تین (٣) اور چیزیں بھی نجس کہی جاتی ہیں۔ تحقیقی طور پر یہ تینوں نجس نہیں، پاک ہیں۔ان کی تفصیل یہ ہے:

﴿ ١ ﴾ مُردار:

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ خون جہندہ رکھنے والے جانور اگر مُردار ہوں تو نجس ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کا جسم مرنے کے بعد اگر سرد ہو جائے تو نجس ہو جاتا ہے۔

١۔ کلینی: الکافی: کتاب الفروع: کِتَابُ الاطعمۃ: بَابُ الْفَأْرَةِ تَمُوتُ فِي الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ: ج:٦: ص:١٥٠: ح: ٨٦٨٦: ط: الامیرۃ بیروت: ١٤٢٩ھ/ ٢٠٠٨ء

منابع شرعی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مُردار کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح انسان کی میت اگر سرد ہو جانے کے بعد چھو لی جائے تو نماز کے لیے غسل مسِ میت ضروری ہے۔ لیکن یہ نجس نہیں ہے۔

☆ایسے چمڑے کے بنے ہوئے لباس، بٹوے وغیرہ جن کے متعلق قوی احتمال ہو کہ یہ مُردار یعنی غیر ذبیحہ جانور کی کھال سے بنائے گئے ہیں:
☆ان کو ساتھ رکھ کر یا پہن کر نماز صحیح نہیں ہوگی۔
☆لیکن گیلے ہاتھ، جسم یا کپڑے اس سے چھو جانے سے نجس نہیں ہوں گے۔

﴿۲﴾ کافر:

☆کافر، خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی یا مُشرک و مُلحد بھی نجس یا نجس العین نہیں ہے۔
☆اگر اس کے جسم میں عین نجاست نہ لگی ہو یا اس کے ہاتھ اچھی طرح سے دُھلے ہوئے ہوں تو وہ پاک ہے۔

﴿۳﴾ خمر یا شراب:

☆خمر یا شراب کا پینا حرام ہے۔ نجس نہیں ہے۔
☆اگر جسم یا لباس پر شراب گر جائے تو نماز سے پہلے دھو لینا ضروری ہے۔
☆ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انگور یا منقہ جوش آنے پر نجس ہو جاتا ہے۔ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔
☆ انگور یا منقہ کے جوش آنے پر اس وقت تک اس کا پینا حرام ہے جب تک وہ شیرہ نہ بن جائے۔ جب انگور یا منقہ کو جوش آتا ہے تو وہ شراب بن جاتا ہے۔ پھر جب اسے اتنا پکا لیا جاتا ہے کہ اس کا دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو وہ شیرہ بن جاتا ہے جسے اصطلاح میں "دِبْسٌ" کہا جاتا ہے۔ یہ حلال ہے اس کا کھانا پینا جائز ہے۔
☆ہر قسم کا الکحل پاک ہے۔ البتہ بعض قسم کے الکحل کا پینا حرام ہے۔

حلال جانور

﴿۱﴾ چرندوں اور چوپایوں میں اونٹ، گائے، بکری، ہرن اور اس سے ملتے جلتے جانور خواہ اہلی یعنی پالتو ہوں یا وحشی یعنی جنگلی حلال ہیں۔

﴿۲﴾ پرندوں میں جو جانور اڑتے وقت پَر ہلاتے ہیں، یا جن کے پنجے ناخن دار ہوں یا جن کے پوٹا ہو، وہ حلال ہیں۔

﴿۳﴾ پانی کے جانوروں میں جن جانوروں کو مچھلی کہا جائے، نیز جھینگا حلال ہے۔

تذکیہ

تعریف:

تذکیہ یا ذبح شرعی یا ذبیحہ، اسلامی فقہ میں، حلال جانوروں کو شریعت کے معیّن کئے ہوئے طریقہ کے مطابق ذبح، نحر یا شکار کرنے کو کہا جاتا ہے۔

احکام:

☆خونِ جہندہ رکھنے والے حلال گوشت حیوانات میں اونٹ کے علاوہ باقی حیوانات میں ضروری ہے کہ:

﴿۱﴾ دونوں شہ رگیں جو حلقوم کے دونوں طرف ہوتی ہیں اور ورید کہلاتی ہیں، کاٹی جائیں۔

﴿۲﴾ حلقوم یعنی سانس کی نالی یا نرخرہ کاٹا جائے۔

﴿۳﴾ ممکن صورت میں لوہے کے چھرے (آلہ) سے ذبح کیا جائے خواہ لوہا ملاوٹی ہی کیوں نہ ہو۔

لوہا نہ ملنے کی صورت میں کسی بھی چیز سے ذبح کیا جاسکتا ہے۔

﴿۴﴾ جانور کو روبقبلہ ذبح کیا جائے، یعنی اس کے ہاتھ پیر اور حلقوم قبلہ کی طرف ہوں۔

اضطراری حالت میں یہ حکم ساقط ہے۔

﴿۵﴾ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔

﴿۶﴾ ذبح کرنے والا مسلمان ہونا چاہیے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے یا اگر مسلمان نہ ہو تو یہ معلوم ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے۔

☆ اونٹ کا تذکیہ نحر کرنا ہے۔ نحر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نیزہ یا چھرا، اس کے گلے کے گڑھے میں گھونپا جائے۔

☆ مچھلی کا تذکیہ یہ ہے کہ وہ پانی سے زندہ پکڑی جائے۔ اس لیے اگر جال میں پھنسنے کے بعد جال نکالنے سے پہلے پانی ہی میں مر جائے، تب بھی حلال ہے۔

☆ مچھلی پکڑنے والے کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

☆ زندہ مچھلی کا کھانا بھی جائز ہے۔

☆ جھینگے کا حکم مچھلی کا ہے۔

☆ شکار کی صورت میں تذکیہ یہ ہے کہ شکار تیر یا گولی کے لگنے سے مرے۔

☆ شکاری جانور مثلاً کتے یا باز وغیرہ سے شکار کی صورت میں تذکیہ یہ ہے کہ شکار، شکاری جانور کے کاٹنے سے مرے۔

☆ ٹڈی کا زندہ پکڑنا ضروری ہے۔ مری ہوئی ٹڈی کا پکڑ کر کھانا حرام ہے۔

☆ مادہ جانور کا بچہ اگر ذبح یا نحر کرتے وقت پیٹ میں زندہ ہو اور ذبح یا نحر کے بعد مر جائے تو اس کا گوشت حلال ہے۔

لیکن اگر ذبح یا نحر سے پہلے بچہ شکم مادر میں مر چکا ہو تو اس کا کھانا حرام ہے۔

مطہرات

تعریف:

فقہی اصطلاح میں مطہرات (پاک کرنیوالی) ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو نجس یا عین نجاست کو پاک کرنے کی قدرت رکھتی ہیں۔

تعداد:

نجس یا نجاست کو پاک کرنے والی چیزیں پانچ ہیں۔

﴿۱﴾ ____________ ازالۂ عین (یعنی عین نجاست کا دور ہو جانا)

﴿۲﴾ ____________ پانی

﴿۳﴾ ____________ دھوپ

﴿۴﴾ ____________ زمین

﴿۵﴾ ____________ استحالہ

احکام:

﴿۱﴾... ازالۂ عین

☆ کسی بھی جانور کے جسم سے عین نجاست کا فقط جدا ہو جانا اس کی طہارت کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اگر پرندہ کی چونچ میں خون لگ جائے اور کسی بھی سبب صاف ہو جائے تو وہ پاک ہو جائے گی۔

﴿۲﴾... پانی

☆ پانی سے مُراد وہ مایع ہے جسے عام طور سے پانی کہا جاتا ہے۔ یہ پینے اور روز مرّہ کے دوسرے کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسے مطلق پانی یا آبِ مُطلق بھی کہتے ہیں۔ پانی ہر نجس چیز کو پاک کر سکتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

﴿الف﴾آبِ کثیر، زیادہ پانی:

☆اگر پانی کثیر یعنی کُر، جاری، بارش کا یا کنویں کا ہو، تو نجس چیز ایک ہی دفعہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہے، بشرطیکہ دھونے کے دوران عین نجاست زائل ہو جائے۔

﴿ب﴾آب قلیل، کم پانی:

☆ قلیل یا تھوڑے پانی سے پاک کرنے کے لیے نجس چیز کو دو مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

☆اگر پہلی دفعہ دھونے سے ہی عین نجاست دور ہو جائے تو بھی دوسری دفعہ دھونے سے ہی پاک ہو گی۔

☆اس میں پیشاب وغیرہ کا حکم بھی یہی ہے۔

البتہ اگر پیشاب شیر خوار بچے کا ہو تو خواہ بچہ ہو یا بچی اس کے پیشاب سے نجس ہونے والی چیز ایک دفعہ قلیل پانی ڈالنے سے پاک ہو جائے گی۔

☆ کپڑے وغیرہ جیسی چیزیں جو پانی کو جذب کر لیتی ہیں، قلیل پانی سے پاک کرتے وقت ان کا نچوڑنا ضروری ہے۔

☆ لیکن جو چیزیں پانی جذب نہیں کرتی ہیں، ان پر سے فقط پانی کا گذر جانا کافی ہے۔

﴿۳﴾... دھوپ

☆ غیر متحرک چیزیں یعنی زمین، دیوار، درخت، دروازے، کھڑکیاں وغیرہ اگر نجس ہو جائیں، تو عین نجاست کے زائل ہونے کے بعد، نجاست کے نتیجہ میں گیلی رہ گئی ہوں یا گیلی کر دی جائیں اور دھوپ سے خشک کر لی جائیں تو پاک ہو جاتی ہیں۔ خواہ دھوپ کے ساتھ ہوا بھی خشک کرنے میں مددگار ہو۔

﴿۴﴾... زمین

☆ پیر کے پنجے، جوتوں کے تلوے اور چھڑی وغیرہ نجس ہو جائیں تو زمین پر گھسنے یا چلنے سے اگر عین نجاست دور ہو جائے تو پاک ہو جاتے ہیں۔

☆زمین کا قدرتی ہونا ضروری نہیں ہے۔اس لیے گھر کے اندر فرش جو اینٹوں، گارے، سیمنٹ، ٹائلوں یا پتھروں سے بنے ہوں، سڑکوں اور گلیوں میں چلنے سے بھی یہ چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔

﴿۵﴾... استحالہ

☆استحالہ کا مطلب کسی چیز کی ماہیت کا بدل جانا ہے۔

☆یہ ایک ہی ایسا مطہر ہے جو عین نجاست کو بھی پاک کر سکتا ہے۔

☆اگر عین نجاست یا نجس چیز کی ماہیت بدل جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔

جیسے سور جل کر راکھ یا نمک میں گر کر نمک کا بن جائے۔یا بعض نجاستیں جب کسی کیمیائی عمل کے ذریعہ اپنی ماہیت بدل دیں تو وہ پاک ہو جاتی ہیں۔ جیسے نجس چربی سے صابن بنالیا جائے۔

طہارتِ سہ گانہ

(تین طرح کی طہارتیں)

طہارتِ سہ گانہ

تعریف:

طہارتِ سہ گانہ سے ہماری مراد:

﴿۱﴾ ________ وضو

﴿۲﴾ ________ غسل اور

﴿۳﴾ ________ تیمّم ہے۔

﴿۱﴾ وضو

تعریف:

وضو کے معنی یہ ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنا:

☆ پورا چہرہ ________________ نیز

☆ کہنی تک دونوں ہاتھ دھوئے۔

☆ سر ________________ نیز

☆ دونوں پیروں کے اوپر کے حصہ کا مسح کرے اور،

نیت:

بنیادی طور پر وضو میں استحباب یا وجوب کی نیت شرط نہیں ہے۔ فقط قربت کی نیت شرط ہے۔

وضو ذاتی طور پر مستحب ہے۔ لیکن اگر استحباب کے بجائے وجوب یا وجوب کے بجائے استحباب کی نیت کرے تب بھی صحیح ہے۔

مثال کے طور پر اگر نماز کے وقت آجانے کے بعد اس خیال سے کہ ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ استحباب کی نیت سے یا نماز کے وقت سے پہلے اس خیال سے کہ وقت ہو چکا ہے وجوب کی نیت سے وضو کرے تو کوئی حرج نہیں۔ دونوں صورتوں میں وضو صحیح ہے۔

واجب نمازوں کے لیے نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایسے موقعہ پر عام طور سے انسان کا ارادہ یہی ہوتا ہے کہ طہارت کے ساتھ رہے تاکہ نماز کا وقت آنے پر اول وقت نماز ادا کر سکے۔

طریقہ:

☆ وضو کے تمام امور قصد قُربت یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی انجام دہی اور اس کی خوشنودی کی نیت وارادہ سے انجام دے۔

☆ چہرے کی لمبائی میں پیشانی پر بال اگنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی تک اور چوڑائی میں کانوں کے قریب تک کا دھونا ضروری ہے۔

☆ نیز ضروری ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف دھویا جائے۔

☆ ہاتھوں کو کہنی سے انگلیوں کے سروں تک دھونا ضروری ہے۔

☆ ضروری ہے کہ پہلے دایاں پھر بایاں ہاتھ دھویا جائے۔

☆ سر کے مسح میں، سر کے سامنے کے حصے پر انگلی کے سروں سے انگلی کے ایک پور کے برابر حصہ کا مسح کرنا کافی ہے۔

☆ پیر کے مسح میں ہتھیلی سے پیروں کے اوپر کے پورے حصے کا ایک ساتھ یا پہلے دائیں پھر بائیں پیر کا مسح کرنا چاہیے۔

☆ سر اور پیروں کے مسح میں ضروری ہے کہ وہی رطوبت استعمال ہو جو چہرہ اور ہاتھ دھونے کے سبب پیدا ہوئی ہو۔

☆ مسح کے لیے الگ سے پانی کا استعمال درست نہیں ہے۔

☆ چہرہ یا ہاتھوں پر کئی بار پانی ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ پہلی دفعہ دھونا واجب ہے۔

☆ دوسری دفع دھونا ایسی صورت میں مستحب ہے جب کہ پہلی دھلائی کو مکمل کرنے کی نیت سے دھویا جائے۔ یعنی یہ نیت ہو کہ اگر چہرہ یا ہاتھوں کو پہلی دفعہ دھوتے وقت کوئی کمی رہ گئی ہو تو ہو پوری ہو جائے۔

☆ تیسری دفعہ دھونا جائز نہیں ہے۔

☆ وضو سے پہلے ہاتھوں کا دھونا کلی کرکے یا مسواک یا ٹوتھ برش کے ذریعہ منہ کا اندر سے دھونا نیز ناک میں تین دفعہ پانی ڈال کر ناک کو اندر سے صاف کرنا مستحب ہے۔ مستحب ہے کہ وضو سے پہلے اعضاء وضو مکمل طور پر صاف ستھرے ہوں۔

☆ وضو میں چہرہ کے بالوں کا فقط اوپر سے دھولینا کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ پانی۔ بالوں کے نیچے کی کھال تک پہنچے۔

☆ اگر بال چھوٹے ہوں، تو بالوں کے اوپر سے مسح کرنا کافی ہے۔

☆ اگر مسح سے پہلے ہاتھوں کی تری خشک ہو جائے تو چہرہ یا چہرہ کے بالوں کی تری سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ وضو کے اعضاء دھونے کے سلسلہ میں موالات، یعنی اس طرح پے در پے دھونا شرط ہے یعنی پہلے عضو کے خشک ہونے سے پہلے، اس کے بعد والے عضو کو دھولیا جائے۔

☆ سلسل البول کے مریض، جن کو مسلسل قطرہ قطرہ پیشاب آتا ہے اور نہیں رکتا، ان کیلئے ہر نماز کے لیے ایک وضو کافی ہے۔

☆ یہ واجب اور مستحب نمازوں، حج و عمرہ کے طوافوں اور مسِ کتابتِ قرآن میں شرط ہے۔

☆ تمام مستحب اعمال جیسے تلاوتِ قرآن، علمی اور مذہبی محفلوں یا کلاس، مسجد یا مقاماتِ مشرفہ میں حاضری وغیرہ کیلئے مستحب ہے۔

☆ مستحب ہے کہ انسان ہر وقت، ہر حال میں ہر جگہ یہاں تک کہ سوتے وقت بھی طہارت یعنی وضو، غسل یا تیمم کے ساتھ ہو۔ کیونکہ:

* طہارت نفسانی اور اندرونی نورانیت کا سبب ہے۔
* طہارت کے ساتھ انسان کو اپنا باطن روشن نظر آتا ہے۔
* باطہارت انسان ہمیشہ الٰہی توجہات کا مرکز رہتا ہے۔
* باوضو انسان کا ہر عمل یہاں تک سونا یا بیت الخلا جانا بھی عبادت شمار ہوتا ہے۔ اسے اس کا ثواب ملتا ہے۔
* وضو باطل ہوئے بغیر دوبارہ وضو کرنے (تجدید وضو) کی تاکید ہے۔

"أَنَّ الْوُضُوءَ عَلَى الْوُضُوءِ نُورٌ عَلَى نُورٍ وَمَنْ جَدَّدَ وُضُوءَهُ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ آخَرَ جَدَّدَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَوْبَتَهُ مِنْ غَيْرِ اسْتِغْفَار"[۱]

وضو پر وضو یا پے در پے وضو...، نورانیت میں اضافہ کا سبب ہے۔
اگر کوئی بندۂ خدا کسی حدث کے بغیر یعنی وضو ٹوٹنے سے پہلے
دوبارہ وضو کرتا ہے۔
تو
اللہ عز وجل اس کی توبہ بھی استغفار یعنی طلبِ مغفرت سے
پہلے ہی دو مرتبہ قبول فرمالیتا ہے۔

وضو کے پانی کی شرطیں:

﴿۱﴾ پانی ہی ہو۔ دوسرے مایعات میں سے نہ ہو۔ عرق گلاب اور نبیذ پانی کے حکم میں ہیں۔ اس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے۔

﴿۲﴾ پاک ہو۔

۱۔ صدوق: من لایحضرہ الفقیہ::: باب صفۃ وضوء رسول اللہؐ: ج:۱: ص:۱۷: ح:۸۲(۹): ط: الامیرہ، بیروت ۱۴۲۹ھ ۲۰۰۸۔

﴿۳﴾ مباح ہو یعنی زبردستی کا چھینا ہوا، یا چوری کیا ہوا یا حرام مال سے خریدا ہوا نہ ہو۔

﴿۴﴾ کھیتوں یا باغوں وغیرہ میں پانی پہنچانے والے ندی، نالوں سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس کیلئے مالک کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

جبیرہ:

☆ اگر چہرہ یا ہاتھوں میں ایسا زخم ہو جس کے ارد گرد کو دھویا جاسکے اور زخم پر کپڑا یا پٹی رکھ کر مسح کیا جاسکے تو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اس عمل کو فقہی اصطلاح میں جبیرہ کہتے ہیں۔
اس صورت میں وضو کافی ہے، تیمّم کی ضرورت نہیں ہے۔
زخم یا کٹنے کی صورت میں غسل کا حکم بھی یہی ہے۔

☆ اگر زخم اس طرح کا ہو کہ ارد گرد کے حصے دھوئے نہ جاسکتے ہوں، یا پٹی معمول سے زیادہ حصہ پر بندھی ہو تو وضو یا غسل کے بدلے تیمم کیا جائے۔

☆ وضو یا غسل میں پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ وضو یا غسل ساقط ہو جائے گا۔ فقط تیمم کافی ہو گا۔

وضو یا تیمّم بدلِ وضو باطل کرنے والی چیزیں

مبطلاتِ وضو یا وہ چیزیں جن کی وجہ سے وضو یا وضو کے بدلے کیا جانے والا تیمّم باطل ہو جاتا ہے۔ یہ دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم "حدث اصغر" اور دوسری قسم "حدث اکبر" کہلاتی ہے۔ یہ درج ذیل ہیں:

(الف) حدثِ اصغر:

﴿۱﴾ ________ پیشاب
﴿۲﴾ ________ پائخانہ
﴿۳﴾ ________ ریاح
﴿۴﴾ ________ ایسی نیند جو کانوں اور آنکھوں پر غالب آجائے یعنی جس کے سبب نہ سن سکے نہ دیکھ سکے۔
﴿۵﴾ ________ بے ہوشی
﴿۶﴾ ________ خون استحاضہ (جیسا کہ بعد میں تفصیل سے آئے گا)۔

(ب) حدث اکبر:

﴿الف﴾ ____________________ جنابت

﴿ب﴾ ____________________ حیض

﴿ج﴾ ____________________ نفاس

تیمّم کا طریق کار اور احکام کا ذکر انشاء اللہ آئندہ صفحات میں غسل اور میت کے احکام کے بعد کیا جائے گا۔

﴿۲﴾ غسل

تعریف:

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر سر و گردن پھر بدن کو دھونا غسل کہلاتا ہے۔

نیت:

☆ غسل میں تقرب الی اللہ یعنی اللہ جل جلالہ کی خوشنودی کا ارادہ کرنا ضروری ہے۔

☆ غسل ذاتی طور پر مستحب ہے۔ نماز کے لئے واجب ہوتا ہے۔

☆ غسل کی نیت میں وجوب و استحباب کا ذکر ضروری نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی استحباب کی جگہ وجوب یا وجوب کی جگہ استحباب کا ارادہ یا نیت کرے تب بھی غسل صحیح ہوگا۔

☆ غسل کے اسباب کے تعدد کی صورت میں، یعنی اگر کئی غسل مثلاً جنابت، حیض، جمعہ اور نذر کے غسل کرنا ہوں، تو ایک ہی غسل ان تمام غسلوں کی نیت سے کیا جا سکتا ہے۔

غسل کرنے کا طریقہ اور احکام:

☆ بہتر ہے کہ بدن کو دھوتے وقت سیدھی طرف سے شروع کیا جائے۔ ضروری ہے کہ پانی سر، چہرہ اور بدن کے تمام حصوں کی کھال تک پہنچے۔

☆ جہاں بال گھنے ہوں یعنی بہت زیادہ ہوں وہاں بھی بالوں کے نیچے کی کھال تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

☆ غسل سے پہلے یا اس کے دوران ہر اس رکاوٹ کو جسم سے دور کرنا ضروری ہے جو پانی کو بدن یا کھال تک پہنچنے سے روکے۔

☆ غسل میں موالات، یعنی جسم کا پے در پے دھونا شرط نہیں ہے۔ اس لیے اگر غسل کے بعد معلوم ہو کہ بدن کے بعض یا کسی حصہ پر پانی نہیں پہنچا ہے تو اس پر موجود رکاوٹ کو دور کر کے فقط اس حصہ کو غسل کی نیت سے دھو لینا کافی ہے۔ خواہ غسل کیے ہوئے دیر ہی کیوں نہ ہو چکی ہو۔

☆ اگر حدثِ اصغر صادر ہونے کے بعد معلوم ہو تب بھی فقط اس مقام کو غسل کی نیت سے دھو لینے سے غسل صحیح ہو جائے گا۔ لیکن دوبارہ غسل کر لینا بہتر ہے۔

☆ غسل کو ارتماساً یعنی حوض، سوئمنگ پول، جھیل، نہر، دریا، یا سمندر میں ڈبکی لگا کر بھی انجام دیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ترتیب شرط نہیں ہے۔

☆ غسل سے حاصل ہونے والی طہارت حدث اکبر سے زائل ہو جاتی ہے۔

☆ غسل کے بغیر جُنُب، حائض، نفساء، نہ مسجد میں جا سکتے ہیں اور نہ ہی مسجد میں ٹھہر سکتے ہیں۔

☆ غسل واجب ہو یا مستحب اس کے بعد نماز کے لئے اس وقت تک وضو کی ضرورت نہیں ہوتی جب تک وضو یا تیمم باطل کرنے والا کوئی حدث اصغر صادر نہ ہو۔

☆ غسل کے دوران یا بعد کوئی حدث اصغر صادر ہو جائے تو نماز کے لئے وضو ضروری ہے۔

غسل کے پانی کی شرطیں:

غسل کے پانی کی شرطیں وہی ہیں، جو وضو کے پانی کی شرطیں ہیں۔ یہ شرطیں وضو کے باب میں بیان ہو چکی ہیں۔

غسل کے اسباب

ا۔ حدث اکبر:

بعض اسباب ایسے ہیں جن کے بعد نماز اور بعض عبادات کے لئے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

یہ اسباب ۶/ ہیں۔

ان اسباب کو حدث اکبر کہا جاتا ہے۔ حدث اکبر رفع کرنے کے لیے یا حدث اکبر کے بعد عبادت کے لیے غسل ضروری ہے۔

حدث اکبر سے مراد ہے:

﴿۱﴾ جنابت	﴿۲﴾ حیض
﴿۳﴾ نفاس	﴿۴﴾ استحاضہ
﴿۵﴾ مس میت اور	﴿۶﴾ موت ہے۔

﴿ ۱ ﴾ جنابت:

مرد کیلئے منی نکلنے اور مرد و عورت دونوں کے لیے ہمبستری کرنے کے بعد کی حالت، جنابت کہلاتی ہے۔ خواہ یہ ہمبستری شرعی جواز رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو۔

حدثِ جنابت سے طہارت کے لیے غسل ضروری ہے۔

﴿ ۲ ﴾ حیض:

خونِ حیض کے تمام ہونے یا منقطع ہونے کے بعد حدثِ حیض سے طہارت کے لیے غسل ضروری ہے۔

﴿ ۳ ﴾ نفاس:

بچہ کی ولادت کے بعد نکلنے والے خون یعنی خونِ نفاس کے منقطع ہونے پر حالتِ نفاس سے طہارت کے لیے غسل ضروری ہے۔

﴿ ۴ ﴾ استحاضہ:

استحاضۂ متوسطہ یا استحاضۂ کثیرہ کے حدث سے طہارت کیلئے غسل ضروری ہے۔

﴿ ۵ ﴾ مسِ میت:

انسان کے مردہ کو اس کے ٹھنڈا ہونے کے بعد اور غسل میت دیئے جانے سے پہلے چھونے سے حدثِ اکبر حاصل ہوتا ہے۔ اس حدث سے طہارت کے لیے غسل ضروری ہے۔

﴿۲﴾ **موت:**

انسان کے مرنے کے بعد اس کو غسل میت دینا واجب ہے۔

﴿۳﴾ **نذر:**

اگر غسل کے لیے صیغۂ شرعی کے ساتھ نذر کرلی جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

﴿۴﴾ **روایات:**

رسول واہلبیت رسول علیہم السلام کی روایتوں میں بعض مواقع پر غسل کی تاکید آئی ہے۔ یہ مواقع کے اسباب میں ان مواقع پر غسل کرنا مستحب ہے۔ ان اسباب کی مختصر تفصیل یہ ہے:

﴿۱﴾ جمعہ

﴿۲﴾ عیدین یعنی عید فطر اور عید الاضحیٰ کے غسل۔

﴿۳﴾ احرام باندھنے سے پہلے غسل۔

﴿۴﴾ شب ہای ۱۳/رجب و نیمہ شعبان و شب ہای لیلۃالقدر وغیرہ

غسل یا تیمّم بدلِ غسل باطل کرنے والی چیزیں

مبطلاتِ غسل " یا وہ چیزیں جن کی وجہ سے غسل یا غسل کے بدلے کیا جانے والا تیمّم باطل ہو جاتا ہے، " حدث اکبر " کہلاتی ہے۔ یہ درج ذیل ہیں:

۱۔ جنابت　۲۔ حیض　۳۔ استحاضہ　۴۔ نفاس　۵۔ مس میت

☆ غسل کے دوران یا بعد کوئی حدث اصغر صادر ہو جائے تو غسل نہیں ٹوٹتا یا باطل نہیں ہوتا۔

جنابت

تعریف:

مرد کے عضو تناسل سے کسی بھی صورت منی کے نکلنے اور مرد و عورت کے ہم بستری یا مباشرت کے عمل کے بعد کی حالت کو جنابت کہا جاتا ہے۔

مجنب:

تعریف:

جو شخص مرد یازن حالتِ جنابت میں ہو اسے مجنب کہا جاتا ہے۔

جنابت کا ثبوت:

☆کسی بھی شخص (مرد یازن) کے لیے اس وقت تک جنابت ثابت نہیں ہوتی جب تک اس کو یقین نہ ہو جائے۔

شک خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، شک کی صورت میں جنابت ثابت نہیں ہوتی۔

مثلاً:

☆کوئی مرد خواب میں یا سوتے میں اپنے آپ کو مجنب دیکھے۔ جاگنے کے بعد جسم یا کپڑوں پر جنابت کے نشان نہ دیکھے یا اس کے جسم یا کپڑوں پر نشانات ہوں۔ ان کے بارے میں اسے شک ہو کہ یہ نشانات جنابت کے ہیں یا نہیں؟

اس پر جنابت کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔ وہ مجنب نہیں کہلائے گا۔ اسے نماز کے لیے غسل کی ضرورت نہیں ہو گی۔

☆اگر ہمبستری کے درمیان شک ہو کہ دخول ہوا یا نہیں، تو مرد و زن دونوں پر جنابت کا حکم نہیں آئے گا۔ اسی طرح اگر کوئی مرد یا عوت خواب میں ہم بستری دیکھے تو اس پر جنب کا حکم نہیں آئے گا۔

☆اگر مرد کو یقین ہو کہ دخول انجام پایا گیا۔ عورت کو یقین ہو کہ دخول انجام نہیں پایا یا شک ہو کہ دخول انجام پایا یا نہیں۔ تو مرد پر مجنب کے احکام لاگو ہوں۔ عورت پر مجنب کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔

☆ کسی کو اپنے جسم سے نکلنے والی رطوبت کے بارے میں شک ہو کہ:

یہ منی ہے یا مذی یا کوئی اور رطوبت؟

اس پر بھی جنابت کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔وہ مجنب نہیں کہلائے گا۔اسے نماز کے لیے غسل کی ضرورت نہیں ہو گی۔

جنابت کے احکام:

مجنب پر جب تک وہ حالت جنابت میں رہے، کچھ کام مباح رہتے ہیں، کچھ مستحب ہوتے ہیں، کچھ حرام ہو جاتے ہیں۔

مباحات:

مجنب کے لیے اپنے فریضہ کے مطابق غسل یا تیمّم سے پہلے جو امور یا کام مباح یا جائز ہوتے ہیں انہیں مباحات" کہا جاتا ہے۔ یہ تمام کام وہ غسل یا تیمّم سے پہلے انجام دے سکتا ہے۔مجنب کے مباحات یہ ہیں:

﴿۱﴾ تلاوتِ قرآن حکیم۔ اس حالت میں تلاوت کرتے ہوئے قرآن حکیم کی کتابت کو نہ چھوئے۔

﴿۲﴾ ذکر و تسبیح۔

﴿۳﴾ زندگی کے تمام معمولات۔

☆ یاد رہے، مجنب نجس نہیں ہوتا۔

مستحبات:

☆ مجنب کے لئے مستحب ہے کہ جنابت کی حالت میں وضو یا تیمم کرے۔

☆اس وضو یا تیمم سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر وضو یا تیمم کا ثواب ملے گا۔ اس وضو یا تیمم کے ساتھ جو مباح یا مستحب کام انجام دے گا ان سب پر وہی ثواب ملے گا جو عام طور سے وضو یا تیمم کے ساتھ انجام دینے سے ملتا ہے۔

محرمات:

مجنب کے لیے اپنے فریضہ کے مطابق غسل یا تیمّم سے پہلے، حالتِ جنابت میں جو کام انجام دینا حرام ہے وہ " محرمات " کہلاتے ہیں۔ مجنب کے محرمات یہ ہیں:

﴿۱﴾ نماز میت کے علاوہ باقی نمازوں کا پڑھنا۔

﴿۲﴾ مسجد الحرام اور مسجد النبی ﷺ میں جانا، گذرنا یا ٹھہرنا۔

﴿۳﴾ عام مسجدوں میں رکنا یا ٹھہرنا۔

﴿۴﴾ قرآنی آیتوں یا اسماء جلالہ کا چھونا۔

﴿۵﴾ جنابت کی حالت میں ارادتاً روزہ رکھنا۔

ماہ رمضان میں:

مجنب کے لیے صبح صادق کے طلوع ہونے یعنی نمازِ فجر کے وقت سے پہلے اپنی ذمہ داری اور تکلیف کے مطابق غسل یا تیمّم کرنا ضروری ہے۔

ورنہ،

اس کا روزہ باطل ہو جائے گا۔

البتہ؛

اگر نمازِ فجر کے بعد کسی وقت سوتے میں مجنب ہو جائے تو فوراً غسل ضروری نہیں ہے اس صورت میں اس کا روزہ صحیح ہوگا۔

غسلِ جنابت:

☆مسلمان کو ہر جنابت کے بعد غسل کرنا چاہئے۔ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

☆خیال رکھنا چاہئے کہ نماز چاہے واجب ہو یا مستحب، مجنب غسل کئے بغیر نہیں پڑھ سکتا۔

مجنب کے لیے غسل سے پہلے:

﴿۱﴾ جسم کا پاک کرنا۔

﴿۲﴾ پیشاب کرکے یہ اطمینان حاصل کرنا کہ منی کا کوئی اثر پیشاب کے مجریٰ میں باقی نہیں ہے۔

﴿۳﴾ جسم سے ایسی چیزوں کا، جن کے سبب پانی کھال تک نہیں پہنچ سکتا جیسے چکنائی وغیرہ کو دور کرنا ضروری ہے۔

غسل جنابت کے بجائے تیمّم کا حکم:

☆ مجنب بیماری کی وجہ سے غسل نہ کر سکتا ہو۔

☆ اسے ڈر ہو کہ اگر غسل کرے گا تو بیمار ہو جائے گا۔

☆ غسل کے لیے پانی موجود نہ ہو

ان سب صورتوں میں اسے غسل کے بجائے تیمّم کرنا چاہیئے۔

☆ غسل جنابت / تیمم بدل غسلِ جنابت کی نیت کے لیے یہ ارادہ کافی ہے کہ:

اللہ عز وجل کی خوشنودی اور تقرب کی خاطر غسل جنابت/ تیمّم بدلِ غسل جنابت بجالاتا/لاتی ہوں۔

☆ الفاظ کا زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

مجنب کے لئے غسل یا تیمّم کی نیّت:

غسل جنابت یا غسل جنابت کی جگ اہل سنت تیمم کے لیے ضروری ہے کہ انسان یہ اورر ادہ کرے کہ،

اللہ عزوجل کی خوشنودی اور تقرب کی خاطر غسل جنابت یا تیمم بدل غسل جنابت بجالاتا یا لاتی ہوں۔

طہر

جن دنوں خواتین خون حیض نہیں دیکھتی ہیں ان دنوں کو شرعی اصطلاح میں طہر کہا جاتا ہے۔

تعریف:

کسی بھی خاتون کا دو حیضوں کے درمیان کا وقت یا مدت، "طہر" کہلاتا ہے۔

ان دنوں میں خواتین کو شرعی اصطلاح میں "طاہر" کہا جاتا ہے۔

طہر کے احکام:

☆ منکوحہ عورت کو "طہر" کی حالت میں طلاق دی جا سکتی ہے۔

☆ نکاح دائم میں طلاق اور نکاح منقطع میں نکاح کی مدت کے اختتام کے بعد عدت ضروری ہے۔ یہ عدت عام حالات میں تین "طہر" کے ختم ہونے تک نیز حاملہ عورت کے لئے وضعِ حمل تک ہے۔

حیض

تعریف:

وہ خون، جو خواتین سن بلوغ تک پہنچنے کے بعد عموماً چودہ برس کے سن میں ہر ماہ کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس دن ۲۷،۲۸ دن کے بعد دیکھتی ہیں، حیض کہلاتا ہے۔

حائض:

تعریف:

جن دنوں خواتین خون حیض دیکھتی ہیں ان دنوں ان کو حائض کہا جاتا ہے۔

اس بات پر توجہ ضروری ہے کہ حائض خود نجس نہیں ہوتی۔ صرف اس کا خون یا اس کے جسم یا لباس کا فقط وہی حصّہ نجس ہوتا ہے، جہاں وہ خون لگ جائے۔

خون حیض کی پہچان:

خون حیض کی کچھ نشانیاں ہیں، ان کے ذریعہ اس کی شناخت یا پہچان کی جاتی ہے۔ وہ نشانیاں یہ ہیں:

﴿۱﴾ عام حالت میں اس کا رنگ سرخ یا سیاہی مائل سرخ ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ عام طور سے گرم اور گاڑھا ہوتا ہے۔

﴿۳﴾ اچھل کر اور جلن کے ساتھ نکلتا ہے۔

﴿۴﴾ اس کی کم سے کم شرعی مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

حیض کا ثبوت:

اگر کوئی بچی یا خاتون اپنے خون میں ان صفات کو دیکھ کر یقین حاصل کر لے تو وہ حائض کہلائے گی۔ اس پر حائض کے احکام لاگو ہوں گے۔

ضروری ہدایت:

☆ شک کی صورت میں حائض کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔

☆ بعض معاشرتی رسموں، توہمات، یا مسائل نہ جاننے کے سبب کبھی کبھی خواتین حیض کے آغاز یا اختتام کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

☆ تمام دینی معاملات، خصوصاً خواتین کو حیض و نفاس کے معاملات میں اس بات پر توجہ دینا ضروری ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے شک سے بچنے اور اس پر عمل نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ شک ہمیشہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسلام میں شک پر توجہ نہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ جل جلالہ کا حکم یہی ہے کہ شک کی صورت میں شک پر توجہ ہی نہ کی جائے۔ کوئی انسان شک سے پیچھا نہ چھڑا سکے تو غور کرے۔ عقلی اور منطقی طور پر جو بات صحیح نظر آئے اس پر اعتبار کر کے اپنی عبادتوں کو انجام دے۔

☆ محترم خواتین کی خدمت میں یہ گزارش ضروری ہے کہ ان معاملات میں خود بھی شک کرنے سے بچیں اور اپنی بچیوں کو بھی شک میں مبتلا نہ کریں۔

☆اللہ جل جلالہ پر مکمل ایمان اور بھروسہ کے ساتھ اپنے فریضہ کو پہچان کر اس کے مطابق عمل کریں۔ غیر ضروری سوالات میں ہر گز نہ الجھیں۔

☆انشاء اللہ ان کی عبادتیں بارگاہ ربوبیت میں شرف قبولیت حاصل کریں گی۔ آمین بحق محمد و آلہ الطاہرین۔

عادت:

ہر خاتون کو عام طور سے ہر مہینے جتنے دن مسلسل خونِ حیض آتا ہے وہ عادت کے ایام کہلاتے ہیں لیکن یہ تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ نہیں ہوتے۔

حائض کے احکام:

حائض کے کچھ احکام حیض کی پہچان، حیض کے دنوں کی تعداد وغیرہ سے متعلق ہیں۔ان کو ہم "حائض کے عمومی احکام" کے عنوان کے ذیل میں بیان کریں گے۔

کچھ احکام ان کاموں یا عبادتوں سے متعلق ہیں جو حائض کے لئے مستحب، مباح یا حرام ہیں۔انہیں ہم، "حائض کے مستحبات"، حائض کے مباحات" اور حائض کے محرمات" کے عنوانوں کے ذیل میں بیان کریں گے۔

کچھ احکام حائض کی عبادتوں یعنی نماز و روزہ سے متعلق ہیں ان کو ہم حائض کے لئے عبادت کے احکام" کے ذیل میں بیان کریں گے۔

حائض کے عمومی احکام:

☆خون تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ آئے تو وہ شرعاً استحاضہ کے حکم میں ہو گا۔

☆کسی خاتون کو اپنی عادت سے زیادہ دن، خون آئے تو وہ دس دن تک حائض کے احکام پر عمل کرے۔

☆اگر خون دس دن سے زیادہ مسلسل آتا رہے تو وہ اپنی عادت کے دنوں کو حیض اور باقی دنوں کو استحاضہ شمار کرے۔

☆اس صورت میں اس نے عادت کے معین دنوں کے علاوہ جتنے دن نمازیں نہیں پڑھی ہیں ان کی قضا بجالائے۔

☆دو عادتوں کے درمیان کم از کم دس دن کا فاصلہ ضروری ہے۔

☆خواتین کو جب تک اپنی عادت کے مطابق خون آئے، وہ حیض ہو گا۔ چاہے سن بڑھنے کے سبب اس کا رنگ کم ہو جائے یا عادت نامنظم ہو جائے۔

☆خواتین اس وقت یائسہ کہلائیں گی جب انہیں خون آنا بند ہو جائے۔ ممکن ہے ساٹھ (۶۰) سال تک خون آئے یا اس سے بھی زیادہ۔

☆یہ بات مشہور ہے کہ:

غیر سید عورت پچاس سال کے بعد یا قرشی یعنی سیدہ ساٹھ سال کے بعد حائض نہیں ہوتی۔ اس عمر کے بعد وہ جو خون دیکھتی ہے وہ استحاضہ ہوتا ہے۔

لیکن صحیح روایات و احادیث میں اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

* علامہ حلیؒ، فاضل ہندیؒ اور طباطبائیؒ جیسے فقہاء کے نزدیک:

"خون حیض کا تعلق انسانی فطرت اور طبیعت سے ہے۔"

* نص قرآنی کے مطابق بھی بات یہی ہے:

* جب تک عورت مطلقاً خون دیکھے اور خود تشخیص دے کہ حیض ہے، وہ حائض ہو گی۔ اس کیلئے ضروری ہو گا کہ وہ حائض کے احکام پر عمل کرے۔

☆نماز، حائض پر سے ساقط ہے۔

☆ایامِ حیض کی نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے۔

☆اسی طرح حائض، روزہ بھی نہیں رکھ سکتی البتہ جو روزے حیض کے دوران نہ رکھے، اس پر ان کی قضا بجالانا واجب ہے۔

حائض کے مباحات:

حائض کے مباحات۔ وہ کام جو، حائض، حیض کے دوران یا حیض کے غسل سے پہلے انجام دے سکتی ہے۔ وہ یہ ہیں:

﴿۱﴾ذکر و تسبیح۔

﴿۲﴾ زندگی کے تمام معمولات۔

مستحبات:

﴿۱﴾ مستحب ہے کہ حائض واجب نمازوں کے اوقات میں:

☆ جسم کو پاک کرے۔

☆ پینٹی اور پیڈ بدلے۔

☆ وضو یا تیمم کرے۔

☆ جاء نماز پر روبقبلہ بیٹھ کر اللہ جل جلالہ کی خوشنودی کی خاطر تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، تسبیح ودرود اور استغفار پڑھے۔

﴿۲﴾ حائض کے لئے مستحب غسل جیسے غسلِ جمعہ یا غسلِ احرام وغیرہ کا بجالانا مستحب ہے۔

☆ اس غسل سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر غسل اور وضو کا ثواب ملے گا۔ اس غسل کے ساتھ جو مباح یا مستحب کام انجام دے گی ان سب پر وہی ثواب ملے گا جو عام طور سے غسل یا وضو کے ساتھ انجام دینے سے ملتا ہے۔

﴿۳﴾ حائض اگر مستحب غسل نہ کر سکے تو نماز کے اوقات کے علاوہ عام حالات میں اس کے لئے وضو یا تیمم کرنا مستحب ہے۔

☆ اس وضو یا تیمم سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر وضو یا تیمم کا ثواب ملے گا۔ اس وضو یا تیمم کے ساتھ جو مباح یا مستحب کام انجام دے گی ان سب پر وہی ثواب ملے گا جو عام طور سے وضو یا تیمم کے ساتھ انجام دینے سے ملتا ہے۔

محرمات:

☆ حائض کو طلاق نہیں دی جاسکتی۔ طلاق کے لئے اس کا پاک ہونا یعنی حالت طہر میں ہونا ضروری ہے۔

☆ حائض کے لئے مباشرت حرام ہے۔

☆ وہ شوہر کے ساتھ مباشرت کا تقاضا نہیں کر سکتی۔

☆ حائض بیوی شوہر سے مباشرت کروائے اور شوہر راضی ہو یا شوہر کے کہنے پر رضامندی سے مباشرت کرے۔ دونوں گنہگار ہوں گے۔ دونوں پر کفارہ واجب ہو گا۔

☆ شوہر حائض بیوی کے ساتھ زبردستی مباشرت کرے۔ شوہر گنہ گار ہوگا۔ اس پر کفارہ واجب ہوگا۔

☆ حائض بیوی شوہر سے زبردستی مباشرت کروائے۔ بیوی گنہ گار ہو گی۔ اس پر کفارہ واجب ہو گا۔

حائض سے مباشرت کا کفارہ:

حائض سے مباشرت کرنے یا حائض کے مباشرت کروانے کی مختلف صورتوں میں ایک یا دونوں پر جو کفارہ واجب ہو گا اس کی تفصیل یہ ہے:

﴿۱﴾ حیض کے پہلے دنوں میں سوا چار (4.25) گرام خالص سونا۔

﴿۲﴾ حیض کے درمیانی دنوں میں (2.013) گرام خالص سونا۔

﴿۳﴾ حیض کے آخری دنوں میں (1.026) گرام خالص سونا۔

☆ دنوں کی تقسیم حائض کی عادت کے دنوں کے حساب سے کی جائے گی۔

حائض کے لئے نماز کے احکام:

☆ نماز کا وقت داخل ہونے کے اتنی دیر بعد خون دیکھے کہ نماز ادا کی جاسکتی ہو۔ نماز نہ پڑھی ہو۔ اس نماز کی قضا بجالائے۔

☆ نماز ختم ہونے سے اتنی دیر پہلے خون رک جائے کہ غسل یا تیمّم کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہو۔ زیادہ وقت کی صورت میں غسل۔ کم وقت کی صورت میں تیمّم کرکے نماز ادا کرے۔

☆اس صورت میں اگر اس کا فریضہ ہی تیمم تھا یعنی مرض یا مرض کے خوف، وقت کی کمی یا پانی نہ ہونے کے سبب تیمم کیا تھا تو باقی نمازیں بھی اس تیمم کی بنیاد پر پڑھ سکتی ہے۔

☆البتہ حدث اصغر صادر ہو جائے تو نماز کے لئے فریضہ کے مطابق وضو یا تیمم کرنا ہو گا۔

☆اگر وقت کی کمی کی وجہ سے تیمم سے نماز پڑھی ہے تو اگلی نماز کے لئے غسل ضروری ہو گا۔

☆حیض کے دنوں میں نہ پڑھی جانے والی نمازوں کی قضا نہیں ہے۔

حائض کے لئے روزہ کے احکامات:

☆اگر کوئی خاتون واجب روزہ یا ماہِ رمضان کے روزہ کی حالت میں حائض ہو جائے، تو اس کا روزہ ختم ہو جائے گا، اس صورت میں اس پر اس روزہ کی قضا واجب ہو گی۔

☆ جو خاتون ماہ رمضان میں اذان فجر یعنی صبح صادق سے پہلے حیض سے پاک ہو جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ؛

وقت ہو تو غسل، وقت کم ہو تو تیمّم کرکے روزہ رکھ لے۔

☆ روزہ کی خاطر وقت کی کمی کے سبب جو تیمم کیا ہے اس سے نماز فجر نہیں پڑھی جاسکتی نماز کے لئے اسے غسل کرنا ہو گا۔

☆مرض کی وجہ سے یا نقصان کے خوف سے یا پانی نہ ہونے کے سبب یعنی کسی شرعی عذر کی وجہ سے تیمم کیا ہو تو اس تیمم سے نماز پڑھ سکتی ہے۔

☆ جو خاتون صبح صادق سے پہلے حیض سے پاک ہو جائے مگر وقت کی کمی کے سبب غسل یا تیمم نہ کر سکے تو وہ روزہ رکھے، اس کا روزہ صحیح ہو گا، نماز کے لئے اسے غسل کی ضرورت ہو گی۔

حائض کے لئے غسل یا تیمّم کی نیت:

غسل حیض یا غسل حیض کی جگہ تیمّم میں نیت یہ ہے کہ ارادہ کرے کہ:

اللہ عزوجل کی خوشنودی اور تقرب کی خاطر غسلِ حیض یا تیمّم بدل غسل حیض بجالاتی ہوں۔

نفاس

تعریف:

خونِ نفاس، وہ خون ہے جو خواتین وضعِ حمل کے فوراً بعد دیکھتی ہیں۔

نفساء:

تعریف:

وضع حمل کے بعد جن دنوں خواتین خون دیکھتی ہیں ان دنوں وہ " نفساء " کہلاتی ہیں۔

احکام:

☆ نفساء کے احکام وہی ہیں جو حائض کے ہیں۔ یہ احکام" نفساء کے عمومی احکام" ہوں یا "نفساء کے مستحبات" ہوں یا" نفساء کے مباحات" ہوں یا"نفساء کے محرمات" سے متعلق ہوں۔ اس لئے ان کو یہاں بیان نہیں کر رہے ہیں۔ چند احکام جو نفساء سے مخصوص ہیں یہاں فقط انہیں کو بیان کیا جارہا ہے۔

نفساء کے عمومی احکام:

☆ خون کی مدت زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

☆ نفساء کو دس دن سے زیادہ خون آئے۔ اپنی حیض کی عادت کے دنوں کے برابر دنوں کو نفاس قرار دے۔ اس سے زائد دن استحاضہ شمار کرے۔ عادت کے دنوں کے بعد دس دن تک جو نمازیں ترک کی ہوں، ان کی قضا کرے۔

استحاضہ

تعریف:

استحاضہ وہ خون ہے جو خواتین ایامِ عادت سے زیادہ اور اپنی عادت کے خلاف دیکھتی ہیں۔ یہ عموماً خواتین کے اندرونی امراض کی نشانی ہوتا ہے۔ اس حالت میں عورت "مستحاضہ" کہلاتی ہے۔

مستحاضہ:

تعریف:

جن دنوں خواتین استحاضہ کا خون دیکھتی ہیں ان دنوں وہ "مستحاضہ" کہلاتی ہیں۔

قسمیں:

خون استحاضہ تین قسم کا ہوتا ہے:

﴿۱﴾ قلیلہ ﴿۲﴾ متوسطہ اور ﴿۳﴾ کثیرہ

مستحاضہ کے احکام:

﴿۱﴾ پہچان:

اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اندر روئی رکھی جائے:

☆ اگر روئی کے فقط اوپری حصہ پر خون لگا ہو تو یہ قلیلہ ہے۔

☆ اگر خون روئی کے اندر نفوذ کر جائے لیکن پٹی یا پینٹی پر نہ پہنچے تو یہ متوسطہ ہے۔

☆ اگر خون روئی کے اندر نفوذ کر کے پینٹی یا پٹی پر پہنچ جائے تو یہ کثیرہ ہے۔

﴿۲﴾ استحاضۂ قلیلہ میں ہر نماز کیلئے وضو ضروری ہے۔

﴿۳﴾ استحاضۂ متوسطہ میں ہر نماز کیلئے الگ الگ وضو کے علاوہ شبانہ روز (دن رات یا ۲۴ گھنٹہ) میں نماز کیلئے ایک غسل بھی ضروری ہے۔

﴿۴﴾ استحاضۂ کثیرہ میں صبح، ظہرین اور مغربین کیلئے تین غسل ضروری ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب ظہر اور عصر نیز مغرب اور عشاء کی نماز ملا کر پڑھے۔ لیکن اگر پانچوں نمازیں الگ الگ پڑھے تو ہر نماز کیلئے الگ غسل کرنا ہو گا۔

﴿ ۵ ﴾ مستحاضہ کو نماز پنجگانہ کے علاوہ ہر مستحب یا واجب نماز مثل نمازِ آیات، عیدین وغیرہ کے لیے بھی الگ الگ وضو کرنا ضروری ہے۔

﴿۶﴾ مستحاضہ اگر وضو اور غسل صحیح طور پر انجام دے تو اس کی نماز، روزہ صحیح ہے۔ اسے اس حالت میں نماز، روزہ ترک نہیں کرنا چاہیے۔

مباحات:

☆زندگی کے تمام معمولات انجام دے سکتی ہے۔

☆ذکر اور تسبیح پڑھ سکتی ہے۔

☆مسجد میں جا سکتی ہے۔

محرمات:

☆مستحاضہ کا مسجد الحرام اور مسجد النبی ﷺ میں داخل ہونا، رکنا، ٹھہرنا، منع ہے۔

میت

تعریف:

جب انسان کی روح قبض ہو جاتی ہے تو اس کے بدن کو "میت" کہا جاتا ہے۔

مرنے والے کے لئے احکام:

مومن کو احتضار یعنی جان کنی کے وقت اس طرح لٹانا چاہیے کہ اس کے پیر قبلہ کی طرف ہوں۔

احکام:

اس کے سرہانے یا قریب بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ استغفار، درود اور اس جیسے دوسرے ذکر کیے جائیں، تاکہ اس کی روح آسانی سے قبض ہو۔

غسل:

جان نکلنے اور بدن ٹھنڈا ہونے کے بعد مومن کو تین غسل دینا ضروری ہیں:

﴿۱﴾ پہلا غسل آبِ سِدر یعنی ایسے پانی سے دیا جائے جس میں بیری کے پتے کچل کر ڈالے گئے ہوں۔

﴿۲﴾ دوسرا غسل آب کافور یعنی ایسے پانی سے جس میں کافور ملایا گیا ہو۔

﴿۳﴾ تیسرا غسل آبِ خالص یعنی صاف اور مطلق پانی سے دیا جائے۔

حنوط:

تعریف:

میت کی پیشانی، ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں، نیز پیروں کی انگلیوں پر کافور لگایا جائے۔

حکم:

غسل کے بعد اور کفن سے پہلے مومن کو حنوط کرنا واجب ہے۔

جو شخص حالت احرام میں مر جائے، اس کو:

☆ نہ غسل کے وقت کافور کے پانی سے غسل دیا جاسکتا ہے،

☆ نہ ہی حنوط کیا جاسکتا ہے۔

کفن :

تعریف :

میت کو جو کپڑے پہنائے جاتے ہیں، اسے کفن کہا جاتا ہے۔

احکام :

حنوط کے بعد مومن کی میت کو کفن دینا بھی واجب ہے۔

کفن کے کپڑے کا تین ٹکڑوں پر مشتمل ہونا ضروری ہے:

﴿۱﴾ پہلا ٹکڑا، لنگ جو میت کے جسم کے نچلے حصہ کو ناف سے زانو تک چھپادے۔

﴿۲﴾ دوسرا ٹکڑا، پیراہن جو میت کے شانوں سے زانو تک کے بدن کو چھپادے۔

﴿۳﴾ تیسرا ٹکڑا، چادر جس میں میت کو سر سے پیر تک لپیٹ دیا جائے۔

☆کفن اتنے نازک کپڑے کا نہیں ہونا چاہیے جس سے بدن جھلکے (نظر آئے)۔

☆کفن ریشم کا نہیں ہونا چاہیے۔

☆کفن کیلئے بہتر ہے کہ سفید ہو۔

نماز میت

☆ غسل و حنوط و کفن کے بعد واجب ہے کہ میت پر نماز ادا کی جائے۔

☆ یہاں اس نکتہ کی یاد دہانی ضروری ہے کہ:

میت کا غسل، حنوط، کفن، نماز اور دفن کی ذمہ داری میت کے ولی یعنی بڑے بیٹے۔

اس کی عدم موجودگی میں اس شخص پر ہے جو ارث پانے میں میت کے سب سے نزدیک ہو۔

☆ضروری ہے کہ یا تو یہ تمام کام وہ خود انجام دے یا اس کی اجازت سے انجام پائیں۔

نماز میت کی کیفیت :

نماز میت پانچ تکبیروں پر مشتمل ہے۔ پہلی تکبیر سے شروع ہو کر پانچویں تکبیر پر ختم ہو جاتی ہے۔

﴿۱﴾ قیام:

☆ قبلہ رخ کھڑے ہوں۔

☆ میت، نماز گذار کے سامنے ہو۔

﴿۲﴾ نیت:

☆ دل سے یہ ارادہ اور نیت کریں کہ اللہ جل جلالہ کا حکم بجالانے اور اس ذاتِ واجب کی خوشنودی کی خاطر حاضر میّت کی نماز جنازہ پڑھتا/پڑھتی ہوں۔

﴿۳﴾ پانچ تکبیریں:

☆ دونوں ہاتھ کانوں تک لے جاکر تکبیر یعنی "اللہ اکبر" کہیں۔

☆ ہر تکبیر کے لیے کانوں تک ہاتھ لے جانا چاہیے۔

☆ بہتر ہے کہ نماز جنازہ میں تکبیروں کے درمیان اس طرح پڑھا جائے:

☆ پہلی تکبیر کے بعد کہا جائے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، اِلٰهًا وَّاحِدًا صَمَدًا فَرْدًا حَيًّا قَيُّوْمًا دَآئِمًا اَبَدًا، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا. وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ.

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی پرستش اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ معبود یگانہ، بے نیاز، منفرد، زندہ، قائم، دائم اور ابدی ہے۔ اس نے کسی کو بیوی نہیں بنایا۔ نہ ہی کسی کو بیٹا بنایا ہے۔

نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ نے انہیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس دین حق کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمادے۔ خواہ مشرکوں کو کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔"

☆ دوسری تکبیر کہی جائے۔ اس کے بعد یہ پڑھا جائے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَاَفْضَلِ مَا صَلَّیْتَ وَ بَارَکْتَ وَ تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. وَ صَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ جَمِیْعِ عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ.

"اے اللہ تو محمد و آل محمدؐ پر درود بھیج۔ ان پر برکتیں نازل فرما۔ ان کو اپنی رحمتوں سے سرفراز فرما۔ اس سے بھی افضل درود و برکات اور رحمتیں جو تو نے ابراہیم و آل ابراہیم پر نازل فرمائیں اور عطا کیں۔ حمد و ستائش اور بزرگواری اور تمجید تجھ ہی کو زیب دیتی ہیں۔ تو تمام انبیاء، مرسلین، شہداء، صدیقین اور اپنے تمام نیک بندوں پر درود و سلام بھیج۔

☆ تیسری تکبیر کہی جائے۔ اس کے بعد یہ پڑھا جائے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ. اَللّٰھُمَّ تَابِعْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَھُمْ بِالْخَیْرَاتِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

"اے اللہ! تو سب مومنین، مومنات، مسلمین، مسلمات کو بخش دے خواہ وہ زندہ ہیں یا مر چکے ہیں۔

اے اللہ! تو ہمارے اور ان کے درمیان نیکیوں کا سلسلہ برقرار رکھ۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

☆ چوتھی تکبیر کہی جائے۔

☆اس کے بعد اگر میت مرد ہو تو یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا الْمُسَجّٰى عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَزَلَ بِكَ وَ اَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهٖ. اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَا نَعْلَمُ مِنْهُ اِلَّا خَيْراً وَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنَّا. اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ مُحْسِناً فَزِدْ فِيْ اِحْسَانِهٖ وَ اِنْ كَانَ مُسِيْئاً فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهٖ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ. اَللّٰهُمَّ احْشُرْهُ مَعَ مَنْ يَتَوَلَّاهُ وَ اَلْحِقْهُ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَ عَرِّفْ بَيْنَهُمَا. اَللّٰهُمَّ اكْتُبْهُ عِنْدَكَ فِيْ اَعْلَا عِلِّيِّيْنَ وَاخْلُفْ عَلٰى عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاجْعَلْهُ مِنْ رُفَقَاءِ مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَارْحَمْهُ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ عَفْوَكَ عَفْوَكَ عَفْوَكَ.

"پروردگار! ہمارے سامنے تیرا بندہ، تیرے بندے کا فرزند، تیری کنیز کا فرزند ہے۔ یہ تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہے۔ تیری بارگاہ اسکی حاضری کے لیے سب سے بہترین بارگاہ ہے۔

پروردگارا! ہم اس کے بارے میں بھلائی اور نیکی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے اور تو اس کے بارے میں ہم سے بہتر جانتا ہے۔

اے ہمارے اللہ! اگر یہ واقعی نیک ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما۔ اگر اس سے برائیاں سرزد ہوئی ہوں تو اس کی برائیوں سے درگذر فرما کر ہمیں اور اسے بخش دے۔

اے اللہ! اسے ان لوگوں کے ساتھ محشور فرما جس سے یہ محبت کرتا ہے۔ اسے اپنے نبی محمد مصطفی ﷺ سے ملا کر ان کا ایک دوسرے سے تعارف کروادے۔

اے اللہ ! تو اس کا نام اپنے پاس اعلیٰ علیین میں لکھ دے۔ اسے محمد و آل محمد علیہم السلام جو پاک و پاکیزہ ہیں، کے دوستوں میں قرار دے۔ ہم پر اور، اس پر رحمتیں نازل فرما۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

پروردگارا ! ہم تیرے عفو، تیرے عفو، تیرے عفو کے طلبگار ہیں۔"

☆ اگر میت عورت کی ہو تو چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھی جائے :

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذِهِ الْمُسَجَّاتِ اَمَتُكَ وَابْنَةُ عَبْدِكَ وَابْنَةُ اَمَتِكَ نَزَلَتْ بِكَ وَ اَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهَا. اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَا نَعْلَمُ مِنْهَا اِلَّا خَيْراً وَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهَا مِنَّا. اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ مُحْسِنَةً فَزِدْ فِيْ اِحْسَانِهَا وَاِنْ كَانَتْ مُسِيْئَةً فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهَا وَاغْفِرْ لَنَا وَ لَهَا. اَللّٰهُمَّ احْشُرْهَا مَعَ مَنْ تَتَوَلَّاهُ وَ اَلْحِقْهَا بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَ عَرِّفْ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهُ. اَللّٰهُمَّ اكْتُبْهَا عِنْدَكَ فِيْ اَعْلَا عِلِّيِّيْنَ وَاخْلُفْ عَلٰى عَقِبِهَا فِي الْغَابِرِيْنَ وَاجْعَلْهَا مِنْ رُفَقَآءِ مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَارْحَمْهَا وَ اِيَّانَا بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ عَفْوَكَ عَفْوَكَ عَفْوَكَ.

پروردگار ! ہمارے سامنے تیری کنیز، تیرے بندے کی بیٹی اور تیری کنیز کی بیٹی ہے۔ یہ تیری بارگاہ میں حاضر ہوئی ہے۔ تیری بارگاہ اس کی حاضری کیلئے سب سے بہترین بارگاہ ہے۔

پروردگار ! ہم اس کے بارے میں بھلائی اور نیکی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔

اے ہمارے اللہ ! اگر یہ واقعی نیک ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما۔ اگر اس سے برائیاں سرزد ہوئی ہوں تو اس کی برائیوں سے درگذر فرما۔ ہمیں اور اسے بخش دے۔

اے اللہ ! اسے ان لوگوں کے ساتھ محشور فرما جس سے یہ محبت کرتی ہے۔ اسے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کروادے۔

اے اللہ ! تو اس کا نام اپنے پاس اعلیٰ علیین میں لکھ لے۔ اسے محمد وآلِ محمد علیہم السلام جو پاک و پاکیزہ ہیں، کے دوستوں میں قرار دے۔ ہم پر اور اس پر رحمتیں نازل فرما۔

اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔پروردگارا ! ہم تیرے عفو، تیرے عفو، تیرے عفو کے طلبگار ہیں۔"

☆ پانچویں تکبیر کہہ کر نماز ختم کرے۔

☆بنیادی طور پر نماز میت پانچ تکبیروں ہی پر مشتمل ہے۔

☆ تکبیروں کے درمیان پڑھے جانے والے اذکار اور دعائیں مستحب ہیں۔

☆ یہ دعائیں مختلف ہیں۔

☆ ہم نے ان میں سے ایک قسم نمونہ کے طور پر لکھ دی ہے۔

☆ یہ اذکار اور دعائیں عربی کے علاوہ کسی بھی زبان میں یعنی اردو وغیرہ میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔

نماز میت کا مختصر طریقہ:

مختصر طور پر نماز جنازہ یوں بھی پڑھی جاسکتی ہے:

پہلی تکبیر:

کانوں تک ہاتھ لے جا کر بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہے پھر یہ کہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

دوسری تکبیر:

کانوں تک ہاتھ لے جا کر بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہے پھر یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ

اے اللہ ! محمد و آل محمد پر درود و سلام ارسال فرما۔

تیسری تکبیر:

کانوں تک ہاتھ لے جا کر بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہے پھر یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔

اے اللہ ! سب مومنین و مومنات کو بخش دے۔

چوتھی تکبیر:

کانوں تک ہاتھ لے جا کر بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہے پھر:

☆ اگر میت مرد کی ہو تو یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِهٰذَا الْمَيِّتِ

اے اللہ ! اس مرحوم کو بخش دے۔

☆ اور اگر میت عورت کی ہو تو یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِهٰذِهِ الْمَيِّتِ

اے اللہ ! اس مرحومہ کو بخش دے۔

پانچویں تکبیر:

کانوں تک ہاتھ لے جا کر بلند آواز سے –"اللہ اکبر" کہے۔ پانچویں تکبیر پر نماز ختم کرے۔

نماز میت ادا کرنے کے آداب:

نماز میت کے ادا کرتے وقت ضروری ہے کہ:

☆ نماز پڑھنے والا روبقبلہ ہو۔

☆ بہتر ہے کہ جوتے اتار کر ننگے پیر کھڑے ہوں۔

☆ جنازہ مرد کا ہو تو جنازہ کے وسط میں۔

☆ جنازہ عورت کا ہو تو جنازہ کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو۔

☆ میت نماز پڑھنے والے یا والوں کے سامنے اس طرح رکھی جائے کہ:

میت کا سر نماز گذار کے دائیں طرف اور پیر بائیں طرف ہو۔

☆ بہتر ہے کہ نماز میت باوضو اور پاکیزہ حالت میں طہارت کے ساتھ ادا کی جائے۔

☆ نماز میت فرادا یا باجماعت دونوں طرح ادا کی جا سکتی ہے۔

☆ جماعت کی صورت میں پیش نماز جنازہ کے سامنے (میت مرد کی ہونے کی صورت میں درمیان میں، میت عورت کی ہونے کی صورت میں میت کے سینے کے سامنے) ہو۔

☆ مأموم، طولانی صفوں میں امام جماعت یا پیش نماز کے پیچھے کھڑے ہوں۔

☆ ضروری نہیں ہے کہ جماعت کی صورت میں تمام نمازی جنازے کے وسط یا اس کے سامنے ہوں۔

☆ جماعت کی صورت میں پیش نماز یا امام جماعت کیلئے ضروری ہے کہ وہ تکبیریں اور دعائیں باآواز بلند پڑھے اور ماموم اس کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھیں۔

☆ نماز میت کئی بار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ خاص طور سے اگر میت کسی عالم یا بافضیلت انسان کی ہو۔

غائبانہ نماز میت:

☆ محترم افراد علماء و صلحاء کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا سنت نبوی ﷺ ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ کی موت پر مدینہ میں صحابہ کو ساتھ لے کر اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔

دفن کرنے کے آداب

☆ میت کو اس طرح دفن کرنا ضروری ہے کہ وہ درندوں کی دستبرد سے محفوظ رہے اور اس کی بو باہر نہ آئے۔

☆ میت کو قبر میں دائیں طرف اس طرح لٹانا چاہیے کہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف رہے۔

☆ قبر پر اینٹیں وغیرہ چن کر اس پر مٹی ڈالدی جائے۔

☆ دفن کے لیے زمین میں گڑھا بنا کر براہ راست میت کو اس میں رکھا جا سکتا ہے۔

☆ تابوت سمیت بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔

☆بند تابوت میں رکھ کر دفن کرتے وقت خیال رکھنا ضروری ہے کہ میت کو تابوت میں اس طرح رکھا جائے کہ جب تابوت قبر میں رکھا جائے تو میت کا منہ قبلہ کی طرف ہو۔
☆دفن سے پہلے میت کو قبر کے پاس تین دفعہ منزل دینا چاہیے۔میت کو تین دفعہ اٹھا کر رکھا جائے۔
☆میت کی تدفین میں جلدی کرنا ضروری ہے۔
☆میت کو اسی شہر میں دفن کرنا چاہیے جہاں موت واقع ہو۔
☆کسی شرعی سبب ، کسی زمین کی فضیلت یا کسی انتہائی ضرورت کے بغیر میت کا کسی دوسرے شہر منتقل کرنا مناسب نہیں ہے۔

تلقین

تعریف:

تلقین سے مراد ہے " یاد دلانا"۔ فقہی اصطلاح میں " تلقین میت" مردے کو دفن سے پہلے اور دفن کے بعد اس کے عقائد کی یاد دہانی کرانے کو کہا جاتا ہے۔

احکام:

☆قبر میں رکھنے کے بعد میت کے لیے تلقین پڑھنا ضروری ہے۔
☆لحد کو بند کرنے سے پہلے میت کو عقائد حقہ کی تلقین کی جائے۔
☆ تلقین پڑھنے والے شخص کو چاہیے کہ دایاں ہاتھ میت کے دائیں کندھے پر اور بایاں ہاتھ بائیں کندھے پر مضبوطی سے رکھے۔ اگر وہ خود یہ نہ کر سکے تو کوئی شخص قبر میں اتر کر یہ کام انجام دے۔جب "اِسْمَعْ اِفْهَمْ" کہا جائے تو میت کو ہلائے۔
☆اپنے منہ کو میت کے کان کے قریب لے جا کر میت کے کندھوں کو زور سے ہلائے۔ تین مرتبہ کہے: اِسْمَعْ اِفْهَمْ يَا فُلَانَ ابْنَ/بِنْتَ فُلَانٍ

مرد کی تلقین:

اگر میت مرد کی ہو تو تلقین یوں پڑھی جائے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِسۡمَعۡ اِفۡهَمۡ يَافُلَانَ ابۡنَ فُلَانٍ

فلان بن فلان کی جگہ میت اور اس کے باپ کا نام لیں۔ مثلاً اگر میت کا نام سجاد اور اس کے باپ کا نام محمد ہو تو تین مرتبہ کہے:

اِسۡمَعۡ اِفۡهَمۡ يَاسَجَّادَ ابۡنَ مُحَمَّدٍ

اس کے بعد کہیں:

هَلۡ اَنۡتَ عَلَى الۡعَهۡدِ الَّذِیۡ فَارَقۡتَنَا عَلَيۡهِ مِنۡ شَهَادَةِ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّداً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ سَيِّدُ النَّبِيِّيۡنَ وَ خَاتَمُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَ اَنَّ عَلِيّاً اَمِيۡرُ الۡمومنيۡنَ وَ سَيِّدُ الۡوَصِيِّيۡنَ وَ اِمَامٌ افۡتَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَهٗ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ وَ اَنَّ الۡحَسَنَ وَ الۡحُسَيۡنَ وَ عَلِيَّ ابۡنَ الۡحُسَيۡنِ وَ مُحَمَّدَ ابۡنَ عَلِيٍّ وَ جَعۡفَرَ ابۡنَ مُحَمَّدٍ وَ مُوۡسَى ابۡنَ جَعۡفَرٍ وَ عَلِيَّ ابۡنَ مُوۡسٰى وَ مُحَمَّدَ ابۡنَ عَلِيٍّ وَ عَلِيَّ ابۡنَ مُحَمَّدٍ وَ الۡحَسَنَ ابۡنَ عَلِيٍّ وَ الۡقَآئِمَ الۡحُجَّةَ الۡمَهۡدِيَّ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيۡهِمۡ اَئِمَّةُ الۡمومنيۡنَ وَ حُجَجُ اللّٰهِ عَلَى الۡخَلۡقِ اَجۡمَعِيۡنَ وَ اَئِمَّتُكَ اَئِمَّةَ هُدًى اَبۡرَارٌ.

يَافُلَانَ ابۡنَ فُلَانٍ

فلان ابن فلان کی جگہ میت اور اس کے باپ کا نام لے۔ پھر کہے:

اِذَا اَتَاكَ الۡمَلَكَانِ الۡمُقَرَّبَانِ رَسُوۡلَيۡنِ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَ سَئَلَاكَ عَنۡ رَّبِّكَ وَ عَنۡ رَسُوۡلِكَ وَ عَنۡ دِيۡنِكَ وَ عَنۡ كِتَابِكَ وَ عَنۡ قِبۡلَتِكَ وَ عَنۡ اَئِمَّتِكَ، فَلَا تَخَفۡ وَ لَا تَحۡزَنۡ وَ قُلۡ فِیۡ جَوَابِهِمَا: اَللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ رَبِّیۡ، وَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ آلِهٖ نَبِيِّیۡ وَالۡاِسۡلَامُ دِيۡنِیۡ وَالۡقُرۡآنُ كِتَابِیۡ وَالۡكَعۡبَةُ قِبۡلَتِیۡ وَ اَمِيۡرُ الۡمومنيۡنَ عَلِیُّ ابۡنُ اَبِیۡ طَالِبٍ اِمَامِیۡ وَالۡحَسَنُ ابۡنُ عَلِیٍّ الۡمُجۡتَبٰى اِمَامِیۡ وَالۡحُسَيۡنُ ابۡنُ عَلِیٍّ الشَّهِيۡدِ بِكَرۡبَلَا اِمَامِیۡ وَعَلِیٌّ زَيۡنُ الۡعَابِدِيۡنَ اِمَامِیۡ وَ مُحَمَّدٌ الۡبَاقِرُ

اِمَامِیْ وَجَعْفَرُ الصَّادِقُ اِمَامِیْ وَ مُوْسَی الْکَاظِمُ اِمَامِیْ وَ عَلِیُّ الرِّضَا اِمَامِیْ وَ مُحَمَّدُ الْجَوَادُ اِمَامِیْ وَ عَلِیُّ الْھَادِیْ اِمَامِیْ وَالْحَسَنُ الْعَسْکَرِیُّ اِمَامِیْ وَالْحُجَّةُ الْمُنْتَظَرُ اِمَامِیْ ھٰٓؤُلَاءِ صَلَوٰتُ اللہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ اَئِمَّتِیْ وَ سَادَتِیْ وَ قَادَتِیْ وَ شُفَعَآئِیْ۔ بِھِمْ اَتَوَلّٰی وَ مِنْ اَعْدَآئِھِمْ اَتَبَرَّءُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ.

ثُمَّ اعْلَمْ: یَافُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ

فلان ابن فلان کی جگہ میت اور اس کے باپ کا نام لے۔

پھر کہے:

اِنَّ اللہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی نِعْمَ الرَّبُّ وَ اَنَّ مُحَمَّداً صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ نِعْمَ الرَّسُوْلُ وَ اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ وَاَوْلَادَهُ الْمَعْصُوْمِیْنَ الْاَئِمَّةَ الْاِثْنٰی عَشَرَ نِعْمَ الْاَئِمَّةُ وَاَنَّ مَا جَآءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَ اَنَّ الْمَوْتَ حَقٌّ وَ سُؤَالَ مُنْکَرٍ وَّ نَکِیْرٍ فِی الْقَبْرِ حَقٌّ وَالْبَعْثَ حَقٌّ وَالنُّشُوْرَ حَقٌّ وَالصِّرَاطَ حَقٌّ وَالْمِیْزَانَ حَقٌّ وَ تَطَایُرَ الْکُتُبِ حَقٌّ وَ اَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ وَ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا۔ اِنَّ اللہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ.

پھر کہے:

اَفَھِمْتَ یَافُلَانَ بْنَ فُلَانٍ

فلان ابن فلان کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لے۔ پھر اس کے بعد کہے:

ثَبَّتَکَ اللہُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ وَ ھَدَاکَ اللہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ عَرَّفَ اللہُ بَیْنَکَ وَبَیْنَ اَوْلِیَآئِکَ فِیْ مُسْتَقَرٍّ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ.

پھر کہے:

اَللّٰھُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَیْهِ وَاصْعَدْ بِرُوْحِهٖ اِلَیْکَ وَ لَقِّهٖ مِنْکَ بُرْھَاناً۔ اَللّٰھُمَّ عَفْوَکَ عَفْوَکَ.

خواتین کی تلقین:

اگر میت خاتون کی ہو تو تلقین یوں پڑھی جائے:

اِسْمَعِیْ اِفْهَمِیْ یَا فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ

فلانہ بنت فلان کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لیں۔ مثلاً اگر میت کا نام فاطمہ اور اس کے باپ کا نام محمد ہو تو تین مرتبہ کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِسْمَعِیْ اِفْهَمِیْ یَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ

اس کے بعد کہیں:

هَلْ اَنْتِ عَلَی الْعَهْدِ الَّذِیْ فَارَقْتِنَا عَلَیْهِ مِنْ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ سَیِّدُ النَّبِیِّیْنَ وَ خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اَنَّ عَلِیّاً اَمِیْرُ الْمومنیْنَ وَ سَیِّدُ الْوَصِیِّیْنَ وَ اِمَامٌ افْتَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَهٗ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ وَ اَنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَیْنَ وَ عَلِیَّ ابْنَ الْحُسَیْنِ وَ مُحَمَّدَ ابْنَ عَلِیٍّ وَ جَعْفَرَ ابْنَ مُحَمَّدٍ وَ مُوْسَی ابْنَ جَعْفَرٍ وَ عَلِیَّ ابْنَ مُوْسٰی وَ مُحَمَّدَ ابْنَ عَلِیٍّ وَ عَلِیَّ ابْنَ مُحَمَّدٍ وَ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِیٍّ وَ الْقَآئِمَ الْحُجَّةَ الْمَهْدِیَّ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ اَئِمَّةُ الْمومنیْنَ وَ حُجَجُ اللّٰهِ عَلَی الْخَلْقِ اَجْمَعِیْنَ وَ اَئِمَّتُكِ اَئِمَّةُ هُدًی اَبْرَارٌ.

یَا فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ

فلانۃ ابن فلان کی جگہ میت اور اس کے باپ کا نام لے۔

پھر کہیں:

اِذَا اَتَاكِ الْمَلَكَانِ الْمُقَرَّبَانِ رَسُوْلَیْنِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی وَ سَئَلَاكِ عَنْ رَّبِّكِ وَ عَنْ رَسُوْلِكِ وَ عَنْ دِیْنِكِ وَ عَنْ كِتَابِكِ

وَ عَنْ قِبْلَتِكِ وَ عَنْ اَئِمَّتِكِ، فَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ وَ قُوْلِيْ فِيْ جَوَابِهِمَا: اَللّٰهُ جَلَّ جَلاَلَهٗ رَبِّيْ، وَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ نَبِيِّيْ وَالْاِسْلَامُ دِيْنِيْ وَالْقُرْآنُ كِتَابِيْ وَالْكَعْبَةُ قِبْلَتِيْ وَ اَمِيْرُ الْمومنِيْنَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اِمَامِيْ وَالْحَسَنُ ابْنُ عَلِيٍّ الْمُجْتَبٰى اِمَامِيْ وَالْحُسَيْنُ ابْنُ عَلِيٍّ الشَّهِيْدُ بِكَرْبَلَا اِمَامِيْ وَعَلِيٌّ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ اِمَامِيْ وَ مُحَمَّدٌ الْبَاقِرُ اِمَامِيْ وَجَعْفَرٌ الصَّادِقُ اِمَامِيْ وَ مُوْسَى الْكَاظِمُ اِمَامِيْ وَ عَلِيٌّ الرِّضَا اِمَامِيْ وَ مُحَمَّدٌ الْجَوَادُ اِمَامِيْ وَ عَلِيٌّ الْهَادِيْ اِمَامِيْ وَالْحَسَنُ الْعَسْكَرِيُّ اِمَامِيْ وَالْحُجَّةُ الْمُنْتَظَرُ اِمَامِيْ هٰؤُلَاءِ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ اَئِمَّتِيْ وَ سَادَتِيْ وَ قَادَتِيْ وَ شُفَعَآئِيْ۔ بِهِمْ اَتَوَلّٰى وَ مِنْ اَعْدَآئِهِمْ اَتَبَرَّاُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

ثُمَّ اعْلَمِيْ: يَافُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ

فلانہ بنت فلان کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لیں۔

پھر کہیں:

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى نِعْمَ الرَّبُّ وَ اَنَّ مُحَمَّداً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ نِعْمَ الرَّسُوْلُ وَ اَنَّ عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَاَوْلَادَهُ الْمَعْصُوْمِيْنَ الْاَئِمَّةَ الْاِثْنٰى عَشَرَ نِعْمَ الْاَئِمَّةُ وَاَنَّ مَا جَآءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَ اَنَّ الْمَوْتَ حَقٌّ وَ سُؤَالَ مُنْكَرٍ وَّ نَكِيْرٍ فِي الْقَبْرِ حَقٌّ وَالْبَعْثَ حَقٌّ وَالنُّشُوْرَ حَقٌّ وَالصِّرَاطَ حَقٌّ وَالْمِيْزَانَ حَقٌّ وَ تَطَايُرَ الْكُتُبِ حَقٌّ وَ اَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ وَ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۔اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ.

پھر کہے:

اَفَهِمْتِ يَافُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ

فلانہ بنت فلان کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لے۔ پھر اس کے بعد کہے:

ثَبَّتَكِ اللهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ وَ هَدَاكِ اللهُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ.
عَرَّفَ اللهُ بَيْنَكِ وَبَيْنَ اَوْلِيَائِكِ فِي مُسْتَقِرٍّ مِّنْ رَّحْمَتِهِ.

پھر کہے:

اَللّٰهُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهَا وَاصْعَدْ بِرُوْحِهَا اِلَيْكَ وَلَقِّهَا مِنْكَ بُرْهَانًا۔ اَللّٰهُمَّ عَفْوَكَ عَفْوَكَ.

تلقین کا مفہوم:

رحمٰن و رحیم اللہ کے نام سے؛

اے فلان ابن فلان، فلانہ بنت فلان۔ میری بات کو سنو۔ اچھی طرح سمجھو۔

کیا تم اس عہد اور ایمان پر باقی ہو جس پر تم ہم سے جدا ہوئے، ہوئیں۔ ہمارا وہ عہد یہ تھا:

اس بات کی گواہی کہ:

☆اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ یکتا و یگانہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

☆محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔ سلسلۂ انبیاء کی آخری فرد ہیں۔

☆حضرت علی علیہ السلام مومنوں کے امیر، اوصیاء الٰہی کے سید و سردار اور ایسے امام ہیں جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں پر واجب قرار دی ہے۔

☆اسی طرح امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، امام علی بن حسین علیہ السلام (زین العابدین)، امام محمد بن علی علیہ السلام (باقر)، امام جعفر بن محمد علیہ السلام (صادق)، امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام (کاظم)، امام علی بن موسیٰ علیہ السلام (رضا)، امام محمد بن علی علیہ السلام (تقی، جواد)، امام علی بن محمد علیہ السلام (نقی، ہادی)، امام حسن بن علی علیہ السلام (عسکری)، امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف جو حجۃ و قائم ہیں۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی حجتیں ہیں۔ یہ سب تمہارے ایسے امام ہیں جن کے ذریعہ تمہیں نیکی کے ساتھ ہدایت ملی۔

اے فلان بن فلان، فلانہ بنت فلان

جب تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے لیے پیغام لے کر آئیں۔ تم سے تمہارے رب، تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمہارے دین، تمہاری کتاب، تمہارے قبلہ اور تمہارے ائمہ علیہم السلام کے بارے میں پوچھیں۔ تو ڈرنا نہیں، غمگین نہ ہونا۔ ان کے جواب میں کہنا:

☆اللہ تعالیٰ میرا رب ہے۔

☆حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نبی ہیں۔

☆اسلام میرا دین ہے۔

☆قرآن میری کتاب ہے۔

☆کعبہ میرا قبلہ ہے۔

☆امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حسن مجتبیٰ بن علی علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆کربلا میں شہید ہونے والے حضرت حسین بن علی علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت زین العابدین علی بن حسین علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت محمد باقر علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت جعفر صادق علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت علی رضا علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت محمد تقی جواد علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت علی نقی ہادی علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت حسن عسکری علیہ السلام میرے امام ہیں۔

☆حضرت حجۃ منتظر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف میرے امام ہیں۔

یہ سب کے سب کہ ان سب پر اللہ تعالیٰ کا درود و سلام ہو میرے امام، میرے سردار، میرے رہبر ور ہنما اور میرے شفیع ہیں۔

دنیا و آخرت میں، مَیں ان ہی سے محبت کرتا / کرتی ہوں اور ان کے دشمنوں سے ہر حال میں دور رہتا/رہتی ہوں۔

پھر جان لو!

اے فلان بن فلان/فلانہ بنت فلان

☆اللہ تعالیٰ سب سے بہتر پالنے والا ہے۔

☆حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بہترین رسول ہیں۔

☆حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ان کی معصوم اولاد علیہم السلام بارہ کے بارہ امام، بہترین امام ہیں۔

☆حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو دین لے کر آئے، وہ حق ہے۔

☆موت حق ہے۔

☆قبر میں منکر و نکیر کا سوال حق ہے۔

☆قبر سے نکالا جانا حق ہے۔

☆پل صراط حق ہے۔

☆میزان حق ہے۔

☆نامۂ اعمال کا روزِ حشر ہاتھوں میں دیا جانا حق ہے۔

☆جنت حق ہے۔

☆جہنم حق ہے۔

☆آنے والی گھڑی (قیامت) میں کوئی شک نہیں ہے۔

☆جو لوگ قبر میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ضرور اٹھائے گا۔

اے فلان بن فلان/ فلانہ بنت فلان:

تم نے اچھی طرح سمجھ لیا۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اس مستند اور سچے قول پر ثابت قدم رکھے۔ صراطِ مستقیم کی جانب تمہاری ہدایت فرماتا رہے۔ اپنی رحمت کے سایہ میں تمہارے اولیاء سے تمہارا بہترین تعارف کروائے۔

اے اللہ !

زمین کو اس کے دونوں پہلوؤں سے کشادہ فرمادے۔ تمہاری روح کو اپنی جانب بلند فرمالے۔ اپنی جانب سے اسے دلیل و برہان عطا فرمادے۔

اے اللہ !

ہم سب تیری عفو و مغفرت کے بھکاری ہیں۔

نماز ہدیۂ میت / نماز شب اوّل قبر / نماز وحشت

مستحب ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد پہلی رات دو رکعت نماز پڑھ کر اس کا ثواب، میت کو ہدیہ کیا جائے۔ اس نماز کو نماز ہدیۂ میت، یعنی میت کے لئے تحفہ کی نماز یا نماز شب اول قبر یعنی قبر کی پہلی رات کی نماز یا نماز وحشت یعنی عزیزوں اور دوستوں سے جدائی کا احساس ختم کرنے والی نماز کہتے ہیں۔ اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ :

☆ پہلی رکعت میں حمد کے بعد ایک مرتبہ آیت الکرسی، سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۵ سے ۲۵۷ تک۔

☆ دوسری رکعت میں حمد کے بعد ۱۰ مرتبہ سورۂ قدر یعنی سورۂ انا انزلناہ سورہ نمبر ۹۷۔

قنوت، تشہد اور سلام کے بعد یہ دعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَابْعَثْ ثَوَابَهَا اِلٰی قَبْرِ فُلَانٍ

"پروردگار ! تو محمد و آل محمد پر درود بھیج اور اس نماز کا
ثواب فلاں شخص کی روح کو پہنچادے۔"

زندہ مومنین کی طرف سے مرحومین کے لیے یہ سب سے بہتر تحفہ ہوتا ہے۔ مومنین کو رحلت کے بعد اپنے چاہنے والوں کے تحفوں کا انتظار رہتا ہے۔

﴿۳﴾ تیمّم

تعریف:

وضو یا غسل کی جگہ پانی نہ ہونے یا پانی سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر دونوں ہاتھوں کو زمین، خاک، گرد، پتھر، دیوار وغیرہ پر رکھ کر، پیشانی کے بال اُگنے کی جگہ سے ابروتک پھیرنا پھر بائیں ہتھیلی کو دائیں ہتھیلی کی پشت پر اس کے بعد، دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر پھیرنا تیمّم کہلاتا ہے۔

طریقہ:

خاک، مٹی، زمین، پتھر، دیوار یا کپڑے پر ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں کو آہستہ سے دبا کر رکھا جائے۔

پھر ان دونوں ہتھیلیوں کے آخری سے کو ماتھے کے اوپر والے سرے پر ملا کر رکھا جائے اور بائیں طرف سے دائیں طرف ملانے کے بعد ناک کے دونوں طرف سے چہرے پر نیچے ملا جائے۔

اس کے بعد دوبارہ دونوں ہتھیلوں کو اس طرح خاک وغیرہ پر دبا کر رکھا جائے اور اس کے بعد پہلے بائیں ہتھیلی کو دائیں ہاتھ کی پشت پر پھر دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر ملا جائے۔

احکام:

☆ جس شخص کے لیے پانی کا استعمال ممکن نہ ہو یعنی پانی موجود نہ ہو یا پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو تو اسے وضو یا غسل کے بدلے تیمم کرنا چاہیے۔

☆ تیمّم خاک پر ہونا چاہیے، پتھر، ٹھیکریاں، بجری، ریت اور مٹی، دیوار، اسی طرح وہ کپڑے، لحاف دری وغیرہ جو خاک آلودہ ہوں یعنی اگر ان کو جھٹکا جائے تو اس سے گرد نکلے خواہ وہ گرد کم ہی کیوں نہ ہو وہ خاک کے حکم میں آتے ہیں۔ ان پر تیمّم جائز ہے۔

☆ سیمنٹ، مٹی، پتھر وغیرہ کو پیس کر پکائی جاتی ہیں۔ یہ خاک شمار ہوتی ہیں۔ ان پر تیمّم جائز ہے۔ ان پر سجدہ بھی جائز ہے۔

☆اینٹ، مٹی کے کچے یا پکے ہوئے برتن یا ایسی دیوار جو مٹی یا مٹی کے متعلقات سے بنی ہو، خاک کے حکم میں ہے۔ان پر تیمّم جائز ہے۔ان پر سجدہ جائز ہے۔

☆ضروری ہے کہ جس چیز پر تیمّم کیا جائے وہ پاک اور مباح ہو۔

☆ تیمّم اس وقت جائز ہے جب:

پانی کا استعمال ممکن نہ ہو۔

پانی موجود نہ ہو یا اس کا استعمال ضرر رکھتا ہو۔

نماز کے آخری وقت تک پانی کے استعمال کا کوئی امکان نہ ہو۔

☆اگر وضو کی جگہ تیمّم ہو تو وضو کے بدلے تیمّم اور اگر کسی غسل کے بدلے ہو تو اس خاص غسل کے مثلاً جنابت، حیض یا نفاس وغیرہ یا میت کے غسل کے بدلے تیمّم کی نیت کی جائے۔

☆جب ان احکام کے مطابق، غسل یا وضو کے بجائے تیمّم کرکے نماز پڑھے تو نماز صحیح ہے۔

☆اس نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

☆اس کی قضا نہیں ہے۔

☆اس صورت حال میں نماز ادا کرنے کے بعد، وقت ختم ہونے سے پہلے عذر دور ہو جائے یا پانی مل جائے تب بھی اس نماز کا دہرانا ضروری نہیں۔

☆اگر میت کی حالت ایسی ہو اسے غسل نہ دیا جاسکے تو اسے بھی غسل کہ جگہ تیمّم کرایا جانا چاہیے۔

روحانی وجسمانی عبادتیں

- نماز
- روزہ

نماز

الٰہی فرائض وواجبات میں سب سے اہم فریضہ نماز ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرانہ ہے۔ نماز کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران اور ناشکری ہے۔

حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے کتاب علی علیہ السلام سے، "الکفر باللہ" کی تعریف کے ذیل میں فرمایا ہے:

"فَإِنَّ تَارِكَ الصَّلَاةِ كَافِرٌ" [۱]

بے شک ! نماز ترک کرنے والا کافر ہے۔

جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ کفرانِ نعمت کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

"إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا" (النساء:۴: ۱۰۳)

"بے شک نماز مومنین کا ایک ایسا معین فریضہ ہے جس کو معین شرطوں اور آداب کے ساتھ معین اوقات میں ادا کرنا ضروری ہے۔"

نماز ملکوتی اور روحانی پہلو کی حامل ہے۔ یہ انسان کو کمال کے بلند ترین مراتب تک پہنچا کر اسے ملکوت اعلیٰ کی سیر کراتی ہے۔ معراج تک پہنچاتی ہے۔

نماز میں بندۂ خدا، اپنے پروردگار سے مناجات اور راز و نیاز کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور خضوع و خشوع اور عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور بڑائی کا اعلان و اقرار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو اس کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی، الاصول: کتاب الایمان والکفر: باب الکبائر: ج:۱: ص: ۴۸۵: ح: ۲۴۵۱: ط: الامیرہ، بیروت ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

مختصر یہ کہ،

مومن، نماز کی حالت میں جمال و جلال الٰہی میں ڈوب جاتا ہے۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن نیز اس کی گوناگوں نعمتوں میں غرق دیکھتا ہے۔ مومن، نماز کے موقعہ پر اپنے آپ کو دنیا و مافیہا سے جدا کر کے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے متصل کرلیتا ہے۔

اس لیے مشہور ہے:

اَلصَّلَاۃُ مِعۡرَاجُ الۡمُؤۡمِنِ

"نماز مومن کی معراج ہے۔ یعنی نماز کے دوران مومن ملکوت السموات کی طرف پرواز کرتا ہے۔"

قرآن حکیم نے نماز کے فوائد کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اَقِمِ الصَّلَاۃَ، اِنَّ الصَّلَاۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ، وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ (العنکبوت:۲۹:۴۵)

"نماز ادا کیا کرو۔ نماز، اگر صحیح طریقہ سے ادا کی جائے تو ہر قسم کی برائیوں، گمراہیوں اور غلطیوں سے نجات دیتی اور روکتی ہے۔"

اس کا ایک بڑا فائدہ، نتیجہ اور اثر یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ یاد رہتا ہے۔ انسان خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پاتا ہے۔ اس کے دربار میں حاضر محسوس کرتا ہے۔

اس فریضہ کی اہمیت کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ صاحبِ شریعت، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز

رئیس مذہب، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، دونوں بزرگوں نے اپنے سفرِ آخرت کے حساس ترین موقعہ پر نماز کی پابندی اور توجہ کے ساتھ ادائیگی کی پرزور وصیت فرمائی ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال:

لَا تَتَہَاوَنۡ بِصَلَاتِكَ، فَاِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ عِنۡدَ مَوۡتِہٖ:

لَيْسَ مِنِّي مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِهِ،لَيْسَ مِنِّي مَنْ شَرِبَ مُسْكِرًا لَا يَرِدُ عَلَيَّ الحَوْضِ لَا وَاللهِ۔[۱]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اپنی نماز کو بے اہمیت نہ سمجھو...،بغیر توجہ کے ٹال مٹول کے ساتھ ادا نہ کرو۔

بڑی توجہ اور اطمینان سے پڑھا کرو۔

کیونکہ؛

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رحلت کے موقع پر فرمایا تھا؛

جو نماز کو ہلکا پھلکا سمجھ کر سر سری طور پر ادا کرے وہ ہم میں سے نہیں یعنی وہ مسلمان نہیں کافر ہے۔

اسی طرح جو نشہ آور چیزیں استعمال کرے وہ بھی ہم میں سے نہیں،یعنی مسلمان نہیں کافر ہے۔

واللہ...!

یہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس نہیں پہنچ سکیں گے۔

اہلبیت اطہار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں نماز کی اہمیت کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے:

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ الاَوَّلِ عَلَيْهِ السَّلَام:

أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَ ابی الوفَاة ۔ قَالَ لِی:

يَا بُنَيَّ...!

أَنَّهُ لَا يَنَالُ شَفَاعَتُنَا مَنْ اِسْتَخَفَّ بِالصَّلَاةِ[۲]

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصلوٰۃ: باب: باب من حافظ علی صلاتہ او ضَیَّعَهَا: : ج: ۳: ص: ۱۳۷: ح: ۱۰۰۱: ط: الامیرہ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: کتاب الصلوٰۃ: باب: باب من حافظ علی صلاتہ او ضَیَّعَهَا: ج: ۳: ص: ۱۳۹: ح: ۱۰۰۹: ط: الامیرہ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

میرے والد گرامی امام جعفر صادق علیہ السلام کی رحلت کا وقت آیا۔ آپ علیہ السلام نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

میرے لختِ جگر... !

یاد رکھو... !

اللہ جل جلالہ کا جو بندہ نماز کو ہلکا پھلکا سمجھے گا...، بے دلی سے پڑھے گا...، روز قیامت ہماری شفاعت اس کے کام نہیں آئے گی۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے:

عن علی علیہ السلام قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اِنَّ عَمُوْدَ الدِّيْنِ الصَّلَاةُ وَهِيَ أَوَّلُ مَا يُنْظَرُ فِيْهِ مِنْ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ فَاِنْ لَمْ تُصِحَّ لَمْ يُنْظَرْ فِي بَقِيَّةِ عَمَلِهِ. [1]

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بے شک...!

نماز، دین کا ستون ہے۔ روز قیامت حساب کتاب کے وقت سب سے پہلے بندگانِ الٰہی کی نمازوں کو دیکھا جائے گا۔ وہ صحیح ہوئیں اور قبول ہو گئیں تو باقی اعمال بھی پرکھے اور تولے جائیں گے۔

نماز صحیح نہ ہوئی۔ بارگاہ ربوبیت میں قبول نہ ہوئی، تو باقی اعمال کو دیکھا اور پرکھا ہی نہیں جائے گا۔

یوں یہ سب اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

۱۔ طوسیؒ: تہذیب الاحکام: کتاب الصلاۃ: باب: ۳۵: باب فضل الصلاۃ والمفروض منھا والمسنون: ج: ۲: ص: ۳۶۶: ح: ۲۴۸۱: ط: الامیرہ بیروت: ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

تعریف:

انسان کا اللہ جل جلالہٗ کے دربار میں حاضری کے ارادہ سے قبلہ رخ کھڑے ہو کر حکم خدا کے مطابق، تکبیر کہنا اور بعض اعمال کو بجالانا نماز کہلاتا ہے۔

واجب نمازیں:

جو نمازیں شریعت نے بنیادی طور پر واجب قرار دی ہیں، وہ یہ ہیں:

☆ نماز پنجگانہ:

روزانہ کی پانچ نمازیں، انہیں نماز پنجگانہ بھی کہا جاتا ہے۔ان کی تفصیل یہ ہے:

ظہر ______ چار رکعت

عصر ______ چار رکعت

مغرب ______ تین رکعت

عشاء ______ چار رکعت

فجر ______ دو رکعت

سفر میں تمام چار رکعتی نمازیں قصر یعنی ۲ ، رکعت ہو جاتی ہیں۔

☆نماز جمعہ .... چار رکعت۔ جمعہ کے دن نماز ظہر کے بدلے۔
ان چار رکعتوں کی تفصیل یہ ہے:
دو خطبے دو رکعت نماز کی جگہ ہیں۔ خطبوں کے بعد دو رکعت نماز۔

☆نماز عید فطر.................... چار رکعت دو رکعت نماز، اور دو خطبے دو رکعت کی جگہ۔

☆نماز عید الاضحیٰ (عید قربان) چار رکعت دو رکعت نماز، اور دو خطبے دو رکعت کی جگہ۔

☆نماز آیات........................ دو رکعت۔

☆نماز میت........................ ۵ تکبیریں (واجب کفائی)۔

☆نماز طواف..................... دو رکعت۔

☆نماز والدین..................... والدین کی قضا نمازیں۔ مرنے کے بعد بڑے لڑکے پر ادا کرنا واجب ہیں۔

☆نماز نذر و عہد و قسم......... کم از کم ۲ رکعت۔

☆نماز اجارہ........................ کسی مرحوم مومن کی قضا نمازیں۔ اگر کوئی اجرت پر پڑھنے کی ذمہ داری لے لے۔

﴿۱﴾ نماز پنجگانہ

اوقات:

روزانہ کی پانچ نمازیں ان کے معین اور محدود اوقات میں ادا کرنا ضروری ہیں۔

ظہر اور عصر کی نمازیں:

ظہر کی نماز کا وقت سورج کے زوال یعنی سورج کے سر سے گذر جانے کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب سے اتنا پہلے ختم ہو جاتا ہے کہ نماز عصر پڑھی جا سکے۔

عصر کی نماز کا وقت سورج کے زوال کے بعد ظہر کی نماز کے ادا کرنے کے وقت کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

دونوں نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب ضروری ہے یعنی ضروری ہے کہ پہلے ظہر کی نماز ادا کی جائے پھر عصر کی۔

احادیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر سب سے پہلے ظہر کی نماز واجب ہوئی پھر عصر کی اس کے بعد مغرب پھر عشاء اور پھر فجر کی۔[۱]

ظہر و عصر کی نمازوں فضیلت کے اوقات:[۲]

ظہر کی نماز کی فضیلت کا وقت سورج کے زوال سے سایہ کے دوگنا ہوجانے تک ہے۔یہ تقریباً زوال سے لے کر بعض موسموں میں ایک اور بعض موسموں میں دو گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔اس کا تعلق عموماً دن کے چھوٹے اور بڑے ہونے سے ہوتا ہے۔

عصر کی نماز کی فضیلت کا وقت، ظہر کی نماز کی فضیلت کا وقت ختم ہونے کے بعد سورج کے زوال سے سایہ کے دوگنا ہونے کے بعد سے غروب آفتاب سے اتنا پہلے رہتا ہے کہ آسمان پر زردی کے آثار نمایاں ہونے لگیں۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصلوۃ: باب وقت الظہر والعصر: ج: ۳: ص: ۱۴۰-۱۴۱: ح: ۱۰۲۸: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیں:

کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصلوۃ: باب وقت الظہر والعصر: ج: ۳: ص: ۱۴۰-۱۴۲: ح: ۱۰۲۸-۱۰۳۵: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

عصر کی نماز کے لئے مستحب ہے کہ سردیوں میں سایہ کے دوگنا ہونے کے فوراً بعد اور گرمیوں میں شام ڈھلنے کے بعد اس وقت ادا کی جائے جب دھوپ کی تمازت میں کمی آ جائے۔

مستحب ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان مومن تسبیح و تہلیل اور تلاوت و تعقیبات میں مصروف رہے۔جو مومن ظہر و عصر کی دونوں نمازوں کو فضیلت کے وقت بھی ادا کرنا چاہے اور ساتھ بھی ادا کرنا چاہے تو وہ ظہر کی نماز کو اس کے فضیلت کے وقت کے آخری حصہ میں ادا کرکے عصر کی نماز کو اس کی فضیلت کے وقت کے پہلے حصہ میں ادا کر سکتا ہے۔

مغرب اور عشاء کی نمازیں:

مغرب کی نماز کا وقت سورج کے مکمل طور سے غروب ہونے کے بعد سے شروع ہو کر عام حالات میں ایک چوتھائی رات تک رہتا ہے۔عذر کے موقعہ پر اسے نماز فجر سے اتنے پہلے ادا کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھی جا سکے۔

عشاء کی نماز کا وقت سورج غروب ہونے کے بعد آسمان سے شفق کی سرخی غائب ہونے کے بعد سے طلوع فجر تک رہتا ہے۔

مغرب اور عشاء کی فضیلت کے اوقات: [1]

مغرب کی نماز کی فضیلت کا وقت غروب آفتاب کے فوراً بعد سے شفق کی سرخی کے آسمان سے غائب ہو جانے تک ہوتا ہے۔

اس نماز کو اول وقت ادا کرنے کی سب سے زیادہ تاکید آئی ہے۔بعض روایتوں کے لہجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نماز کا وقت بہت مختصر ہے اور اس کو بنیادی طور پر شفق کی سرخی آسمان سے غائب ہونے سے پہلے پڑھ لینا چاہئے ورنہ یہ نماز قضا ہو جاتی ہے۔ [2]

ضروری ہے کہ مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز سے پہلے پڑھا جائے۔

۱۔ کلینی :الکافی :الفروع :کتاب الصلوۃ: باب وقت المغرب والعشاء الآخرۃ: ج: ۳: ص: ۱۴۲-۱۴۴: ح: ۱۰۳۶-۱۰۵۱: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی :الکافی :الفروع :کتاب الصلوۃ: باب وقت المغرب والعشاء الآخرۃ: ج: ۳: ص: ۱۴۳: ح: ۱۰۴۳-۱۰۴۴و ص: ۱۴۴: ح: ۱۰۵۱: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

رسول اکرم ﷺ نے نمازوں کو اسی ترتیب سے پڑھنا شروع کیا۔

عشاء کی نماز کی فضیلت کا وقت ایک تہائی یا نصف شب گذرنے کے بعد سے ہے۔اسی لئے اس کو روایات میں "العتمة" [۱] کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔اسے "عشاءالآخرة" بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُعَلَّى بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْوَشَّاءِ عَنْ أَبَانٍ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه السلام قَالَ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَرُوِيَ أَيْضاً إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ [۲]

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر میری امت کے لئے مشقت اور مشکل نہ ہوتی تو میں عشاء کی نماز کے لئے حکم دیتا کہ اسے ایک تہائی رات کے بعد پڑھا جائے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آدھی رات کے بعد پڑھنے کا حکم دیتا۔

فجر کی نماز:

فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے لے کر سورج کے نکلنے تک ہے۔

صبح صادق:

دو تہائی سے زائد رات گزرنے کے بعد صبح دم، مشرق سے تیر کی مانند ایک سفیدی یا روشنی نکلتی ہے۔ یہ روشنی چند لمحہ بعد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سفیدی یا روشنی "صبح کاذب" کہلاتی ہے۔ اس کے کچھ لمحہ بعد مشرقی افق کے پھیلاؤ پر مستطیل شکل کی ایک سفیدی یا روشنی نمودار ہوتی ہے۔ یہ آہستہ آہستہ آسمان پر چھانا شروع کرتی ہے۔یہ سفیدی یا روشنی "صبح صادق" کہلاتی ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصلوة: باب وقت المغرب والعشاء الآخرة: ج: ۳: ص: ۱۴۳: ح: ۱۰۳۶ و ص: ۱۴۴: ح: ۱۰۵۱: متی تجب الصحۃ: ط: الامیرة، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصلوة: باب وقت المغرب والعشاء الآخرة: ج: ۳: ص: ۱۴۳: ح: ۱۰۳۶ و ص: ۱۴۴: ح: ۱۰۴۸: ط: الامیرة، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

نماز صبح یا فجر کیلئے صبح کاذب کے بعد اتنا ٹھہرنا اور انتظار کرنا ضروری ہے کہ صبح صادق طلوع ہو جائے۔

فجر کی نماز کی فضیلت کا وقت :

فجر کی نماز کی فضیلت کا وقت صبح صادق سے اس وقت تک ہے جب تک صبح صادق کی روشنی آسمان پر پوری طرح پھیل جائے۔ حدیث میں ہے۔

عَلِيٌّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الْحَلَبِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام : قَالَ:

وَقْتُ الْفَجْرِ حِينَ يَنْشَقُّ الْفَجْرُ إِلَى أَنْ يَتَجَلَّلَ الصُّبْحُ السَّمَاءَ وَ لَا يَنْبَغِي تَأْخِيرُ ذَلِكَ عَمْداً لَكِنَّهُ وَقْتٌ لِمَنْ شُغِلَ أَوْ نَسِيَ أَوْ نَامَ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فجر کی نماز کا وقت صبح صادق کے پھوٹنے یا طلوع ہونے سے لے کر اس وقت ہے جب تک صبح کی روشنی چمک نہ اٹھے۔

فجر کی نماز کی ادائیگی میں جان بوجھ کر اور ارادتاً اس سے زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے۔

یہ تاخیر فقط ان لوگوں کا حق ہے جو یا تو کوئی کام یا ملازمت کر رہے ہوں، یا بھول جائیں، سوتے رہ جائیں۔

نمازوں کو ملا کر پڑھنے کی اجازت :

ظہر اور عصر نیز مغرب اور عشاء کی نمازوں کے فضیلت کے اوقات بھی اس طرح ہیں کہ اگر مومنین چاہیں تو دونوں کو اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ دونوں نمازیں فضیلت کے وقت میں ادا ہوں۔ یعنی ظہر کی نماز کی فضیلت کے آخری وقت میں پڑھیں اور تعقیبات کے بعد نماز عصر پڑھیں کیونکہ ظہر کی نماز فضیلت کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کی نماز کی فضیلت کا وقت آجاتا ہے۔

البتہ مغرب اور عشاء کی فضیلتوں کے اوقات میں بہت فاصلہ ہے۔ اس لیے جو مومنین دونوں نمازوں کو ان کی فضیلت کے اوقات میں پڑھنا چاہتے ہیں ان کو یہ دونوں نمازیں الگ الگ اوقات میں پڑھنا چاہیے۔

ظہر اور عصر نیز مغرب اور عشاء کی نمازوں کو یکے بعد دیگرے ملا کر پڑھنے میں اہلبیت اطہار علیہم السلام کی روایتوں کے علاوہ اہل سنت کے وہاں بھی روایتیں موجود ہیں۔ ہم یہاں مومنین کی اطلاع اور اطمینان خاطر کے لیے اہل سنت کی حدیث کی اہم کتاب صحیح مسلم سے ایک روایت نقل کر رہے ہیں۔

امام ابو الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم قیشری نیشابوری متوفی ۲۵ / رجب ۲۶۱ / ہجری نے اپنی کتاب "الصحیح" میں ایک باب اس نام سے قائم کیا ہے:

"باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر "[۱]

یہ ، باب ظہر اور عصر نیز مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ملا کر پڑھنے کے سلسلہ میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور روایت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے۔

اس باب میں ان نمازوں کو ملا کر پڑھنے کی اجازت کے سلسلہ میں دس روایتیں نقل کی گئی ہیں:

ان میں ایک روایت یہ ہے:

وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ. ح. وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، وَأَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ، وَاللَّفْظُ لِأَبِي كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ كِلَاهُمَا، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:

" جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ، فِي غَيْرِ خَوْفٍ، وَلَا مَطَرٍ "،

(فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ)، قَالَ:

قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: لِمَ فَعَلَ ذَلِكَ؟

قَالَ: كَيْ لَا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ،

وَفِي حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ، قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا أَرَادَ إِلَى ذَلِكَ؟

۱۔ مسلم : صحیح : ج:۱: ص:۴۸۹: طبع طحن ، موسوعۃ السنۃ الکتب السنۃ وشروحہا : ج ۴: ۶کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا : ۶۔ باب الجمع بین الصلاتین والحضر: ح: ۴۹- ۵۸: ط: شعبان فورت : استنول: ترکی : ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء (مکرر نہج ہولاندا)

قَالَ: أَرَادَأَنْ لَا يُحْرِجَ أُمَّتَه [۱]

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں کسی خوف اور بارش کے بغیر ظہر و عصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ملا کر پڑھیں۔

(وکیع کی حدیث میں ہے کہ) انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عباس سے کہا:

ایسا کیوں کیا؟

ابن عباس نے کہا:

تاکہ ان کی امت پر مشکل نہ ہو۔

ابی معاویہ کی حدیث میں ہے کہ ابن عباس سے کسی نے کہا:

ایسا کرنے سے آپؐ کی کیا مراد تھی؟

ابن عباس نے کہا:

آپؐ کی مراد یہ تھی کہ آپؐ کی امت پر مشکل نہ ہو۔

احکام:

☆ اگر کسی نماز کے وقت سے پہلے اس خیال سے نماز شروع کر دی جائے کہ وقت ہو چکا ہے، تو، اگر نماز کے دوران اس نماز کا وقت داخل ہو جائے تو نماز صحیح ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

☆ اگر نماز ختم ہونے تک نماز کا وقت نہ آیا ہو تو فریضہ ادا نہیں ہو گا۔ وہ نماز دوبارہ ادا کرنا ضروری ہو گی۔

☆ کسی شخص کو خیال ہو کہ وہ ظہر یا مغرب کی نماز ادا کر چکا ہے۔ وہ ظہر سے پہلے عصر یا مغرب سے پہلے عشاء کی نماز شروع کر دے۔

اگر نماز کے دوران اسے یاد آئے کہ ابھی ترتیب کے لحاظ سے پہلی نماز یعنی ظہر یا مغرب ادا نہیں کی ہے۔ تو جب تک نیت پلٹنے کا امکان ہو، یعنی مثلاً عصر کی نماز میں چوتھی رکعت کا

۱۔ مسلم : صحیح : ج:۱: ص:۴۸۹: طبع طحن، موسوعۃ السنۃ الکتب السنۃ وشروحہا: ج۴: ۶کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا: ۶۔ باب الجمع بین الصلاتین والحضر: ح: ۵۴: ط: شعبان فورت: استنبول: ترکی: ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء (مکرر نہج ہولاندا)

سلام ادا نہ کیا ہو یا عشاء کی نماز میں چوتھی رکعت کے رکوع میں نہ گیا ہو، ایسی صورت میں اپنی نیت کو عصر سے ظہر اور عشاء سے مغرب کی طرف پلٹا لینا کافی ہو گا۔

لیکن اگر نیت پلٹانے کا موقع باقی نہ رہا ہو یا نماز تمام کرنے کے بعد یاد آئے تو پہلے والی نماز بعد میں پڑھ لے۔ دونوں نمازیں ادا شمار ہوں گی۔

☆ اگر کسی کو عصر یا عشاء میں شک ہو جائے کہ اس نے ظہر یا مغرب ادا کی یا نہیں؟ ایسی صورت میں: وہ چاہے تو نیت بدل سکتا ہے، اور چاہے تو یہ اعتماد پیدا کر لے کہ گذشتہ نماز پڑھ چکا ہے۔ اپنی وہی نماز پوری کرے۔

اذان و اقامت:

مرد و زن دونوں کے لیے مستحب موکد ہے کہ روزانہ کی پانچوں واجب نمازوں سے پہلے اذان اور اقامت کہیں۔

نماز جمعہ سے پہلے بھی اذان و اقامت مستحب ہے۔

دوسری نمازوں میں اذان اور اقامت مشروع نہیں ہے۔

عید فطر و عید الاضحیٰ کی نمازوں میں مستحب ہے کہ تین مرتبہ "الصلاۃ" کہا جائے۔

اذان:

اذان کا طریقہ یہ ہے:

اللہ اکبر ________ ۴ مرتبہ

"فقط اللہ جل جلالہ ہی بڑا، بزرگ و برتر اور کبریائی کے لائق ہے۔"

اشھد ان لا الہ الا اللہ ________ ۲ مرتبہ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت و پرستش کے لائق نہیں ہے۔"

اشھد انّ محمدا رسول اللہ ________ ۲ مرتبہ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں۔"

حیّ علی الصلاۃ _____________ ۲ مرتبہ

"نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

حیّ علی الفلاح _____________ ۲ مرتبہ

"بھلائی اور کامیابی کی طرف دوڑو۔"

حیّ علیٰ خیر العمل _____________ ۲ مرتبہ

"بہترین عمل کے لیے تیزی سے بڑھو۔"

اللہ اکبر _____________ ۲ مرتبہ

"فقط اللہ جل جلالہ ہی بڑا، بزرگ و برتر اور کبریائی کے لائق ہے۔"

لا الہ الا اللہ _____________ ۲ مرتبہ

"اللہ کے علاوہ کوئی عبادت و پرستش کے لائق نہیں ہے۔"

اقامت:

اقامت کے الفاظ بھی یہی ہیں۔

فقط فرق یہ ہے کہ:

ابتداء میں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ _____________ ۲ مرتبہ

حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ کے بعد،

قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃ _____________ ۲ مرتبہ

"نماز کھڑی ہو گئی۔"

آخر میں،

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ _____________ ایک مرتبہ

مکمل اقامت یہ ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ _____________ ۲ مرتبہ

اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ________ ۲مرتبہ
اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللهِ ________ ۲مرتبہ
حَیَّ عَلَی الصَّلَاةِ ________ ۲مرتبہ
حَیَّ عَلَی الۡفَلَاحِ ________ ۲مرتبہ
حَیَّ عَلٰی خَيۡرِ الۡعَمَلِ ________ ۲مرتبہ
قَدۡ قَامَتِ الصَّلَاةِ ________ ۲مرتبہ
اَللهُ اَکۡبَرُ ________ ۲مرتبہ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ________ ایک مرتبہ

☆اذان واقامت میں رسالت کی گواہی یعنی:

اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللهِ

کے بعد

"اَشۡهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَّلِیُّ اللهِ"

کہا جاسکتا ہے۔ یہ اذان یا اقامت کا جزء نہیں ہے۔

نماز چاہے فرادیٰ یعنی تنہا پڑھی جائے یا جماعت سے۔ گھر میں پڑھی جائے یا مسجد میں مرد اور عورت دونوں کے لئے نماز سے پہلے اذان اور اقامت کہنے کی بہت تاکید کی گی ہے اس لئے اسے کسی بھی صورت میں ترک نہیں کرنا چاہئے۔

اگر دو یا کئی نمازیں پے در پے پڑھی جائیں تو شروع میں ایک مرتبہ اذان کہنا کافی ہے۔ لیکن ہر نماز کیلئے الگ اقامت کہنا چاہیے۔

اگر کوئی مسجد میں نماز پڑھنے جائے اور ابھی جماعت کی صفیں پوری طرح منتشر نہ ہوئی ہوں تو اس پر اذان واقامت ساقط ہے۔

جو شخص مسجد یا شہر کی اذان سن لے اس پر سے اذان ساقط ہو جاتی ہے۔

﴿ ۲ ﴾ نمازِ جمعہ

تعریف :

نماز جمعہ دراصل نماز پنجگانہ کے ذیل میں آتی ہے۔ یہ نماز جمعہ کے دن نماز ظہر کی جگہ ادا کی جاتی ہے اس نماز کا جماعت سے ادا کرنا ضروری ہے۔

اس نماز کی چار رکعتیں ہیں :

- ان میں سے دو رکعتیں دو خطبوں پر مشتمل ہے جو امام جماعت بیان کرتا ہے۔
- اس کے بعد دو رکعت نماز ہے۔

اہمیت :

نماز جمعہ کا قیام اسلام کے اہم امتیازات میں سے ہے۔ ضروری ہے کہ شہروں کے مرکزی مقامات اور اہم مسجدوں میں نماز جمعہ قائم کی جائے۔ عام مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اس میں حاضر ہوں۔ اسلام کے اس اہم رکن میں شرکت کریں۔

بہت سی روایتوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر جماعت میں شامل نہ ہو سکے تو مومن کو چاہیے گھر میں ظہر کی جگہ نماز جمعہ کی نیت سے چار رکعت نماز ادا کرئے۔

اسی طرح روایتوں میں اس بات کی بھی تاکید ہے کہ اگر کہیں نماز جمعہ قائم ہو لیکن اس کا "امام" نماز جمعہ کے امام کی شرطوں پر پورا نہ اترتا ہو تب بھی مومن نماز جمعہ میں شرکت کرے۔ البتہ ایسی صورت میں اگر ممکن ہو تو امام جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ سلام کے بغیر کھڑا ہو جائے اور دو رکعت کھڑے ادا کرے۔

حدیث میں ہے :

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى عَنْ سَمَاعَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ ع عَنِ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: فَقَالَ:

أَمَّا مَعَ الْإِمَامِ فَرَكْعَتَانِ وَ أَمَّا مَنْ يُصَلِّي وَحْدَهُ فَهِيَ أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ بِمَنْزِلَةِ الظُّهْرِ يَعْنِي إِذَا كَانَ إِمَامٌ يَخْطُبُ فَأَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ إِمَامٌ يَخْطُبُ فَهِيَ أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَإِنْ صَلَّوْا جَمَاعَةً [۱]

جو شخص پیش نماز کے ساتھ پڑھے تو اس کے لیے دو رکعتیں ہیں لیکن اگر اکیلا پڑھے تو چار رکعتیں ہیں جو ظہر کی نماز کی جگہ میں۔ یعنی اگر پیش نماز خطبہ دے تو دو رکعت نماز پڑھی جائے۔ لیکن اگر کوئی پیشنماز نہ ہو جو خطبہ دے تو چار رکعت نماز پڑھے چاہے یہ نماز فرادیٰ پڑھے یا جماعت کے ساتھ۔

افراد کی تعداد:

نماز جمعہ کے قیام کے لیے کم سے کم سات نمازیوں کا ہونا ضروری ہے۔ امام ان ساتوں میں شامل ہے۔

امامت:

نماز جمعہ کے امام یا پیش نماز کے لیے ضروری ہے کہ:

﴿۱﴾ ظاہری طور پر نیک ہو۔
﴿۲﴾ علم اور اخلاقی فضائل کا حامل ہو۔
﴿۳﴾ لوگ اسے احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔
﴿۴﴾ اپنے زمانہ کے مسائل اور ضرورتوں کو سمجھتا ہو۔
﴿۵﴾ لوگوں میں اللہ عزوجل اور محمد وآل محمد علیہم السلام کی محبت راسخ کر سکتا ہو۔

وقت:

نماز جمعہ کا وقت سورج کے زوال یعنی دوپہر ڈھلتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصلاۃ: بابُ تَهْيِئَةِ الْإِمَامِ لِلْجُمُعَةِ وَخُطْبَتِهِ وَالْإِنْصَاتِ: ج۳: ص: ۲۱۹: ح: ۱۶۶۲: ط: الامیرۃ: بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

اذان:

نماز جمعہ کی اذان وہی ہے جو نماز پنجگانہ میں دی جاتی ہے۔

ادائیگی کا طریقہ:

خطبے:

☆ نماز جمعہ کی پہلی دو رکعتیں دو خطبوں پر مشتمل ہیں۔

☆ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ اگر کوئی بندۂ خدا جمعہ کے دن نماز گھر پر یا فرادیٰ پڑھے یا ایسی جماعت میں پڑھے جس کا پیش نماز خطبہ نہ دے۔ یا اس میں خطبہ دینے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ جمعہ کے دن ظہر کے بجائے نماز جمعہ کی نیت سے ۴/ رکعت نماز بجالائے۔ اس چار رکعت نماز میں قنوت دوسری رکعت میں ہی پڑھا جائے گا۔

☆ اگر نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اور پیش نماز خطبہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، تو اسے پہلے دو خطبے دینا چاہیے ہیں۔

☆ یہ خطبے امام جمعہ کو اس زبان میں دینا چاہیے جو نمازی سمجھ سکیں۔

پہلا خطبہ:

﴿۱﴾ تقویٰ، پرہیزگاری، محرمات سے اجتناب اور واجبات کی ادائیگی کی تاکید۔

﴿۲﴾ دنیا کے مجموعی حالات سے آگاہی، نیز

﴿۳﴾ قرآن کے کسی مختصر سورہ کی تلاوت پر مشتمل ہونا چاہیے۔

امام جمعہ کو چاہئے، پہلا خطبہ دے کر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائے۔

دوسرا خطبہ:

﴿۱﴾ تقویٰ، پرہیزگاری، محرمات سے اجتناب اور واجبات کی ادائیگی کی تاکید۔

﴿۲﴾ محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام اور ان کی ولایت کا اعلان کیا جائے۔

بہتر یہ ہے کہ یہ اعلان ان الفاظ میں کیا جائے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَبِیِّكَ وَ رَسُوْلِكَ وَ ابْنَتِهٖ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ سَلَامُ اللهِ عَلَیهَا وَ بَنِی عَمِّهٖ عَلِی بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ سَیِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَ عَلِیِ ابْنِ الْحُسَیْنِ وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍ وَ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَ مُوْسَی بْنِ جَعْفَرٍ وَ عَلِیِ بْنِ مُوْسٰی وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍ وَعَلِیِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍ وَ حُجَّةِ الْمُنْتَظِرِ حُجَجِكَ عَلٰی خَلْقِكَ، اَئِمَّةَ الْهُدَاةِ الْمَهْدِیِّیْنَ وَ عَجِّلْ فَرَجَ مَوْلَانَا صَاحِبَ الزَّمَانِ۔ آمِیْنَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

اے اللہ!

تو اپنے نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ، ان کی لخت جگر فاطمۃ الزہرا ان کے چچازاد بھائی امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب، جوانانِ جنت کے دو سرداروں حسن و حسین، علی بن حسین، محمد بن علی، جعفر بن محمد، موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ، محمد بن علی، علی بن محمد، حسن بن علی اور حجۃ المنتظر پر اپنی رحمتیں اور درود نازل فرما، یہ سب تیری مخلوق پر تیری حجت، ہدایت کرنے والے ہدایت یافتہ امام و راہنما ہیں نیز تو ہمارے امام کے ظہور میں تعجیل فرما۔ آمین

﴿۳﴾ اخلاقی امور اور نصیحتیں۔

﴿۴﴾ قرآن مجید کا کوئی مختصر سورہ۔

﴿۵﴾ مومنین و مومنات، مسلمین و مسلمات کی مغفرت، حاجات کی برآوری۔ نیز اسلام و مسلمین کی سربلندی کی دعا پر مشتمل ہونا چاہیے۔

نمازیوں کے لیے ضروری ہے کہ دونوں خطبوں کو غور سے سنیں۔ دعاؤں پر آمین کہیں۔

دو رکعتیں:

☆ دونوں خطبوں کے بعد دو رکعت نماز ادا کی جائے۔

☆ بہتر ہے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ (۶۲) اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون (۶۳) کی تلاوت کی جائے۔

☆ مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے اور دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت پڑھیں۔

﴿۳﴾ نماز عیدین

عید فطر و عید الاضحیٰ کی نمازوں کی تمام شرطیں نماز جمعہ جیسی ہیں۔
فرق صرف یہ ہے کہ:
﴿۱﴾ نماز عیدین کا وقت طلوعِ آفتاب کے فوراً بعد ہے۔
﴿۲﴾ نماز عیدین کے دونوں خطبے دو رکعت نماز کے بعد ہیں۔
﴿۳﴾ نماز عیدین کی پہلی رکعت پانچ اور دوسری رکعت چار تکبیروں پر مشتمل ہے ان تکبیروں کے درمیان دعائے قنوت مستحب ہے۔
﴿۴﴾ اذان:
نماز عیدین کی اذان "اَلصَّلاۃ، اَلصَّلاۃ، اَلصَّلاۃ" ہے۔

ادائیگی کا طریقہ:

نماز عیدین کی دونوں رکعتوں کی ادائیگی کا طریق کار یہ ہے:

پہلی رکعت:

سورۂ حمد کے بعد کوئی سورہ پڑھے۔ بہتر ہے کہ سورۂ والشّمس (۹۱) یا سورۂ اعلیٰ (۸۷) پڑھے۔
پھر پانچ تکبیریں کہے۔ ہر تکبیر کے بعد قنوت پڑھے۔
قنوت میں کوئی بھی دعا پڑھی جا سکتی ہے۔
عام طور سے یہ دعا پڑھی جاتی ہے:

اَللّٰهُمَّ اَهْلَ الْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ وَ اَهْلَ الْجُوْدِ وَالْجَبَرُوْتِ، وَ اَهْلَ الْعَفْوِ وَالرَّحْمَةِ وَ اَهْلَ التَّقْوٰى وَالْمَغْفِرَةِ۔ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ هٰذَا الْيَوْمِ الَّذِىْ جَعَلْتَهٗ لِلْمُسْلِمِيْنَ عِيْداً وَلِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ذُخْراً وَ شَرَفاً وَّ كَرَامَةً وَّ مَزِيْداً اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ

تُدْخِلَنِیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ اَدْخَلْتَ فِیْهِ مُحَمَّداً وَّ آلَ مُحَمَّدٍ وَ اَنْ تُخْرِجَنِیْ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ اَخْرَجْتَ مِنْهُ مُحَمَّداً وَّ آلَ مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُكَ عَلَیْهِ وَ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ مَا سَئَلَكَ بِهٖ عِبَادُكَ الصَّالِحُوْنَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِمَّا اسْتَعَاذَ مِنْهُ عِبَادُكَ الْمُخْلَصُوْنَ۔

ترجمہ:

"اے اللہ!

اے صاحب کبر و عظمت!

اے سخی اور طاقتور!

اے عفو و رحمت کے مالک!

اے تقویٰ و مغفرت کے خزانہ دار!

میں، تجھ سے آج کے دن کے حق کا واسطہ دے کر تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں!

آج کا دن وہ دن ہے جسے تو نے مسلمانوں کے لیے عید قرار دیا ہے۔ تو نے ہی آج کے دن کو محمد و آل محمد علیہم السلام کے لیے عزت و شرف و کرامت کا ذخیرہ و خزانہ اور اس میں مسلسل اضافہ کا سبب قرار دیا ہے۔

تیری بارگاہ میں میری التجا اور سوال یہ ہے کہ:

تو مجھے ہر وہ بھلائی عطا کر دے جو بھلائی تو نے محمد و آل محمد علیہم السلام کو عطا کی ہے۔ مجھے ہر اس برائی سے محفوظ رکھ جس سے تو نے محمد و آل محمد علیہم السلام کو محفوظ رکھا ہے۔

اے میرے اللہ!

میں تجھ سے ہر وہ چیز مانگتا ہوں جو تجھ سے تیرے نیک بندے طلب کرتے ہیں
اور تجھ سے ہر اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جن سے تیرے مخلص بندوں نے تجھ
سے پناہ طلب کی ہے۔"

پانچ تکبیروں اور قنوت کے بعد ایک رکوع اور دو سجدے بجالائے۔

دوسری رکعت:

☆سورۂ حمد کے بعد کوئی سورہ پڑھے۔

☆بہتر ہے اگر پہلی رکعت میں سورۂ والشمس (۹۱) پڑھا ہے تو دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ (۸۸) پڑھے۔

اگر پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ (۸۷) پڑھا ہو تو دوسری رکعت میں سورۂ والشمس (۹۱) پڑھے۔

☆پھر چار تکبیریں کہے۔

☆ہر تکبیر کے بعد قنوت پڑھے۔

☆قنوت میں کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے۔ عام طور سے جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ پہلی رکعت کے ذیل میں بیان کی جاچکی ہے۔

☆چار تکبیروں اور قنوت کے بعد ایک رکوع اور دو سجدے بجالائے۔

☆تشہد اور سلام کے ساتھ نماز ختم کرے۔

☆نماز کے اختتام کے بعد امام جماعت دو خطبے دے۔ مومنین ان خطبوں کو غور سے سنیں۔ یہ خطبے دو رکعتوں کا حکم رکھتے ہیں۔

☆نماز عیدین کے دونوں خطبے نماز جمعہ کے دونوں خطبوں کی طرح ہیں۔

﴿۴﴾ نماز آیات

تعریف:

دو رکعت نماز جو زلزلہ، چاند گرہن، سورج گرہن جیسی سماوی نشانیوں کے موقعہ پر پڑھی جاتی ہے اسے "نماز آیات" کہتے ہیں۔

یہ نماز دو رکعتی ہے۔

زلزلہ، چاند گرہن، سورج گرہن یا شدید اور ہولناک سماوی آفات کے موقع پر ادا کی جاتی ہے۔اس کی ہر رکعت میں پانچ رکوع ہیں۔

ہر رکوع سے پہلے حمد و سورہ پڑھنا ضروری ہے۔

نماز آیات کو جتنے زیادہ وقت میں ادا کیا جائے یعنی جتنا طول دیا جائے اتنا ثواب ہے۔

﴿۵﴾ نماز میت

پانچ تکبیروں پر مشتمل ہے۔اس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

﴿۶﴾ نماز طواف

خانہ کعبہ کے طواف کے سات شوط مکمل کرنے کے بعد دو رکعت نماز، مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے ادا کرنا ضروری ہے۔ نمازِ طواف، نمازِ صبح کی طرح ہے۔

﴿۷﴾ نماز والدین

بڑے بیٹے پر اپنے مرحوم والدین خصوصاً باپ کی قضا نمازوں اور روزوں کا ادا کرنا واجب ہے۔

﴿۸﴾ نماز نذر و عہد و قسم

اگر کوئی شخص کسی کام کے لیے نماز کی نذر، قسم یا عہد کرے تو یہ نماز اس پر واجب ہو جائے گی۔

﴿۹﴾ نماز اجارہ

اگر کوئی شخص کسی میت کی قضا نمازیں اجرت پر پڑھنے کا معاہدہ کرے یعنی اجارہ پر قضا نمازیں لے۔ تو ان نمازوں کی ادائیگی اس پر واجب ہو جائے گی۔

نماز کے عمومی احکام

﴿۱﴾ لباس :

ضروری ہے کہ نماز کی حالت میں نماز گذار کا لباس اور بدن پاک ہو۔

لباس کا حلال ہونا ضروری ہے۔

نماز کے وقت ضروری ہے کہ لباس مردار کی کھال یا حرام گوشت کے بال یا اون کا بنا ہوا نہ ہو۔

مرد کے لیے ضروری ہے کہ اس کا لباس خالص ریشم کا نہ ہو۔

مرد کے لیے اس کا لباس، اس کے عورتین (آگے پیچھے کی شرم گاہ) کو چھپا سکے۔ بہتر یہ ہے کہ انسان مکمل اور اچھے لباس کے ساتھ نماز پڑھے۔

آیۂ مبارکہ :

يَابَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴿اعراف:۷: ۳۱﴾

"اے فرزندان آدمؑ !

ہر عبادت کے لئے زینت یعنی بناؤ سنگھار یا آرائش وزیبائش کرو۔"

میں اس کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

خواتین کے لیے ضروری ہے کہ نماز میں ان کا لباس ایسا ہو کہ ان کے چہرے، کلائیوں تک ہاتھوں اور پیر کے پنجوں کے علاوہ ان کا پورا جسم اور سر کے بال چھپے ہوئے ہوں۔

اگر کسی کو معلوم نہ ہو کہ اس کا لباس غصبی ہے،

یا، معلوم تو ہو مگر بھول گیا ہو ؛

اسے نماز کے بعد معلوم ہو یا یاد آئے

تو،

اگر خود اس نے غصب نہ کیا ہو تو اس کی نماز صحیح ہے۔

جو لباس حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے وہ غصبی شمار ہوگا۔

اگر کسی کو معلوم نہ ہو کہ اس کا لباس مردار یا حرام گوشت جانور کے اعضا سے بنا ہوا ہے یا بھول جائے۔ نماز کے بعد علم ہو یا یاد آئے تب بھی اس کی نماز صحیح ہے۔

اگر لباس کے نجس ہونے کا علم نہ ہو۔ نماز کے بعد معلوم ہو کہ لباس نجس ہو چکا تھا تو نماز صحیح ہے۔

اگر لباس نجس ہو۔ معلوم ہو کہ نجس ہے۔ بھول کر اس میں نماز پڑھ لے۔ تو نماز صحیح نہیں ہے۔ دوبارہ نماز پڑھے۔

اگر نمازی کے جسم پر زخم وغیرہ ہو تو جب تک اس کا رِسنا بند نہ ہو جائے، نماز کے لیے اپنے بدن اور لباس سے اس خون کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

اگر کوئی ایسی چیز نمازی کے پاس یا اس کی جیب میں ہو جو نجس ہو گئی ہو جیسے پرس، رومال وغیرہ تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر نمازی کے پاس یا اس کی جیب وغیرہ میں کوئی نجس العین ہو تو نماز درست نہیں ہو گی۔ نماز کے وقت اس کا الگ کرنا ضروری ہے۔

اگر بدن یا لباس میں درہم یعنی انگوٹھے کے ناخن کے برابر خون ہو اور یہ خون حیض و نفاس یا نجس العین جانور کا نہ ہو تو اس میں نماز ہو سکتی ہے۔

اگر خون کسی مایع کے ساتھ ملنے کے بعد بھی درہم یعنی انگوٹھے کے ناخن کے برابر ہو تب بھی نماز صحیح ہو گی۔

خواتین کے لیے سونا پہننا، سونے کے زیور سے آرائش کرنا نیز اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔

خواتین اور مردوں دونوں کے لئے خالص ریشم کے کپڑوں میں نماز پڑھنے کی کراہت وارد ہوئی ہے۔

﴿۲﴾ مکان:

﴿الف﴾ مباح ہونا:

ضروری ہے کہ جس جگہ نماز پڑھی جائے وہ مباح ہو یعنی غصبی نہ ہو۔

بڑی زراعتی زمینوں یا عام طور سے مومنین کے گھروں یا حکومتی اداروں میں زمین یا گھر کے مالک یا حکومتی کارکنوں کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

غصبی زمین پر نماز باطل ہے۔ خواہ مصلّٰی یا بچھا ہوا فرش یا تخت مباح ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح غصبی فرش، تخت یا جاء نماز پر بھی نماز باطل ہے۔ خواہ اصل زمین یا جگہ مباح ہی کیوں نہ ہو۔

اگر کوئی غصبی جگہ یا فرش پر لاعلمی کے سبب یا بھولے سے نماز پڑھ لے تو نماز درست ہے۔

مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کے گھر میں نماز پڑھنے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔[۱]

﴿ب﴾ پاک ہونا:

ضروری ہے کہ سجدہ کے وقت جس جگہ پیشانی رکھی جائے وہ جگہ پاک ہو۔

سجدے کے دوسرے اعضاء کی جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں ہے۔

اگر سجدہ کے دوسرے اعضاء کی جگہ نجس ہو، تو ان اعضاء اور جگہ کا خشک ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اعضائے سجدہ نجس نہ ہو جائیں۔

مسجد یا اس کی چیزوں فرش وغیرہ کا نجس کرنا حرام ہے۔ اگر نجس ہو جائیں تو فوراً پاک کرنا ضروری ہے۔

واجبات نماز

تعریف:

نماز کے وہ اعمال جن کی ادائیگی نماز کا حصہ ہے اور ان کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی، واجبات نماز کہلاتے ہیں۔

تعداد:

واجبات نماز چودہ ہیں:

۱۔ سورۂ نور: ۲۴ : ۶۱

﴿۱﴾ ____________ طہارت

﴿۲﴾ ____________ استقبال

﴿۳﴾ ____________ نیت

﴿۴﴾ ____________ قیام

﴿۵﴾ ____________ استقرار

﴿۶﴾ ____________ تکبیرۃالاحرام

﴿۷﴾ ____________ قرائت

﴿۸﴾ ____________ اذکار

﴿۹﴾ ____________ رکوع

﴿۱۰﴾ ____________ سجود

﴿۱۱﴾ ____________ تشہد

﴿۱۲﴾ ____________ سلام

﴿۱۳﴾ ____________ ترتیب

﴿۱۴﴾ ____________ موالات

ارکان نماز

تعریف:

نماز کے واجبات میں سے کچھ ایسے ہیں جو نماز کے لیے بنیاد اور ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔
ان واجبات کو "ارکانِ نماز" کہا جاتا ہے۔ یہ واجب اعمال خواہ کسی بھی وجہ سے یعنی جان بوجھ کر چھوڑ دیئے جائیں،
یا، بھولے سے رہ جائیں،
حتیٰ کہ اگر لاعلمی یا مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے ہی کیوں نہ رہ جائیں، نماز باطل ہے۔

باقی واجبات اگر بھولے سے یا لاعلمی کی وجہ سے چھوٹ جائیں تو نماز باطل نہیں ہو گی۔ اس صورت میں نماز کی اصلاح کے مداوے کے احکام بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

ارکانِ نماز کی تعداد:

ارکان نماز کی تعداد پانچ ہے۔

﴿۱﴾ ________ طہارت (وضو)

﴿۲﴾ ________ نیت

﴿۳﴾ ________ تکبیرۃالاحرام

﴿۴﴾ ________ رکوع

﴿۵﴾ ________ دو سجدے

نماز کے واجبات و مستحبات و ارکان کی تفصیل:

﴿۱﴾ طہارت:

واجب ہے کہ نماز کے وقت انسان کا جسم اور لباس پاک ہو۔ وہ باوضو ہو۔

﴿۲﴾ استقبال:

ضروری ہے کہ انسان نماز پڑھتے وقت قبلہ رخ ہو۔ نماز کی حالت میں قبلہ رخ رہنا ضروری ہے۔

﴿۳﴾ نیت:

نیت سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی کی خاطر نماز کا ارادہ کرے۔ یہ ایک قلبی اور فکری معاملہ ہے۔ اس کا زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

ضروری ہے کہ ہر نماز کے وقت اسی نماز یعنی ظہر یا عصر، مغرب یا عشاء، یا فجر کا ارادہ کیا جائے۔

﴿۴﴾ قیام:

قیام سے مراد ہے نماز کے دوران حمد و سورہ پڑھتے وقت سیدھا بغیر حرکت کھڑے رہنا۔

جو شخص کھڑا ہو سکتا ہے، اس کے لیے واجب ہے کہ وہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے۔ حتی الامکان کمر سیدھی کرکے کھڑا ہو۔

مریض، کمزور یا جو لوگ کسی سبب سے نماز کی ضرورت بھر کھڑے نہ ہو سکتے ہوں، وہ اپنی قوت کے مطابق بیٹھ یا لیٹ کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

﴿۵﴾ استقرار:

ضروری ہے کہ واجب اذکار کی ادائیگی کے وقت انسان سکون سے ہو۔ ہلے جلے نہیں۔

﴿۶﴾ تکبیرۃ الاحرام:

ضروری ہے کہ نیت کے بعد قیام کی حالت میں بآواز بلند تکبیر کہی جائے۔ اس کے ساتھ نماز کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ تکبیر، تکبیرۃ الاحرام کہلاتی ہے۔ یعنی اس تکبیر کے ادا کرتے ہی وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو نماز کے باطل ہونے کا سبب ہیں۔

﴿۷﴾ قرأت:

قرأت سے مراد نماز کی مختلف رکعتوں، خاص طور سے پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ حمد وغیرہ کا پڑھنا۔

احکام:

ہر نماز کی پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ حمد اور ایک مکمل سورہ کا پڑھنا ضروری ہے۔

عام طور سے:

" **سورہ والضحیٰ** " اور " **سورہ انشراح** "،

اسی طرح،

" **سورہ فیل** " اور **سورہ ایلاف** " ـــــــــ ایک سورہ شمار ہوتے ہیں۔

جن سوروں میں سجدہ واجب ہے، نماز میں ان کا نہ پڑھنا واجب ہے۔ یہ چار سورے ہیں۔

ان کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ سورہ ۳۲ " السجدہ"

﴿۲﴾ سورہ۴۱ " **فصلت**"

﴿۳﴾ سورہ ۵۳ " **النجم**"

﴿۴﴾ سورہ۹۶ " **العلق**"

حمد یا سورہ پڑھنا بھول جائیں۔ رکوع میں یاد آجائے تو نماز صحیح ہے۔

مردوں کے لیے واجب ہے کہ نماز فجر، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں حمد اور سورہ بالجہر یعنی باآواز بلند پڑھیں۔ جہر سے مراد یہ ہے کہ آواز اتنی بلند ہو کہ ارد گرد کے لوگوں کو سنائی دے۔ خواہ پوری طرح سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ظہر و عصر کی نماز میں مرد وزن دونوں پر حمد وسورہ میں اخفات یعنی آہستہ آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

اخفات سے مراد یہ ہے کہ اتنا آہستہ پڑھا جائے کہ خود اپنی آواز سن سکے۔

یعنی۔۔۔۔۔۔ایسا نہ ہو کہ زیر لب پڑھے اور خود بھی نہ سن سکے۔

اگر لاعلمی و جہالت، سہو یا بھول کی وجہ سے جہر کی جگہ اخفات یا اخفات کی جگہ جہر کرے تو نماز صحیح ہے۔

قرأت کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ صحیح ہو۔ عربی لہجہ کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے جو شخص اپنے علاقہ کے لہجہ میں صحیح طور پر پڑھے، اس کے لیے کافی ہوگا۔ اس کی نماز درست ہو گی۔

ضروری ہے کہ قرأت روایت حفص یعنی متداول مطبوعہ قرآنِ حکیم کے مطابق ہو۔

غیر متداول قرآن یا دوسرے قُرَّاء کی روایت کے مطابق قرأت نماز کے بطلان کا سبب ہو گی۔

کیونکہ،

☆ ایک تو یہ کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جس متن کی تلاوت کرتے تھے وہ یہی ہے جو حفص کے ذریعہ مسلمانوں تک پہنچا ہے۔ تمام متداول قرآنی نسخے اسی کے مطابق لکھے اور چھاپے گئے ہیں۔

☆ دوسرے یہ کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک یہی قرأت و متن درست ہے۔

﴿۸﴾ اذکار:

ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت میں نمازی کو اختیار ہے کہ سورہ حمد یا تسبیحات اربعہ پڑھے۔ تیسری اور چوتھی رکعت میں حمد یا تسبیحاتِ اربعہ کو آہستہ یعنی ہلکی آواز میں خفاءً پڑھنا چاہیے۔

تسبیحات اربعہ یہ ہیں:

"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ"

"اللہ کی ذات پاک و پاکیزہ ہے۔ تمام حمد و ثناء اس کے لیے ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ فقط اللہ جل جلالہ ہی کبریائی، بزرگی، برتری کا حامل ہے۔"

☆ بہتر ہے کہ تسبیحات اربعہ تین مرتبہ پڑھے۔

☆ مستحب ہے کہ تسبیحات اربعہ کے بعد استغفار کرے۔

مثلاً یہ کہے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

"میں اللہ سے جو میرا رب ہے اپنے گناہوں کی بخشش کا طلبگار ہوں۔ اس کی طرف پلٹتا ہوں۔"

مستحب ہے کہ اخفات کے موقعہ پر بھی ہر سورہ میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو بالجہر یعنی بلند آواز سے پڑھے۔

مستحب ہے کہ اگر سورۂ توحید پڑھے تو اس کے اختتام پر تین مرتبہ پڑھے:

کَذٰلِکَ اللّٰہُ رَبِّیْ

" میرا رب اللہ ایسا ہی ہے"

یا: کَذٰلِکَ اللّٰہُ رَبُّنَا

" ہمارا رب اللہ ایسا ہی ہے۔"

﴿۹﴾ قنوت

تعریف:

نماز کے دوران دعا کرنا۔

احکام:

ہر نماز کی دوسری رکعت میں حمد و سورہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مستحب ہے۔ اس میں جو دعا چاہے مانگے۔

﴿۱۰﴾ رکوع:

تعریف:

رکوع سے مراد یہ ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز ادا کی جائے تو نماز کے دوران گھٹنوں کے بل اس طرح جھکا جائے کہ کمر سیدھی ہو اور ہاتھ گھٹنوں پر ٹکے ہوں۔

لیکن،

اگر نماز بیٹھ کر ادا کی جائے تو اتنا جھکا جائے کہ سر زانو کے برابر آئے یا سر زانو کے سامنے اور سجدہ گاہ کے برابر آجائے۔

احکام:

نماز کی ہر رکعت میں قرأت یا تسبیحات اربعہ کے بعد رکوع، واجبِ رکنی ہے۔

رکوع میں ذکر واجب ہے۔

ذکر رکوع سے مراد یہ ہے کہ ایک بار کہے:

"سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ"

یا تین مرتبہ کہے:

"سُبْحَانَ اللّٰهِ"

جتنا زیادہ ذکر کیا جائے اتنا زیادہ ثواب ملے گا۔

مستحب ہے کہ رکوع میں جانے سے پہلے رکوع کے لیے نیز رکوع سے اٹھنے کے بعد سجدہ سے پہلے سجدہ کے لیے کھڑے ہو کر سکون کے ساتھ تکبیر کہی جائے۔

مرد کے لیے مستحب ہے کہ رکوع کے دوران ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر گھٹنوں پر دباؤ ڈالے۔

مستحب ہے کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کھڑے ہو کر کہے:

"سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ"

"جس اللہ کی حمد کی جا رہی ہے وہ خود سن رہا ہے۔"

﴿۱۱﴾ سجود:

تعریف:

نماز کے دوران جسم کے سات اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے حضور زمین پر ٹکانے کے عمل کو سجدہ کہا جاتا ہے۔

یہ سات اعضاء:

﴿۱﴾	و	﴿۲﴾	دونوں پیر کے انگوٹھے
﴿۳﴾	و	﴿۴﴾	دونوں گھٹنے
﴿۵﴾	و	﴿۶﴾	دونوں ہتھیلیاں
﴿۷﴾			پیشانی

احکام:

نماز کی ہر رکعت میں رکوع کے بعد دو سجدے واجب رکنی ہیں۔

سجدہ میں ضروری ہے کہ پیشانی خاک یا خاک جیسی کسی چیز پر ٹکائی جائے۔

جن چیزوں پر سجدہ جائز ہے وہ یہ ہیں:

﴿۱﴾ زمین اور زمین کے متعلقات جیسے، خاک، مٹی، ریت، پتھر، بجری وغیرہ۔

﴿۲﴾ زمین سے متعلق وہ چیزیں جن کی صورت تو بدل گئی ہو لیکن ماہیت نہ بدلی ہو جیسے، اینٹ، سیمنٹ، چونا، پلاسٹر آف پیرس وغیرہ۔

البتہ،

معدنیات خواہ تارکول یا دھات یعنی لوہا، سونا، چاندی وغیرہ کی صورت میں ہوں ان پر سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔

﴿۳﴾ زمین سے اگنے والی وہ چیزیں جو انسانی خوراک یعنی گندم، جو، میوہ جات یا انسانی پوشاک جیسے روئی وغیرہ کے ذیل میں نہ آتی ہوں۔

﴿۴﴾ جو کاغذ لکڑی، لکڑی کے گودہ یا بھوسہ وغیرہ سے بنایا جاتا ہو۔

پوری طرح سجدہ میں جا کر اطمینان اور ٹھہراؤ حاصل کر لینے کے بعد ذکر کرنا ضروری ہے۔

ذکر سجدہ سے مراد یہ ہے کہ:

ایک مرتبہ کہے:

"سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِہٖ"

"میرے بلند و برتر رب کی ذات پاکیزہ ہے۔ اسی کی حمد و ثناء کی جاتی ہے۔"

یا—— تین مرتبہ کہے:

"سُبْحَانَ اللّٰہِ"

﴿۱۲﴾ تشہد:

تعریف:

دوسری یا آخری رکعت کے بعد اطمینان سے بیٹھ کر شہادتین اور محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود کا پڑھنا تشہد کہلاتا ہے۔

احکام:

ہر نماز کی دوسری اور مغرب کی دوسری اور تیسری نیز ظہر و عصر و عشاء کی دوسری اور چوتھی رکعتوں کے دوسرے سجدوں کے بعد واجب ہے کہ انسان اطمینان سے بیٹھ جائے۔ تشہد پڑھے۔ تشہد میں یہ عبارت پڑھی جاتی ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ یکتا و یگانہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اے اللہ ! تو محمد اور ان کی آل پر درود بھیج۔

﴿۱۳﴾ سلام :

تعریف :

نماز کی آخری رکعت میں سلام کا پڑھنا۔

احکام :

ہر نماز کی آخری رکعت میں تشہد کے بعد ۳ سلام پڑھنا چاہیے۔ جو یہ ہیں :

﴿۱﴾ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی، رحمت اور برکتیں ہی برکتیں نازل ہوں۔

یہ سلام ———————————— مستحب ہے۔

﴿۲﴾ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ.

ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے سب نیک بندوں پر سلامتی ہو۔

یہ سلام ———————————— واجب ہے۔

اس سلام کے بعد نماز ختم ہو جاتی ہے۔

﴿۳﴾ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

تم سب پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہی سلامتی نازل ہو۔

یہ سلام ——————— دراصل نماز ختم ہونے کے بعد کہا جاتا ہے۔

اس لیے اسے چھوڑا جا سکتا ہے۔

لیکن،

دوسرے سلام کو چھوڑنا ——————— اور فقط تیسرے سلام کو پڑھنا جائز نہیں ہے۔

﴿۱۴﴾ ترتیب:

ضروری ہے کہ نماز کے تمام اعمال ترتیب سے انجام دیئے جائیں۔

﴿۱۵﴾ موالات:

ضروری ہے کہ نماز کے تمام اعمال پے در پے یعنی بغیر وقفہ کے مسلسل انجام دیئے جائیں۔

روزانہ کی نمازوں کی ادائیگی کا طریق کار اور نوافل

اسلام اور مکتب اہلبیت علیہم السلام میں نماز کی اہمیت کے پیش نظر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ کی واجب نمازوں اور نوافل کی ادائیگی کے طریقہ کار کو بیان کر دیا جائے۔ ممکن ہے بعض حضرات اس تکرار سے لطف اندوز نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ تکرار ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں روزانہ کی نمازوں کا حکم اور ان کے اوقات کے تعین اور نوافل کے بارے میں بڑی وضاحت اور بڑے شفاف انداز میں بیان فرمایا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (۷۸) وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (۷۹) (الاسراء:۱۷: ۷۸و۷۹)

۱۔ آپ زوال آفتاب کے وقت سے

۲۔ رات کی تاریکی تک اور پھر

۳۔ فجر کے وقت (قرآن کی تلاوت کے ساتھ) نماز پڑھیں
ہم نے (نماز فجر) اور فجر کے وقت کی تلاوت کے لئے خاص طور سے گواہی (ثواب) کا انتظام کیا ہے۔
اس کے علاوہ:
رات (کی تنہائی میں۔ نصف شب کے بعد۔ قلب شب میں) تہجد کی نماز بھی ضرور ادا کریں یہ آپ کے لئے بھلائیوں اور ثواب میں اضافہ (نافلہ) قرار پائے گا۔
آپ کا پروردگار یقینا آپ کو (اس کے اجراء کے طور پر) مقام محمود (یعنی قیامت کے دن شفاعت کے بلند ترین مرتبہ) پر سربلند و سرافراز فرمائے گا۔

ان آیات کی تفسیر و تشریح میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد مصطفیٰ علیہ و علیہم الصلوۃ والسلام نے ہمیں عملی طور پر معین اوقات اور معین طریقہ سے مستقل نمازیں ادا کرکے ہمارے لئے نماز ادا کرنے کا طریقہ اور ہر نماز کے وقت مقرر فرما دیا۔

نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ:

رسول و اہلبیت رسول علیہم السلام سے نمازوں کی ادائیگی کا جو طریقہ مستند روایات کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے وہ یہ ہے:

نماز پنجگانہ :

نماز پنجگانہ میں وضو شرط ہے۔ اذان و اقامت کے ادائیگی کی حد سے زیادہ تاکید آئی ہے۔ اس لئے عام حالات میں مومنین کرام کو جس طرح نماز ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے وہ کم سے کم یہ ہے :

۱۔ نماز سے پہلے اگر غسل واجب ہو تو غسل ورنہ وضو کیا جائے۔

۲۔ قبلہ رخ اور سیدھے کھڑے ہو کر بلند آواز سے اور ٹھہر ٹھہر کر اذان کہی جائے۔

۳۔ نماز تنہا پڑھی جائے یا جماعت کے ساتھ ، گھر میں پڑھی جائے یا مسجد میں یا کہیں اور' اذان و اقامت کی بہت تاکید آئی ہے۔

۴۔ جماعت کی صورت میں مؤذن اذان دے اور باقی نمازی اذان کے کلمات کو دہرائیں۔

۵۔ جب اذان ہو رہی ہو تو خواہ مسجد میں ہوں یا گھر میں' باقی لوگوں کا باتوں میں مشغول رہنا مکروہ ہے۔ مستحب ہے کہ اذان سننے والے لوگ اذان کے کلمات کو دہراتے رہیں۔ اذان کے دوران باتیں کرنا منع ہے۔

۶۔ اذان کے بعد بیٹھ کر یا سجدہ میں جا کر دعا کی جائے۔

۷۔ اذان و دعا کے بعد اقامت کہی جائے۔

۸۔ قیام :

اذان و اقامت کے بعد نماز کی نیت سے کھڑا ہونا قیام کہلاتا ہے۔

قیام کا طریقہ یہ ہے :

- قبلہ رخ ہو کر سیدھے کھڑے ہوں۔

اس طرح کھڑے ہوں کہ :

- پیر کے پنجے اور انگلیاں بھی قبلہ رخ ہوں دونوں پیروں کے پنجوں کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ ہو۔

- ہاتھوں کی ہتھیلیاں رانوں پر اس طرح رکھیں کہ دونوں ہتھیلیوں کی پشت اور انگلیوں کے ناخن قبلہ رخ ہو۔
- گردن اور کمر سیدھی ہو۔
- نگاہیں حتی الامکان سجدہ گاہ پر ہوں۔
- نماز کے دوران بلا ضرورت ہلنا جلنا یا ضرورت کے باوجود بہت زیادہ ہلنا جلنا یا اس طرح ہلنا جلنا کہ رخ قبلہ سے ہٹ جائے؛ نماز کو باطل کر دیتا ہے۔

۹۔ نیت:

صحیح طرح قیام کرنے کے بعد خالصتاً اللہ جل جلالہ کی خاطر معین نماز کی ادائیگی کا ارادہ یا نیت کریں۔

۱۰۔ تکبیرۃ الاحرام:

دونوں ہتھیلیاں کھول کر سیدھی کریں اور کانوں کے برابر لے جا کر نماز کے شروع کرنے کے ارادہ سے بلند آواز سے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہیں۔

نماز تنہا پڑھیں یا جماعت سے، گھر میں پڑھیں یا کہیں اور تکبیرۃ الاحرام ہر نمازی کو بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔

۱۱۔ قرأت:

تکبیرۃ الاحرام کے بعد پہلی اور دوسری رکعت میں:

الف۔ سورۂ الحمد اس کے بعد

ب۔ قرآن مجید کے سوروں میں سے سورہ ہای عزائم کے علاوہ کوئی ایک سورہ پڑھیں۔

البتہ؛

ظہر اور عصر کی نماز میں سورۃ الحمد اور دوسرا سورہ ہلکی آواز میں اس طرح پڑھا جائے کہ کم از کم خود سن سکے۔ اتنا زیر لب نہ ہو کہ فقط لب ہلیں اور آواز نہ نکلے۔

نیز:

نماز فجر، مغرب عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الحمد اور دوسرے سورہ کو اتنی بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے کہ برابر کے لوگ سن سکیں۔

ظہر، عصر اور عشا کی تیسری اور چوتھی نیز مغرب کی تیسری رکعت میں ہلکی آواز میں، آہستہ سے، سورۂ حمد یا تین مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھنا چاہئے۔ تسبیحات اربعہ یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ.

اللہ کی ذات پاک ہے تمام حمد و ثنا فقط اللہ کے لئے ہے،

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اللہ ہی بزرگ و برتر ہے۔

ضروری ہدایت:

عام طور سے دیکھنے میں آیا ہے کہ مومنین گھروں میں جب لوگ موجود ہوں یا مسجدوں میں فجر اور نماز مغرب و عشا تنہا یا فرادیٰ پڑھتے وقت، ان نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں بھی سورۃ الحمد اور دوسرا سورہ زیر لب پڑھتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں ہے۔

۱۲۔ رکوع:

حمد و سورہ کے بعد دونوں ہتھیلیوں کو سیدھا کرکے کانوں تک لے جا کر:

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ"

کہیں، اس کے بعد ہتھلیوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھیں کہ گھٹنے پیچھے جا کر ٹانگیں بالکل سیدھی ہو جائیں۔ کمر بالکل سیدھی اور گردن کمر کے ساتھ ہی سیدھی ہو۔ نگاہیں پیروں کے درمیان ہوں۔

اس کے بعد واجب ہے کہ کم از کم تین مرتبہ:

"سُبْحَانَ اللّٰہِ"

اللہ عزوجل پاک و پاکیزہ ہے

یا

ایک مرتبہ

"سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ"

اللہ عزوجل میرا رب ہے وہ پاک و
پاکیزہ ہے اور فقط اسی کی حمد کی جاتی ہے۔

لیکن روایات میں اس بات کی تاکید ہے کہ ہر رکوع میں تین مرتبہ :

"سُبْحَانَ اللّٰہِ"

اور اس کے بعد کم از کم تین مرتبہ

"سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ"

کہا جائے۔

۱۳۔ قیام :

مستحب ہے رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہوں۔ کھڑے ہوتے ہوئے کہیں :

"سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ"

جس اللہ کی حمد و تعریف کی جا
رہی ہے وہ خود ہی سن رہا ہے

اس کے بعد کھڑے ہو کر دونوں ہتھیلیاں کھول کر کانوں کے برابر لے جائیں اور کہیں :

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ"

۱۴۔ دو سجدے :

اس کے بعد سجدہ میں جائیں، سجدہ میں :

پہلے ہتھیلیاں زمین پر ٹکائیں۔ پھر گھٹنے زمین پر ٹکائیں۔ پھر سر اور دونوں پیروں کے دونوں انگوٹھے زمین پر ٹکائیں۔

مرد حضرات اپنی کہنیاں، پیٹ اور کمر اس طرح اٹھائیں کہ کمر سیدھی رہے

خواتین کہنیاں اور بازو زمین کے قریب اور اپنی پنڈلیوں سے ملا کر رکھیں۔

سجدہ کے تمام اعضاء کو صحیح طور سے ٹکا لینے کے بعد ؛

تین مرتبہ :

"سُبْحَانَ اللّٰہِ"

یا، ایک مرتبہ پڑھیں :

"سُبْحَانَ رَبِّیَ الاعلیٰ وَبِحَمْدِہٖ"

اللہ عزوجل میرا رب ہے وہ پاک وپاکیزہ اور بلند وبرتر ہے اور فقط اسی کی حمد کی جاتی ہے۔
لیکن روایات میں اس بات کی تاکید ہے کہ ہر سجدہ میں تین مرتبہ :

"سُبْحَانَ اللّٰہِ"

اور اس کے بعد کم از کم تین مرتبہ :

"سُبْحَانَ رَبِّیَ الاعلیٰ وَبِحَمْدِہٖ"

کہا جائے۔
اس کے علاوہ بہتر ہے کہ رکوع اور سجود میں ذکر کے بعد درود :

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ"

پڑھا جائے۔

۱۵۔ قعود :

دونوں سجدوں کے درمیان اور دوسرے سجدے کے بعد اگلی رکعت کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے مختصر وقفہ کے لئے بیٹھنا چاہیے۔ اس دوران ہاتھوں کو کانوں تک لے جا کر فقط

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ"

کہنا کافی ہے۔
بہتر یہ ہے کہ دوزانو ہو کر اس طرح بیٹھیں کہ دائیں پیر کا پنجہ بائیں پیر کے تلوے کے اوپر ہو اور ہاتھ زانوں پر اس طرح ہوں کہ انگلیاں قبلہ رخ ہوں تشہد کے لیے بھی اس طرح بیٹھنا چاہیے،
دونوں سجدوں کے بعد نماز کی ایک رکعت ختم ہو جاتی ہے،

اب اگر دوسری یا چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہونا ہے تو بیٹھ کر "اللہ اکبر" کہیں اور کھڑے ہو جائیں۔ ہر رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے درمیان یہ ذکر مستحب ہے:

بِحَوْلِ اللهِ وَقُوَّتِهِ اَقُومُ وَ اَقْعُدُ وَ اَرْكَعُ وَ اَسْجُدُ

میں، اللہ جل جلالہ کی مدد سے کھڑا ہوتا ہوں،
بیٹھتا ہوں، رکوع کرتا ہوں اور سجدہ کرتا ہوں۔

تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے نیز آخری رکعت کے بعد کا طریقہ آگے بیان ہوگا۔ انشاء اللہ

۱۶۔ قنوت:

ہر نماز کی دوسری رکعت میں حمد و سورہ کے بعد دونوں ہاتھوں کو بارگاہ الہی میں اٹھا کر دعا کرنے کی تاکید ہے۔

یہ دعا کسی بھی زبان میں کی جا سکتی ہے لیکن اس دعا کے دوران جن الفاظ کی ادائیگی کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے وہ کلمات فرج کہلاتے ہیں جو یہ ہیں:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَ رَبِّ الْأَرَضِينَ السَّبْعِ وَ مَا فِيهِنَّ وَ مَا بَيْنَهُنَّ وَ مَا فَوْقَهُنَّ وَ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ.

اس بردبار اور کریم اللہ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔ اس بلند و برتر اللہ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔ پاک و پاکیزہ ہے وہ اللہ جو بے پناہ آسمانوں اور ان گنت کائناتوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، جو کچھ ان کے نیچے ہے اور جو کچھ ان کے اوپر ہے۔ ان سب کا پروردگار ہے۔ وہ عرش عظیم کا بھی پروردگار ہے تمام رسولوں پر سلام ہو تمام حمد و ستائش اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پرودگار ہے اے اللہ محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و رحمت فرماتا رہ۔

یہ دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِينَ

بِوِلَايَةِ أَمِيرِ الْمومنينَ وَ الأَئِمَّةِ عليهم السلام.

حمد وستائش اس اللہ عزوجل کی ہے جس نے ہمیں حضرت علی ابن ابی طالب

اور ان کی اولاد طاہرہ کی ولایت سے وابستہ فرمایا ہے۔

۱۷۔ تشہد:

تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے اور نماز کی آخری رکعت میں دونوں سجدوں کے بعد بیٹھ کر تشہد پڑھنا چاہیے۔ روایات میں تشہد کی جو منصوص عبارت تعلیم دی گئی ہے وہ یہ ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّد

میں گواہی دیتا ہوں اللہ جل جلالہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں یکتا و یگانہ ہے اس کا کوئی ساتھی اور شریک نہیں۔ میں گواہی دیتا ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل جلالہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اے اللہ!

تو محمد و آل محمد علیہم السلام پر اپنی رحمتیں اور درود نازل فرماتا رہ۔

۱۸۔ سلام:

ہر نماز کی آخری رکعت میں تشہد کے بعد ان الفاظ میں سلام پڑھنا چاہیے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

اَلسَّلامُ عَلَیْنَا وَعَلیٰ عِبَادِ اللهِ الصّالِحِیْنَ
اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهُ

اے نبی اکرم آپ پر اللہ کی طرف سے سلام، رحمت اور برکتیں ہوں۔
ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔
تم سب پر اللہ کی طرف سے سلامتی، رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

۱۹۔ تعقیبات:

نماز ختم کرنے کے بعد مصلے پر بیٹھ کر تلاوت، ذکر، تسبیح، تہلیل اور دعا کرنے کو تعقیبات کہتے ہیں۔

رسول و اہلبیت رسول علیہم السلام کی حدیثوں میں تعقیبات کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ یہ تعقیبات دعاؤں کے مختلف مجموعوں میں موجود ہیں لیکن ہر نماز کے بعد مومنین کو کم از کم:

۱۔ تسبیح حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام
۲۔ سورہ اخلاص ۳ مرتبہ
۳۔ آیۃ الکرسی ۱ مرتبہ
۴۔ اپنے اور مومنین کی مغفرت اور حاجات کے لئے دعا
۵۔ درود

ضرور پڑھنا چاہیے۔

۲۰۔ سجدہ شکر:

نماز اور تعقیبات کے بعد "سجدہ شکر" کی بھی بہت تاکید کی گئی ہے۔
نماز اور تعقیبات ختم کرکے مومنین سجدہ میں جائیں اور کم از کم۔
سو مرتبہ "**شُکْراً لِلّٰہِ**" اور سو مرتبہ "**اَلْعَفْو**" پڑھیں۔

نماز کے آخری سجدہ کو طول دینا بھی مستحب ہے۔ نماز کے آخری سجدہ میں مغفرت کی دعا، حمد باری اور دوسرے اذکار کئے جاسکتے ہیں ان الفاظ میں بھی حمد کی جاسکتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَنا مِنَ الْمُتَمَسِّکِینَ بِوِلایَةِ
أَمِیرِ الْمومنینَ وَ الأَئِمَّةِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ.

تمام حمد اللہ جل جلالہ کے لیے ہے کہ جس نے ہمیں

ولایت امیر المومنین اور ائمہ علیہم السلام سے وابستہ رکھا۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدَ الشّاکِرِینَ لَكَ عَلی مُصابِهِمْ، اَلْحَمْدُ للّٰهِ عَلی عَظِیمِ رَزِیَّتِي، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنی شَفاعَةَ الْحُسَیْنِ یَوْمَ الْوُرُودِ، وَثَبِّتْ لی قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَكَ مَعَ الْحُسَیْنِ وَاَصْحابِ الْحُسَیْنِ، الَّذینَ بَذَلُوا مُهَجَهُمْ دُونَ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السّلامُ.

اے اللہ!

میں، تیری ایسی حمد کرتا ہوں، جو تیرے شکر گذار بندے یعنی محمد و آل محمد علیہم السلام، ان مصیبتوں پر کرتے ہیں جو تیری طرف سے ان پر نازل ہوتی ہیں۔

اے اللہ!

تیری حمد و ثنا ہے ان تمام مصائب پر جو تیری طرف سے محمد و آل محمد علیہم السلام پر نازل ہوئے۔

اے اللہ!

تو ہمیں روز قیامت اپنے حضور حاضری کے موقع پر امام حسین علیہ السلام کی شفاعت سے سرافراز فرما۔

نیز

اپنے حضور ہمارے قدموں کو امام حسین علیہ السلام اورآپ کے ان اصحاب کے ہمراہ سچائی کے ساتھ ثابت واستوار فرما، جنہوں نے اپنا سب کچھ امام حسین علیہ السلام پر قربان کر دیا۔

مومنین سے ہماری درخواست یہی ہے کہ نماز کو اہمیت دیں اور کم از کم ان آداب کے ساتھ نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں۔

بعض دفعہ کچھ لوگوں کو یہ خیال آتا ہے کہ وقت کم ہے اوور کام زیادہ ہے اس لئے چونکہ نماز میں رعایت دی گئی ہے اس لیے نماز مختصر کر لیں تاکہ دوسرے کاموں کو زیادہ وقت دیے سکیں۔ ایسے اوقات میں مومنین کرام کو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اگر وہ نماز کو پورا وقت دیں گے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے وقت میں برکت مرحمت فرمائے گا اور ایسا انتظام فرما دے گا کہ ان کے دوسرے کام کم وقت میں اور زیادہ اچھے طریقہ سے انجام پائیں گے اور ان کاموں میں برکت بھی عطا فرمائے گا۔ انشاء اللہ

نوافل

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ سورہ اسراء کی ۷۸ ویں اور ۷۹ ویں آیت میں واجب نمازوں کے ساتھ نوافل شب اور تہجد کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

رسول واہلبیت رسول علیہم السلام کی حدیثوں میں بھی پنجگانہ نمازوں یعنی ظہر و عصر و مغرب و عشاء کے نوافل کے ساتھ نوافل شب، نماز شب یا تہجد کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے یہاں تک کہ مومنین کرام اور شیعیان حیدر کرار و شیعیان محمد و آل محمد علیہم السلام کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ روزانہ کی نمازیں نوافل کے ساتھ یعنی کم از کم ۵۱ رکعت ادا کرتے ہیں۔

اس لیے ہم یہاں ان ۵۱ رکعت کی تفصیل اس تاکید کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کہ مومنین اس پر پابندی کے ساتھ عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کی تاکید و تلقین فرمائیں۔

ان رکعات کی تفصیل یہ ہے:

نماز ظہر کے نوافل:

ظہر کی ۴ رکعت واجب نماز سے پہلے:

۲، ۲ رکعت کر کے چار نمازیں یعنی ۸ رکعت نماز نوافل ظہر کی نیت سے قربۃً الی اللہ بجا لائی جائیں۔

نوافل ظہر کا وقت ظہر کی نماز کے وقت یعنی زوال آفتاب کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور یہ نماز ظہر سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔

نماز جمعہ کے نوافل:

روایات اہلبیت علیہم السلام میں جمعہ کے نوافل یوں بیان کئے گئے ہیں:

عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَ غَيْرُهُ عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي نَصْرٍ قَالَ: قَالَ أَبُو الْحَسَنِ علیہ السلام:

الصَّلَاةُ النَّافِلَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

سِتُّ رَكَعَاتٍ بُكْرَةً

وَ سِتُّ رَكَعَاتٍ صَدْرَ النَّهَارِ

وَ رَكْعَتَانِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

ثُمَّ صَلِّ الْفَرِيضَةَ وَ صَلِّ بَعْدَهَا سِتَّ رَكَعَاتٍ[۱]

جمعہ کے دن کے نوافل یہ ہیں:

چھ رکعت (دو، دو رکعت کر کے) صبح سویرے۔

چھ رکعت (دو، دو رکعت کر کے) دھوپ نکلنے کے بعد۔

دو رکعت سورج کے زوال کے بعد۔

پھر فریضہ (نماز جمعہ) ادا کرو

اس کے بعد چھ رکعت (دو، دو رکعت کر کے) پڑھو۔

نماز عصر کے نوافل:

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصلاۃ: بَابُ التَّطَوُّعِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: ج ۳: ص: ۲۲۲: ح: ۱۶۷۹: ط: الامیرۃ: بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

عصر کی ۴رکعت واجب نماز سے پہلے :

۲،۲رکعت کرکے چار نمازیں یعنی ۸رکعت نماز نوافل عصر کی نیت سے قربۃ الی اللہ بجالائی جائیں۔

نوافل عصر کا وقت نماز ظہر کے ادا کرنے کے بعد اور نماز عصر سے پہلے ہے۔

نماز مغرب کے نوافل :

مغرب کی ۳رکعت واجب نماز کے بعد؛

۲،۲رکعت کرکے دو نمازیں یعنی ۴رکعت نماز نوافل مغرب کی نیت سے قربۃ الی اللہ بجالائی جائیں۔

نوافل مغرب کا وقت مغرب کی نماز واجب کے بعد اور عشاء کی نماز ادا کرنے سے پہلے ہے۔

نماز عشاء کے نوافل :

نماز عشاء کی ۴رکعت واجب نماز کے بعد؛

دو رکعت بیٹھ کر نماز وتیرہ کی نیت سے قربۃ الی اللہ بجالائی جائے۔

یہ دو رکعت بیٹھ کر ادا کی جانا چاہیے۔ یہ بیٹھ کر دو رکعت ایک رکعت شمار ہوتی ہے۔

نماز شب :

تہجد، نماز شب یا نوافل شب کا وقت نماز عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔

لیکن تاکید ہے کہ آدھی رات کے بعد پڑھی جائے یہ نماز گیارہ رکعتوں پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

۲،۲رکعت کرکے چار نمازیں یعنی ۸رکعت قربۃ الی اللہ "نماز شب" کی نیت سے بجالائی جائیں۔

اس کے بعد:

۲رکعت نماز بغیر قنوت کے نماز شفع کی نیت سے قربۃ الی اللہ ادا کی جائے۔

اس کے بعد ایک رکعت نماز "نماز وتر" کی نیت سے قربۃ الی اللہ ادا کی جائے؛

اس ایک رکعت نماز میں حمد و سورہ کے بعد قنوت پڑھا جائے۔ نماز وتر کے قنوت میں ضروری ہے کہ کم از کم:

۱۔ ۴۰ مومنین کے لئے نام لے کر مغفرت کی دعا کی جائے، ۴۰ سے زیادہ کے نام بھی لئے جاسکتے ہیں
۲۔ ۷۰ مرتبہ "استغفر اللہ واتوب الیہ" کہا جائے
۳۔ کم از کم ۷ مرتبہ:

هٰذَا مَقَامُ الْعَآئِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ

اے اللہ!
یہ وہ شخص کھڑا ہے جو تیرے غضب کی اگ سے پناہ کا طلبگار ہے۔
۴۔ ۳۰۰ مرتبہ "العفو" کہا جائے۔
اس کے بعد رکوع کریں۔
رکوع کے بعد کھڑے ہو کر پھر قنوت پڑھیں۔
اس کے بعد دو سجدے اور تشہد اور سلام پر نماز ختم کریں۔

نماز فجر کے نوافل:

نماز فجر کی دو واجب رکعتوں سے پہلے:
۲ رکعت نماز قربۃ الی اللہ، نافلہ صبح کی نیت سے بجالائیں۔
نوافل صبح کا وقت نماز شب کی ادائیگی کے بعد سے نماز صبح بجالانے سے پہلے تک ہے۔

تاکید:

نوافل واجب نہیں ہیں۔ نوافل کی ادائیگی ایک مستحب عمل ہے۔ اس لئے اس کی قضا بھی واجب نہیں ہے لیکن اس بات کی بہت تاکید کی گئی ہے کہ مومنین اگر کسی سبب نوافل کو وقت پر ادا نہ کر سکیں تو ان کی قضا بجالانے کی کوشش کریں۔ اس کا بہت زیادہ ثواب ہے۔

سہولت:

نوافل کی اہمیت اور ان کے ثواب کے حصول میں دلچسپی پیدا کرنے کی خاطر یہ سہولت دی گئی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی، بیٹھ کر یا لیٹ کر یا چلتے پھرتے، سواری پر، ڈرائیونگ کرتے ہوئے پڑھ جاسکتے ہیں۔

نوافل کو اگر چلتے پھرتے، سواری پر یا ڈرائیونگ کرتے ہوئے پڑھا جائے تو قبلہ رخ ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ رکوع و سجود اشارہ سے ادا کئے جاسکتے ہیں نیز وضو کا اختیار ہونے کے باوجود تیمم سے پڑھے جاسکتے ہیں۔

یہ تمام سہولیتیں اس لئے دی گئی ہیں کہ حتی الامکان نوافل وقت پر پڑھے جائیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیشہ کے لئے عادت بنالی جائے کہ نوافل کو چلتے پھرتے ہی پڑھنے لگیں۔

ضروری ہدایت:

یہ نماز ادا کرنے کا وہ طریقہ ہے جو ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے تعلیم فرمایا ہے۔ مومنین کو چاہیے کہ حتی الامکان روزمرہ نمازوں کو کم از کم ان آداب اور نوافل کے ساتھ ادا کریں۔

مبطلات نماز

جن چیزوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے وہ یہ ہیں:

﴿۱﴾ فَقْد:

نماز کا کوئی واجب یا مشروط حصہ مفقود ہو جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

مثلاً: نماز کی حالت میں ایسی نیند آجائے کہ جس سے وضو باطل ہو جائے یعنی نہ کان سن سکے نہ آنکھ دیکھ سکے۔

کوئی بھی مبطل وضو عمل صادر ہو جائے۔

قبلہ کی طرف پشت ہو جائے خواہ ارادتاً ہو یا سہواً یا بے اختیار۔

دائیں یا بائیں طرف متوجہ ہونے یا فقط منہ کے دائیں بائیں موڑ لینے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

﴿۲﴾ گفتگو:

نماز کے دوران عمداً گفتگو سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

دعا یا درود کے پڑھنے یا سلام کے جواب میں "سَلامٌ عَلَيْكُم" کہنے سے، نماز باطل نہیں ہوتی۔

سلام کا جواب نماز کے دوران بھی واجب ہے۔ اگر نماز میں سلام کا جواب نہ دیا جائے تو نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

﴿۳﴾ بلند آواز سے رونا یا ہنسنا:

دنیوی معاملات کے سلسلے میں با آواز بلند رونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اللہ جل جلالہ کی عظمت و جلالت کا تصور کر کے، یا اپنے گناہوں کو یاد کر کے دل میں توبہ کرتے ہوئے رونا نماز کی قبولیت کی سند ہے۔ ایسا رونا نماز کے ثواب میں اضافہ کا سبب ہے۔

﴿۴﴾ نماز کی صورت بگڑنا:

کوئی ایسا کام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، جس سے نماز کی شکل بگڑ جائے۔ مثلاً اچھلنا، دوڑنا وغیرہ۔

﴿۵﴾ رکعات میں شک:

اگر دو رکعتی یا تین رکعتی نماز یعنی صبح یا مغرب کی نماز کی رکعتوں میں ایسا شک ہو جو غور و فکر کے بعد دور نہ ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اگر چار رکعتی نماز کی رکعتوں میں ایسا شک ہو کہ یہی نہ معلوم ہو کہ کتنی رکعتیں ادا کی ہیں تو بھی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

﴿۶﴾ ارکان نماز کا ادا نہ کرنا:

اگر کوئی شخص بھول کر ارکان نماز میں سے کوئی ایک رکن ادا نہ کرے تو نماز باطل ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص وضو، نیت، تکبیرۃ الاحرام اور رکوع یا دونوں سجدے ادا نہ کرے۔ خواہ ایسا بھولے ہی سے کیوں نہ کرے نماز باطل ہو گی۔

لیکن اگر ایک سجدہ بھول جائے تو نماز باطل نہیں ہو گی کیونکہ دونوں سجدے مل کر رکن ہیں۔

ایک سجدہ بھول جانے کی صورت میں نماز ختم کرنے کے بعد بھولا ہوا سجدہ بجالائے اس کے بعد دو سجدہ سہو بجالائے تو نماز درست ہو گی۔

نماز کے دوران شک کے احکام

﴿۱﴾ افعال یا اذکار نماز میں شک:

اگر یہ شک ایسے وقت میں ہو کہ ابھی اس عمل یا ذکر کا وقت نہیں گذرا ہو تو اس عمل یا ذکر کو بجالانا چاہیے۔ جیسے، رکوع میں جانے سے پہلے شک کہ سورہ پڑھا ہے یا نہیں؟ تو پہلے سورہ پڑھے پھر رکوع کو بجالائے۔

یا

سجدہ سے سر اٹھانے اور تشہد شروع کرنے سے پہلے شک ہو کہ دوسرا سجدہ کیا یا نہیں؟
تو پہلے دوسرا سجدہ کرے پھر تشہد ادا کرے۔

یا

تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت شک ہو کہ تشہد پڑھا یا نہیں؟

تو بیٹھ جائے، تشہد پڑھے پھر بقیہ نماز ادا کرے۔

اگر کسی ذکر یا عمل کا وقت گذرنے کے بعد اس کے بجالانے یا نہ بجالانے کے سلسلہ میں شک ہو تو اس شک پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

جیسے رکوع میں جانے کے بعد شک ہو کہ سورہ پڑھا تھا یا نہیں؟

یا

سجدہ میں جانے کے بعد شک ہو کہ رکوع ادا کیا تھا یا نہیں؟

یا

تشہد پڑھتے وقت شک ہو کہ دوسرا سجدہ کیا تھا یا نہیں؟

اس قسم کے شکوں پر توجہ دیئے بغیر نماز تمام کرلینا چاہیے۔ نماز صحیح ہے۔

اگر نماز کا وقت گزرنے کے بعد شک ہو کہ نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ یا شک ہو کہ نماز کو کامل ادا کیا یا نہیں؟ تو بھی شک پر توجہ نہ دے۔ نماز صحیح ہے۔

کثیر الشک یعنی جس شخص کو زیادہ شک ہوتا ہو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ شک پر زیادہ توجہ نہ دے۔ عمل کے بجالانے پر اعتماد رکھے۔اس کی نماز صحیح ہے۔

کثیر الشک ہونے کا معیار یہ ہے کہ پے در پے تین نمازوں میں ایک ہی طرح کا شک ہو یا ایک ہی نماز میں تین مرتبہ شک ہو۔ خواہ یہ شک کسی پریشانی یا خوف کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

نماز جماعت میں شک کی صورت میں امام یا ماموم میں سے جو بھی دوسرے کی یاد دہانی پر توجہ دے، کافی ہے۔

﴿۲﴾ رکعتوں کی تعداد میں شک:

- واجب نمازوں میں سے دو رکعتی یا تین رکعتی نمازوں کی رکعت میں کسی بھی قسم کے شک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

- مستحب نمازوں کی رکعتوں میں شک بے ضرر ہے۔ نمازی کو اختیار ہے کہ جس پر جی چاہے بناء رکھ کر نماز پوری کرے۔
- اگر چار رکعتی نماز کی رکعتوں میں اس طرح شک ہو کہ اصلًا معلوم نہ ہوسکے کہ کتنی رکعتیں ادا کی ہیں تو بھی نماز باطل ہے۔
- اگر دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد شک ہو کہ ۲ / رکعتیں بجالایا ہے یا ۳ / تو تین پر بنار کھ کر نماز پوری کرے اور سلام کے بعد ۲ / رکعت بیٹھ کر یا ایک رکعت کھڑے ہو کر نماز احتیاط بجالائے۔ اس رکعت میں صرف سورہ حمد کی تلاوت کرے۔
- اگر ۲ / یا ۴/ کے درمیان شک ہو تب بھی ۴ پر بناء رکھ کر نماز پوری کرے اور سلام کے بعد ۲ / رکعتیں کھڑے ہو کر نماز احتیاط بجالائے اور اس میں صرف سورۂ حمد کی تلاوت کرے۔
- اگر شک ہو کہ ۴/ رکعتیں ادا کی ہیں یا ۵ ؟ تو:
- اگر شک دوسرے سجدے سے سر اٹھانے کے بعد ہو تو تشہد و سلام ادا کرکے نماز تمام کرے، دو سجدے سہو بجالائے۔
- اگر شک کھڑے ہوتے وقت یا قیام کی حالت ہو تو بیٹھ کر تشہد و سلام بجالائے۔
پھر نماز کے بعد ایک رکعت کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر نماز احتیاط ادا کرے۔
- اگر شک ۲/، ۳/ یا چار میں ہو تو چار پر بناء رکھ کر نماز تمام کرے۔ پھر ایک رکعت کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر نماز احتیاط بجالائے۔
- نماز احتیاط اور اصل نماز کے درمیان فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔

نیز،

- اس میں نماز کی طرح باوضو اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔
- نماز احتیاط عام نمازوں کی طرح پڑھی جاتی ہے۔ اس کی رکعتوں میں صرف سورۂ حمد پڑھا جاتا ہے۔

سجدۂ سہو کے احکام

نماز میں بھولے سے بات کرنے یا بے موقعہ ایک سجدہ یا تشہد یا سلام بجالانے کو " سہوی زیادتی" کہتے ہیں۔ ان صورتوں میں نماز کے بعد دو سجدۂ سہو بجالانا چاہیں۔

نماز میں ایک سجدہ یا تشہد بھول جانے کی صورت میں نماز مکمل کرکے بھولے ہوئے سجدہ یا تشہد کی قضا بجالائیں۔ پھر دو سجدۂ سہو بجالائیں۔

سجدۂ سہو کا طریقہ :

سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے:

نماز کے سلام کے فوراً بعد تکبیر کہہ کر سجدۂ سہو کی نیت سے سجدہ میں جائیں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دوبارہ سجدہ کرے۔ دونوں سجدوں کے بعد تشہد پڑھیں۔ تشہد کے بعد سلام پڑھیں۔ سجدۂ سہو کے سلام میں فقط:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کہنا کافی ہے۔

مستحب ہے کہ ان سجدوں میں :

بسم اللہ وباللہ السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پڑھیں۔ کوئی اور ذکر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

سجدۂ سہو میں نماز کے بعد جتنی بھی دیر ہو جائے، کوئی حرج نہیں۔

مسافر کی نماز

مسافر کے لیے ضروری ہے کہ وہ درج ذیل شرائط کے مطابق روزانہ کی واجب نمازوں میں سے چار رکعتی یعنی ظہر و عصر اور عشاء کی نمازوں کو قصر یا شکستہ یعنی دو رکعت بجالائے۔

﴿۱﴾ اس کا سفر 8 فرسخ یعنی 43.84/ کیلومیٹر سے کم نہ ہو:

البتہ، اگر یہ 43.84/ کلومیٹر کا فاصلہ رفت و آمد ملا کر ہو تب بھی کافی ہے۔

ضروری نہیں کہ آنے اور جانے کے فاصلے برابر ہوں۔ اگر ایک طرف کا فاصلہ تین فرسخ یا 18/ کیلومیٹر اور دوسری طرف کا پانچ فرسخ یا 25.84/ کیلومیٹر ہو تب بھی کافی ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ اسی دن واپس پلٹے۔

سفر کے مجموعی فاصلہ کی ابتداء گھر (یا جس جگہ سے سفر کا آغاز کیا جائے وہاں) سے منزل (یعنی جہاں ٹھہرا جائے) تک لحاظ کی جائے گی۔

اس میں شہر یا محلّہ کی انتہاء سے شہر کے دروازہ تک کا فاصلہ شرط نہیں ہے۔

﴿۲﴾ ضروری ہے کہ سفر کے آغاز ہی سے معین مسافت کا ارادہ رکھتا ہو:

اگر شروع میں کم مسافت طے کرنے کا ارادہ ہو بعد میں باقی کا ارادہ کرے تو کافی نہیں ہوگا۔

اگر دوسرے ارادہ میں پوری مسافت کا ارادہ کرلے تو کافی ہوگا۔

اگر شروع میں مسافت کا ارادہ نہ کرے لیکن سفر کرتے کرتے ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں سے واپسی کی مسافت آٹھ فرسخ یعنی 43.84/ کیلومیٹر ہو تو اسی وقت سے قصر پڑھنا شروع کردے۔

مسافت کے ارادہ یا قصد سے مراد مسافت کا علم ہے، خواہ کسی کے ساتھ سفر کرنے کے سبب ہی کیوں نہ ہو۔

اگر راستہ میں ارادہ بدل لے، باقی راستہ نیز واپسی کا راستہ ملا کر 8/ فرسخ یعنی 43.84/ کیلومیٹر کے برابر ہو تو نماز قصر ہے۔ ورنہ پوری نماز ادا کرے۔

جو نمازیں سفر کی تکمیل کے ارادہ سے پلٹنے سے پہلے ادا کی جا چکی ہوں انکی قضا یا اعادہ یعنی دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

احتیاطاً یا استحباباً اعادہ یا قضا کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿۳﴾ سفر حرام نہ ہو:

اگر خدانخواستہ حرام عمل انجام دینے یا ماں باپ یا شوہر کی رضایت کے بغیر (یعنی ماں باپ کو اس کے سفر سے تکلیف اور رنج نہیں ہونا چاہیے) سفر کرے تو نماز پوری پڑھے۔

واجب سفر جیسے حِجَّۃُ الْاِسلام (یعنی واجب حج) کے سفر میں والدین یا شوہر کی اجازت و رضایت ضروری نہیں ہے۔

اگر سفر کا اصلی مقصد گناہ یا معصیت کا ارتکاب نہ ہو لیکن خدانخواستہ سفر کے دوران عمل حرام انجام پا جائے تو یہ سفر حرام نہیں ہوگا۔ نماز قصر رہے گی۔

اگر سفر تفریح اور شکار کے لیے کیا جائے تو حرام نہیں ہوگا۔ نماز قصر ہوگی۔

﴿۴﴾ خانہ بدوش نہ ہو:

نماز کے قصر ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مسافر خانہ بدوش نہ ہو۔ خانہ بدوشوں کی آمد و رفت سفر شمار نہیں ہوتی۔

﴿۵﴾ سفر، مسافر کے پیشہ کی ماہیت کا جزو نہ ہو:

نماز قصر ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو سفر انجام پا رہا ہو وہ مسافر کے پیشہ کی ماہیت میں داخل نہ ہو۔

بسوں، ٹیکسیوں اور ٹرکوں کے وہ ڈرائیور یا وہ پائیلٹ اور ملاح جو مسافر اور سامان کے نقل و انتقال کا کام انجام دیتے ہیں یا ڈاکیے جو ایک شہر سے دوسرے شہر ڈاک لے جاتے ہیں، یا چوپان یا اس قسم کے دوسرے پیشہ والے لوگ اپنے فریضہ یا ڈیوٹی کی ادائیگی کے لیے جو سفر کرتے ہیں۔ ان کو اپنے سفر کے دوران نماز پوری پڑھنا چاہیے۔

وہ لوگ جن کے لیے سفر ان کے پیشہ کی ماہیت میں نہیں ہے لیکن انہیں مجبوراً سفر کرنا پڑتا ہے۔ جیسے،

تاجر، جسے سامان خریدنے کے لیے بار بار سفر کرنا پڑتا ہے یا ملازم جسے اپنی ملازمت کی خاطر یا ملازمت کے دوران بعض ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے۔

کثیر السفر کا حکم:

ان لوگوں کا سفر ان کے پیشہ کی ماہیت شمار نہیں ہوگا۔ یہ سفر میں نماز قصر کریں گے۔

البتہ،

اگر یہ لوگ کثرت سے سفر کریں۔ یعنی انہیں پے در پے دس دن سے کم فاصلہ پر سفر کرنا پڑیں تو تیسرے سفر میں نماز تمام پڑھ سکتے ہیں۔

تیسرے سفر کے بعد جتنے سفروں کے درمیان دس دن سے کم فاصلہ ہو ان میں نماز تمام پڑھی جائے گی۔

جب بھی دو سفروں کے درمیان فاصلہ دس دن یا اس سے زیادہ کا ہو جائے۔ نماز قصر ہو گی۔

جس کا سفر اس کے مشغلہ کی ماہیت کا جزو ہو، وہ اگر تفریح، زیارت، حج یا اسی نوعیت کے کسی ذاتی سفر پر جائیں تو اس سفر میں اس کی نماز قصر ہو گی۔

﴿۶﴾ مسافر کا حدّ ترخص تک پہنچنا:

اگرچہ سفر کی مسافت کا آغاز گھر یا اس مقام سے ہو گا جہاں سے سفر شروع کیا جائے۔

لیکن،

نماز اسی وقت قصر کی جا سکتی ہے جب مسافر حد ترخص تک پہنچ جائے۔

حد ترخص سے مراد وہ مقام ہے جہاں سے شہر کی معمولی اذان مسافر کے کانوں تک نہ پہنچے اور شہر کی دیوار کے کنارے کے لوگ مسافر کو نہ دیکھ سکیں۔ عموماً یہ مسافت ایک کیلو میٹر ہوتی ہے۔

ضروری نوٹ:

سفر کے بارے میں ہم ایک اہم گفتگو ان شاء اللہ آخری باب میں کریں گے۔

محل اقامت

تعریف:

سفر کے دوران اگر کسی جگہ دس دن یا اس سے زیادہ رہنے کا ارادہ ہو تو اس جگہ کو شرعی اصطلاح میں "محلِ اقامت" کہتے ہیں۔

احکام:

محل اقامت میں پنجگانہ نمازیں پوری پڑھنا چاہیے۔ روزہ بھی رکھنا چاہیے۔

کسی جگہ قصد اقامت کے معانی یہ نہیں ہیں کہ انسان دس دن وہاں اس طرح رہے کہ وہاں سے باہر نہ جائے۔

مراد یہ ہے کہ وہ اس جگہ کو اپنے رہنے اور اقامت کی جگہ قرار دے۔ خواہ اس دوران تفریح یا دوسرے کاموں کیلئے اطراف کے شہروں میں آمد و رفت بھی رکھے۔ اس آمد و رفت میں رات بھر شہر سے باہر رہ سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ اپنی واپسی کی جگہ اسی شہر کو قرار دے۔

اگر کوئی شخص کسی شہر یا جگہ کو ملازمت یا تحصیل (پڑھائی) کے لیے محل اقامت (ٹھہرنے یا رہنے کی جگہ) قرار دے لیکن راتیں گذارنے کے لیے یا ہفتہ وار یا ہر چند دنوں کے بعد کچھ دن کے لیے اپنے وطن یا والدین کے پاس واپس جائے تو محل اقامت یعنی اپنی ملازمت یا تحصیل کی جگہ یا شہر میں اس کی نماز پوری ہوگی۔ روزہ بھی رکھنا ہوگا۔

خواہ:

ہر مرتبہ وہ اس جگہ دس دن سے کم ہی کیوں نہ ٹھہرے یا اس کی تحصیل یا ملازمت کے سلسلہ میں اوقات کی مدت چند سالوں پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو۔

اگر کسی کا کارخانہ یا زراعتی زمین اس کے وطن سے دور ہو۔ یہ فاصلہ 8/ فرسخ یعنی 43.84/ کیلو میٹر یا اس سے زیادہ ہو۔ اسے اس جگہ کئی مرتبہ جانا پڑتا ہو۔ اب اگر سال میں مجموعی طور پر اس کا وہاں جانا چھ مہینے یا 180 / دن پر مشتمل ہو تو وہاں اس کی نماز پوری ہوگی۔ وہ جگہ اس کے لیے وطن شمار ہوگی۔

اگر کوئی شخص کسی جگہ دس دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے۔ بعد میں ارادہ بدل دے اور دس دن سے پہلے سفر کا ارادہ کرے تو:

﴿الف﴾: اگر وہ کوئی ایک نماز پوری پڑھ چکا ہو تو اسے باقی دنوں میں بھی پوری نمازیں پڑھنا ہوں گی۔

لیکن،

﴿ب﴾: اگر اس نے ارادہ بدلنے سے پہلے کوئی نماز پوری ادا نہ کی ہو تو اسے سب نمازیں قصر ادا کرنا ہوں گی۔

دس دن ٹھہرنے کے ارادے سے مراد:

﴿الف﴾: پہلے دن کی صبح سے ——— دسویں دن کے غروب تک۔

یا،

﴿ب﴾: پہلے دن کی دوپہر سے ——— دسویں دن کی دوپہر تک ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ دس دن اور دس راتوں تک ٹھہرنے کا ارادہ کرے۔

اگر کوئی شخص کسی جگہ دس دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے۔ بعد میں مزید ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو اس پر اقامت کا حکم لاگو ہوگا۔ اسے پوری نماز پڑھنا ہوگی۔

اگر کوئی مسافر کسی جگہ دس دن سے کم ٹھہرے۔ اسے اپنے کام کے سبب مزید رکنا پڑ جائے لیکن، اس دوران وہ دس دن رکنے کا فیصلہ بھی نہ کرسکے،

چنانچہ، اگر یہ صورت لمبی مدت تک برقرار رہے تو اسے تیس دن تک اپنی نمازیں قصر ادا کرنا ہوں گی۔

البتہ، اگر یہی صورت تیس دن سے زیادہ بڑھ جائے تو تیس دن کے بعد خواہ کم ہی دن کیوں نہ رکے۔ نمازیں پوری ادا کرنا ہوں گی۔

اماکن اربعہ

چار مقامات پر مسافر کو اختیار ہے کہ وہ چاہے نماز پنجگانہ پوری پڑھے چاہے قصر۔

یہ چار مقامات:

﴿۱﴾ ______ مسجد الحرام

﴿۲﴾ ______ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

﴿۳﴾ ______ مسجد کوفہ

﴿۴﴾ ______ حرمِ حسینی علیہ السلام

یہ حکم تین مسجدوں کیلئے خواہ وہ کتنی بھی وسیع ہو جائیں نیز حرمِ امام حسین علیہ السلام کے لیے ثابت ہے۔

نماز جماعت

اسلام میں پنجگانہ نمازوں یعنی ظہر و عصر و مغرب و عشاء، فجر نیز جمعہ اور عیدین کو جماعت خصوصاً مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

جو شخص نماز جماعت میں شرکت کے سلسلہ میں سستی برتے اسے برا بھلا کہا گیا ہے۔

جماعت کی نماز کا ثواب امام اور ماموم دونوں کیلئے کئی گنا لکھا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو اس ثواب کا شمار بھی ممکن نہیں ہوتا۔

امام جماعت کے شرائط

امام جماعت یا پیش نماز کیلئے کچھ شرائط ہیں کہ وہ:

﴿۱﴾ مومن ہو

﴿۲﴾ احکام اسلام کو جانتا ہو

﴿۳﴾ ان پر اعتقاد رکھتا ہو

جماعت میں ضروری ہے کہ:

﴿۱﴾ ماموین مل کر کھڑے ہوں

﴿۲﴾ صفیں سیدھی رہیں۔
﴿۳﴾ امام اور مرد ماموین کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔
﴿۴﴾ اگر خواتین جماعت میں شرکت کریں تو:
﴿الف﴾ تو مردانہ صفوں کے پیچھے کھڑی ہوں
﴿ب﴾ اگر مردوں کے برابر کھڑی ہوں تو مستحب ہے کہ بیچ میں پردہ ڈالا جائے۔

اگر امام میں وہ تمام اوصاف نہ ہوں جو ذکر کئے جاچکے ہیں تو ماموم کو چاہیے کہ وہ حمد و سورہ کو آہستہ آہستہ پڑھے۔

امام جماعت، ماموین سے بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو۔ اگر امام ماموین سے نیچے ہو تو درست ہے۔

جب تک امامِ جماعت رکوع میں ہو جماعت میں شامل ہوا جاسکتا ہے۔

اگر امام اور ماموم کی رکعتیں مختلف ہوں تو ماموم کے لیے مستحب ہے کہ امام کے تشہد پڑھتے وقت بیٹھے بیٹھے تھوڑا سا بلند ہو اور امام کے ساتھ تشہد پڑھے۔

اگر امام کی تیسری رکعت کے دوران ماموم کی دوسری یا پہلی رکعت ہو تو ماموم کو چاہیے کہ حمد و سورہ کو آہستہ آہستہ پڑھے۔ ضروری نہیں ہے کہ مکمل کرے۔

اگر حمد یا سورہ کے مکمل ہونے سے پہلے امام رکوع میں چلا جائے تو ماموم کو چاہیے کہ حمد و سورہ کو اسی جگہ پر چھوڑ کر رکوع میں چلا جائے۔

ضروری ہدایت:

نماز جماعت کی بہت تاکید آئی ہے۔ مومنین کو چاہیے کہ حد اکثر کوشش کریں کہ واجب نمازیں جماعت سے ادا کریں۔

گھروں میں عادت ڈالیں کہ سب زن و مرد مل کر گھر کے بزرگ دادا، نانا یا والد یا شوہر کی اقتداء میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ یا اگر گھر یا خاندان کا کوئی جوان زیادہ نیک اور صالح ہے تو سب زن و مرد اس کے پیچھے نماز جماعت ادا کریں۔

اسی طرح اگر کہیں تفریح وغیرہ یا کام کے موقعہ پر کچھ مومنین جمع ہوں اور عالم دین موجود نہ ہو تو اپنے میں سے کسی ایک کی اقتداء میں نماز جماعت ادا کریں۔

واجب نمازوں کی امامت کے لئے جو شرائط ہیں وہ الحمد للہ عام طور سے سب مومنوں میں پائی جاتی ہیں۔ نیز اسلام میں مومنین کے کردار کی کرید اور تجسّس بھی منع ہے اور مومنین کو آپ میں ایک دوسرے کے لیے اچھی رائے رکھنے کی تاکید آئی ہے۔ اس لئے ﴿ظنون المومنین خیراً﴾ کے مطابق ایک دوسرے کی عدالت اور نیکی پر بھروسہ کرکے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔

قضاء نمازیں

جس شخص نے اپنی واجب نمازیں نہ پڑھی ہوں یا غلط پڑھی ہوں، اس کے لیے واجب ہے کہ قضاء بجالائے۔

ضروری ہدایت :

نماز جماعت کی بہت تاکید آئی ہے۔ مومنین کو چاہیے حد اکثر کوشش کریں کہ واجب نمازیں جماعت سے ادا کریں۔

قضا نمازوں کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح قضا ہوئی ہو اسی طرح ادا کی جائیں۔ حالت سفر کی قضا نمازیں قصر ادا کی جائیں۔ اقامت کی قضا نمازیں مکمل ادا کی جائیں۔ خواہ ادا کے وقت سفر میں ہو یا حضر میں۔

البتہ کوئی نماز ایسی صورت میں قضا ہوئی ہو کہ حضر میں نماز کا وقت آچکا ہو اور نماز ادا کرنے بھر حضر میں رہنے کے بعد سفر پر گیا ہو تو اس قسم کی قضا نماز کو پوری ادا کرے۔ حالانکہ اگر اسے وقت پر حالت سفر میں ادا کرتا تو قصر ہی ادا کرتا۔

قضا نمازوں کو تیمّم یا جبیرہ کے ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے۔

جو نمازیں اس وقت قضا ہوئی ہوں جب انسان قیام کی حالت میں نماز ادا کرنے کے قابل ہو تو انسان کو اسی حالت قیام میں ان کی قضا ادا کرنا چاہیے۔ البتہ اگر ایسی صورت ہو کہ قیام ممکن نہ ہو تو صحت یاب ہونے کا انتظار کرے۔

البتہ اگر اس طرح بیمار ہو کہ ٹھیک ہونے کی امید نہ ہو تو بیٹھ کر ادا کر سکتا ہے۔

جو نمازیں عذر کی حالت میں تمام شرعی ضوابط کو مد نظر رکھ کر پڑھی جائیں۔ عذر بر طرف ہونے کے بعد ان کا دوبارہ پڑھنا یا بجالانا ضروری نہیں۔ یعنی اگر عذر کی حالت میں نماز ادا کرنے کے بعد عذر بر طرف ہو جائے اور وقت باقی ہو تب بھی نماز دہرانے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ اسے پہلے سے یہ اندازہ نہ ہو کہ عذر جلدی بر طرف ہو جائے گا۔

قضا نمازوں کی ادائیگی میں دنوں کی ترتیب کی رعایت شرط نہیں ہے۔ ایک ہی دن کی نمازوں میں اوقات کی ترتیب سے ادا کرنا ضروری ہے۔

والدین کی قضا نمازوں کی ادائیگی میں جہر و اخفات کی مراعات میں ادا کرنے والے کے فریضہ کی مطابقت شرط ہے نہ کہ مرحومین کے فریضہ کی مطابقت، مثلاً باپ کی قضا نمازیں اگر بیٹی ادا کرے تو اخفات کرے یا ماں کی قضا نمازیں اگر بیٹا ادا کرے تو جہر کرے۔

والدین کی قضا نمازوں کی ادائیگی احتیاط واجب کے طور پر بڑے فرزند پر واجب ہے۔ بشرطیکہ والدین نے یہ نمازیں جان بوجھ کر قضا نہ کی ہوں۔

ضروری نہیں ہے کہ اولاد اکبر یہ نمازیں خود ادا کرے بلکہ اپنے پیسوں سے کسی کو اجرت دے کر ادا کرواسکتا ہے۔

اگر ماں باپ وصیت کریں کہ ان کے ثلث مال سے نمازیں ادا کی جائیں تو یہ وجوب فرزند اکبر سے ساقط ہو جائے گا۔

اگر کسی کے ماں باپ نے جان بوجھ کر بھی نمازیں قضا کی ہوں اور اولاد ان کی قضا نمازیں ادا کرے تو یہ اولاد اور مرحوم والدین کے لیے بخشش اور بلندئ درجات کا سبب ہو گا، اِنْ شَاءَ اللہ۔

روزہ

روزہ

تعریف:

حکم خدا کی بجاآوری کی خاطر فجر صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک کھانے پینے نیز ارادتاً مجنب ہونے سے پرہیز کرنے کا نام روزہ ہے۔

وجوب:

بنیادی طور پر ہر مکلّف پر ہر سال ماہ رمضان کے روزے واجب ہیں۔ان روزوں کے وجوب کی چند شرطیں ہیں:

﴿۱﴾ بلوغ:

بلوغ سے مراد:

لڑکوں کا محتلم ہونا یا سولہویں سال میں داخل ہونا۔اس کے ساتھ جسمانی طور پر روزہ رکھنے کی طاقت کا حامل ہونا ہے۔

لڑکیوں کا حیض دیکھنا یا چودھویں سال میں داخل ہونا۔اس کے ساتھ جسمانی طور پر روزہ رکھنے کی طاقت کا حامل ہونا ہے۔

﴿۲﴾ رؤیتِ ہلال:

رؤیت ہلال سے مراد شعبان کی ۲۹ تاریخ کو پہلی ماہ رمضان کا چاند دیکھا جانا یا ماہ شعبان کے تیس دن مکمل ہو جانا ہے۔

رؤیت ہلال کا ثبوت:

رؤیت ہلال چند طریقوں سے ثابت ہوتا ہے:

﴿۱﴾ ماہ شعبان کی انتیسویں شب کو:

☆خود چاند دیکھنا۔

☆کسی ایک ایسے عادل شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) کی گواہی جو مکلف کے نزدیک قابل اعتماد ہو بشرطیکہ مکلف کو اطمینان ہو کہ وہ غلطی نہیں کر رہا ہے۔

☆حاکم شرع کے نزدیک عادل گواہوں کی گواہی کے بعد اس کی طرف سے رسمی اعلان۔

روایات میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ:

☆بعض صورتوں میں:

ماہ رمضان کا آغاز، عید الفطر اور عید الاضحیٰ حکومت وقت کے ساتھ منانا ضروری ہے۔

اگر حکومت نے کسی ایسے دن عید کا اعلان کیا ہو جس دن قطعی طور پر ماہ رمضان ہو تو اس دن عید منائی جائے، روزہ نہ رکھا جائے۔ بعد میں اس روزہ کی قضا بجالائی جائے۔[۱]

شہید اول حضرت محمد بن مکی عاملی م: ۷۸۶ھ نے اپنی کتاب الدروس میں حکم حاکم کو ثبوت ہلال کے لئے کافی قرار دیا ہے۔[۲]

☆اس کے علاوہ احادیث میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ منانے کا حکم بھی آیا ہے۔[۳]

اس لئے صحیح بات یہی ہے کہ:

مسلمان ایک ہی دن، مل جل کر عید منائیں۔ اگر کسی کے نزدیک اس دن ماہ رمضان کی تاریخ ثابت ہو تو بعد میں روزہ کی قضا بجالائے۔

یوں؛

۱۔ کلینی: الکافی: کتاب الصیام: باب الیوم الذی یشک فیہ من شہر رمضان ھو او من شعبان: ج: ۴ص ۳۴۴،ح: ۲۵۰۴، ۲۵۰۶،ط: الامیرۃ: بیروت لبنان: ۱۴۹۲ھ/۲۰۰۸ء

صدوق: من لایحضرہ الفقیہ: کتاب الصوم: باب صوم یوم الشک: ج: ۲: ص: ۲۳۱: ح ۱۹۲۷، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان: ۱۴۹۲ھ/۲۰۰۸ء

طوسی: تہذیب الاحکام: کتاب الصوم: باب الزیارات: ج: ۴: ص: ۷۶۴، ۷۶۵: ح: ۵۱۵۳، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان: ۱۴۹۲ھ/۲۰۰۸ء

حر عاملی: وسائل الشیعۃ: کتاب الصوم: باب جواز الافطار للتقیۃ والخوف من القتل ونحو، ویجب القضاء: ج: ۱۰: ص: ۱۳۲: ح ۱۳۳۸۳ (۸) نقلا عن علی بن الحسین المرتضیٰ فی "رسالۃ المحکم والمتشابہ: ط: مؤسسہ آل البیت، بیروت لبنان: ۱۴۹۲ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ شہید اول: الدروس درس ۱۲ فروغ الثلاثۃ: ص ۷۷: ط مطبع مہر، قم، ایران ۱۳۹۸ھ (تحقیق سید ہاشم رسولی محلاتی)

۳۔ عیاشی تفسیر: ج: ۱: ص ۱۰۴: ح: ۲۱۰: ط: مؤسسۃ الاعلمی بیروت: لبنان ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء (تحقیق سید ہاشم رسولی محلاتی)

تہذیب الاحکام: کتاب الصوم: باب الزیارات: ج: ۴: ص: ۷۶۴، ۷۶۵: ح: ۵۱۵۴، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان: ۱۴۹۲ھ/۲۰۰۸ء

بے دین، اسلام دشمن بلکہ دین دشمن لوگوں کو دین اور اسلام کا مذاق اڑانے کا موقعہ نہیں مل سکے گا۔[۱]

☆اسی طرح روایات میں علوم فلکیات کے حساب پر اعتماد کے لئے بھی واضح اشارات ملتے ہیں۔

البتہ،

شرط یہ ہے کہ یہ اعتماد تحقیقی اور فلکیات کے مسلم الثبوت حساب کتاب کی بنیاد پر ہو۔ عام نجومیوں کی اٹکل پچو پیشین گوئیوں پر نہ ہو۔

نیز،

اس میں شک و غلطی کا شائبہ اتنا کم ہو کہ علمی طور پر اس پر یقین کیا جاسکے۔[۲]

اس لئے علوم فلکیات کے ماہرین نیز چاند، سورج اور دوسرے سیاروں کی حرکتوں کا حساب لگانے والی مستند رصدگاہوں کے حساب کے مطابق ماہ رمضان کی ابتداء اور عید کے یقین میں کوئی شرعی قباحت اور اشکال نہیں ہے۔

عملی طور پر تمام فقہاء ان ہی اصلوں کی بنیاد پر حج کو عربستان کی حکومت کے اعلان کے مطابق درست اور مجزی قرار دیتے ہیں۔

حدیث میں بھی اس کی جانب اشارہ موجود ہے۔

﴿۲﴾ مہینے کے تیس دن پورے ہو جانے پر:

ماہ شعبان کی ۲۹ویں تاریخ کو رویت یا ۳۰ دن پورے ہونے پر ماہ رمضان کے روزے واجب ہو جاتے ہیں۔

احکام:

عید فطر اور عید قربان کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

جس دن شک ہو کہ ماہ رمضان ہے یا نہیں؟ اس دن روزہ رکھے مگر ماہ رمضان کے روزہ کی نیت نہ کرے۔

۱۔ صدوق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب من لایحضرہ الفقیہ: کتاب الصوم: باب صوم یوم الشک: ج: ۲: ص ۲۳۱: حدیث نمبر ۱۹۲۶ کے بعد اس سے ملتا جلتا فتویٰ دیا ہے۔

۲۔ کلینی: الکافی: کتاب الصیام: باب (ہمارے مطالعہ میں جو نسخہ ہے اس میں اس باب کا کوئی نام نہیں ہے یہ باب "باب النوادر" کے بعد اور "باب: الیوم الذی یشک فیہ من شہر رمضان ھو او من شعبان" سے پہلے ہے) ج: ۴: ص، ۳۴۲ و ۳۴۳: ح، ۲۴۹۴ و ۲۴۹۵، ۲۴۹۶، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان: ۱۴۹۲ھ/۲۰۰۸ء

البتہ اگر بعد میں معلوم ہو کہ ماہ رمضان تھا تو وہ روزہ کافی ہوگا۔ اس دن کے روزے کی قضا ضروری نہیں ہوگی۔

جس کے لیے روزہ نقصان دہ ہو وہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔

ایسا شخص اگر روزہ رکھ لے اور روزہ کے سبب اس کا کوئی عضو خراب ہو جائے جیسے اندھا ہو جائے یا کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہو جائے تو اس دوران رکھے ہوئے روزے باطل ہوں گے۔

اگر نقصان کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے یقین شرط نہیں ہے۔ البتہ اندیشہ عقلی طور پر واقعی ہونا چاہیے یا کسی متدین ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق ہو۔

انجکشن یا ڈرپ لگوانے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔ خواہ وہ کسی بھی نوعیت کے ہوں۔

سانس کے مریض جو اسپرے استعمال کرتے ہیں اس سے بھی روزہ باطل نہیں ہوتا۔

حیض اور نفاس کے خون دیکھنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ خواہ غروب آفتاب سے کچھ ہی دیر پہلے کیوں نہ ہو۔ اس دن کے روزہ کی قضا واجب ہے۔

اگر طلوع فجر سے پہلے مجنب ہو جائے یا حیض و نفاس سے پاک ہو جائے تو طلوع فجر سے پہلے غسل کرنا ضروری ہے۔ اگر غسل ممکن نہ ہو تو تیمّم کرے۔

جو چیزیں روزہ دار پر حرام ہیں وہ اگر روزہ دار سہواً یعنی بھولے سے انجام دے تو روزہ باطل نہیں ہوگا۔ روزہ واجب ہو یا مستحب۔

جن لوگوں پر روزہ واجب نہیں:

اللہ عزوجل نے بعض مسلمان مرد وزن کو ماہ رمضان کے روزوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ان لوگوں پر ماہ رمضان کے روزے واجب نہیں ہیں۔ جن لوگوں پر سے ماہ رمضان کے روزے ساقط ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔

﴿۱﴾ جن پر سے ماہ رمضان کے روزے بھی ساقط اور قضاء و فدیہ بھی نہیں ہے:

(الف) وہ بوڑھے بوڑھیاں جو اتنے ضعیف ہیں کہ ان کے لیے روزہ رکھنا ناممکن یا نقصان دہ ہے۔

(ب) وہ مرد وزن جن کو بہت زیادہ پیاس لگتی ہے یا پیاس ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

(ج) وہ مرد و زن جو مستقل طور پر شدید طور پر بیمار ہیں جس کے سبب روزہ رکھنا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔
ان تین قسموں کے لوگوں پر سے ماہ رمضان کے روزے ساقط ہیں۔
ان پر نہ تو ماہ رمضان کے روزوں کی قضاء واجب ہے نہ ہی فدیہ ضروری ہے۔

﴿۲﴾ جن پر ماہ رمضان کے روزے ساقط ہیں مگر فدیہ ضروری ہے:

(الف) وہ بوڑھے اور بوڑھیاں جن کے لیے کمزوری کے سبب روزہ رکھنا سخت ہے۔
(ب) وہ مرد و زن جن کے لیے پیاس کا برداشت کرنا مشکل ہے۔
(ج) وہ مرد و زن جو ایک ماہ رمضان سے دوسرے ماہ رمضان تک بیمار رہیں۔
ان تینوں قسم کے مرد و زن پر سے روزہ ساقط ہے یعنی یہ ماہ رمضان میں روزہ نہیں رکھ سکتے۔
البتہ، انہیں بصورت امکان ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین یعنی ایک ایسے آبرومند سفید پوش کو جس کی غربت عام لوگوں سے چھپی ہوئی ہو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ضروری ہے۔

﴿۳﴾ جن پر ماہ رمضان کے روزے ساقط ہیں، مگر قضاء واجب ہے:

(الف) مسافر:

جو مرد و زن شرعی طور پر مسافر ہوں ان پر سفر کے دوران روزہ رکھنا حرام ہے۔
لیکن،
ماہ رمضان گذر جانے کے بعد جن دنوں کے روزے سفر کی وجہ سے نہیں رکھے تھے۔ وطن یا اقامت کے دوران ان کی قضاء بجالانا ضروری ہے۔

(ب) مریض:

مریض پر سے روزہ ساقط ہے۔ مریض کی حد کا تعین خود روزہ دار کی ذمہ داری ہے۔ ڈاکٹر یا مجتہد کی ذمہ داری نہیں ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے:

- عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ أُذَيْنَةَ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع أَسْأَلُهُ مَا حَدُّ الْمَرَضِ الَّذِي يُفْطِرُ فِيهِ صَاحِبُهُ وَ الْمَرَضِ الَّذِي يَدَعُ صَاحِبُهُ الصَّلَاةَ قَائِماً

قَالَ: بَلِ الْإِنْسانُ عَلى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ (القیامۃ:۷۵: ۱۴)

وَقَالَ: ذَاكَ إِلَيْهِ هُوَ أَعْلَمُ بِنَفْسِهِ.[۱]

عمر ابن اذنیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے تحریری طور پر سوال کیا کہ اس مرض کی حد کیا ہے جس میں مریض افطار کر سکتا ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو چھوڑ سکتا ہے (بیٹھ یا لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے)؟

امام علیہ السلام نے جواب میں آیت بیان فرمائی:

بلکہ ہر انسان اپنے بارے میں بہتر جانتا ہے۔

پھر فرمایا:

یہ فیصلہ خود اسے کرنا ہوگا۔ یہ اس کی ذمہ داری ہے وہ اپنے بارے میں بہتر جانتا ہے۔

- عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى عَنْ يُونُسَ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع مَا حَدُّ الْمَرِيضِ إِذَا نَقَهَ فِي الصِّيَامِ

قَالَ: ذَلِكَ إِلَيْهِ هُوَ أَعْلَمُ بِنَفْسِهِ إِذَا قَوِيَ فَلْيَصُمْ.[۲]

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: مریض کی وہ کیا حد ہے جس کے بعد وہ روزہ نہ رکھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ خود اس کا مسئلہ ہے وہ خود فیصلہ کرے کیونکہ وہ اپنے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ اگر اس میں قوت ہو تو روزہ رکھے۔

۱۔ کلینی: الکافی: کتاب الصیام: باب حَدِّ الْمَرَضِ الَّذِي يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُفْطِرَ فِيهِ: ج: ۴ ص ۳۶۱، ح: ۲۶۴۶، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: کتاب الصیام: باب حَدِّ الْمَرَضِ الَّذِي يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُفْطِرَ فِيهِ: ج: ۴ ص ۳۶۱، ح: ۲۶۴۶، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

- عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ سَمَاعَةَ قَالَ سَأَلْتُهُ مَا حَدُّ الْمَرَضِ الَّذِي يَجِبُ عَلَى صَاحِبِهِ فِيهِ الْإِفْطَارُ كَمَا يَجِبُ عَلَيْهِ فِي السَّفَرِ مَنْ كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ قَالَ: هُوَ مُؤْتَمَنٌ عَلَيْهِ مُفَوَّضٌ إِلَيْهِ فَإِنْ وَجَدَ ضَعْفاً فَلْيُفْطِرْ وَإِنْ وَجَدَ قُوَّةً فَلْيَصُمْهُ كَانَ الْمَرَضُ مَا كَانَ۔ [۱]

سماعۃ کہتے ہیں کہ میں امام علیہ السلام مرض کی اس حد کے بارے میں پوچھا جس کے بعد مریض روزہ افطار کر سکتا ہے جس طرح سفر میں

"مَنْ كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

وہ خود امین ہے یہ معاملہ اللہ جل جلالہ نے اسی پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر وہ کمزوری محسوس کرے تو روزہ نہ رکھے اور افطار کرے۔ اگر وہ ضرورت محسوس کرے تو روزہ رکھے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مرض کس قسم کا ہو۔

مریض اگر روزہ نہ رکھ سکے، تو اگلے ماہِ رمضان سے پہلے ادا کرے۔ اس پر فدیہ نہیں ہے۔

اگر اگلے ماہِ رمضان تک مرض ہی کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو اسے اگلے ماہِ رمضان تک قضا بجالائے۔

اگر کوئی مریض، آئندہ ماہِ رمضان تک روزہ کی قضا بجانہ لا سکے۔ لیکن وہ اس دوران کچھ عرصہ صحت مند رہا ہو اور ان دنوں قضا بجالانے کے قابل ہو تو آئندہ برس اس کو قضا بجالانا ہو گی اور فدیہ بھی دینا ہو گا۔

اگر کوئی مریض آئندہ ماہِ رمضان تک بیماری کی وجہ سے روزہ کی قضا بجانہ لا سکے تو وہ اس ماہ رمضان کے روزوں کی قضا بجالائے اور گذشتہ ماہِ رمضان کے روزوں کے بدلے فدیہ دے۔ اب ان کی قضا ساقط ہے

۱۔ کلینی: الکافی: کتاب الصیام: باب حَدِّ الْمَرَضِ الَّذِي يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُفْطِرَ فِيهِ: ج: ۴ ص ۱۶۱ ۳، ح: ۲۶۴۶، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

حدیث میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے:

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ عِيسَى عَنْ حَرِيزٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمَا قَالَ:

سَأَلْتُهُمَا عَنْ رَجُلٍ مَرِضَ فَلَمْ يَصُمْ حَتَّى أَدْرَكَهُ رَمَضَانٌ آخَرُ فَقَالَا:

إِنْ كَانَ بَرَأَ ثُمَّ تَوَانَى قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ رَمَضَانُ الْآخَرِ صَامَ الَّذِي أَدْرَكَهُ وَ تَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ يَوْمٍ بِمُدٍّ مِنْ طَعَامٍ عَلَى مِسْكِينٍ وَ عَلَيْهِ قَضَاؤُهُ وَ إِنْ كَانَ لَمْ يَزَلْ مَرِيضاً حَتَّى أَدْرَكَهُ رَمَضَانٌ آخَرُ صَامَ الَّذِي أَدْرَكَهُ وَ تَصَدَّقَ عَنِ الْأَوَّلِ لِكُلِّ يَوْمٍ مُدّاً عَلَى مِسْكِينٍ وَ لَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاؤُهُ[۱]

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ان کے دور میں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ان کے دور میں اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا ہو یہاں تک کہ دوسرا ماہِ رمضان آجائے۔

دونوں اماموں علیہما السلام نے ایک ہی جیسا جواب دیا اور فرمایا:

اگر وہ ماہ رمضان سے پہلے ٹھیک ہو گیا اور سستی یا ٹال مٹول کی وجہ سے نہیں رکھ سکا تو اس پر واجب ہے کہ وہ ہر روز کے بدلے ایک مد طعام مسکین دے اور روزہ کی قضا بجالائے۔

لیکن اگر وہ اگلے ماہِ رمضان تک مستقل بیمار رہا ہو تو گذشتہ برس کے روزوں میں سے ہر روزہ کے بدلے فدیہ دے اور اس سال کے روزوں کی قضا بجالائے اس پر سے گذشتہ برس کی قضا ساقط ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصیام: باب توالی علیہ رمضانان: ج: ۴ : ص ۲۶۲، ح: ۲۶۵۰، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

(ج) حائض:

حائض خواتین، ایام حیض میں رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتیں مگران پران روزوں کی قضاء واجب ہے۔

(د) نفساء:

خواتین، حالت نفاس میں ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتیں۔ مگر ان پر ان روزوں کی قضاء واجب ہے۔

جن پر روزے ساقط مگر قضا اور فدیہ واجب ہے:

(الف) حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین:

☆حاملہ خواتین کا روزہ اگر خود ان کے لیے نقصان دہ ہو تب بھی، اور اگر جنین یعنی بچہ کے لیے نقصان دہ ہو جب بھی، ماہ رمضان میں ان پر سے روزہ ساقط ہے۔ وہ ماہ رمضان میں روزہ نہیں رکھ سکتیں۔

☆بچہ دار خواتین کا روزہ اگر ان کے لیے یا دودھ پینے والے بچہ کے لیے نقصان دہ ہو تو دونوں صورتوں میں ان پر سے روزہ ساقط ہے۔ وہ ماہ رمضان میں روزہ نہیں رکھ سکتیں۔

ان دونوں قسم کی خواتین کو ہر روزہ کے بدلے ایک مد طعام یعنی 680/ گرام گندم، چاول یا گوشت وغیرہ جو بھی وہ عام طور سے کھاتی ہیں، دینا ہو گا اس کے علاوہ جب طاقت ہو تو روزے ادا کرنا ہوں گے۔ روایت میں ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ رَزِينٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه السلام يَقُولُ:
الْحَامِلُ الْمُقْرِبُ وَ الْمُرْضِعُ الْقَلِيلَةُ اللَّبَنِ لَا حَرَجَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُفْطِرَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لِأَنَّهُمَا لَا تُطِيقَانِ الصَّوْمَ وَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَصَدَّقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي كُلِّ يَوْمٍ يُفْطِرُ فِيهِ بِمُدٍّ مِنْ طَعَامٍ وَ عَلَيْهِمَا قَضَاءُ كُلِّ يَوْمٍ أَفْطَرَتَا فِيهِ تَقْضِيَانِهِ بَعْدُ[۱]

۱۔ کلینی: الکافی: کتاب الصیام: باب الحامل والمرضع یضعفان عن الصوم: ج: ۴ ص ۳۶۱: ح: ۲۶۴۱، ط: الامیرة: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

حاملہ جس کا وضع حمل قریب ہو اور ایسی دودھ پلانے والی خاتون جس کا دودھ کم آرہا ہو ان دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ ماہ رمضان میں روزے نہ رکھیں، کیونکہ ان کے لیے روزے سخت ہیں۔

لیکن ان کو ہر روزہ کے بدلے ایک مد طعام دینا ہوگا اور بعد میں ہر روزہ کی قضا بجالانا ہوگی۔

(ب) متفرق

☆جو شخص عذر کے سبب ماہ رمضان کے روزے نہ رکھے۔ سال کے اختتام تک بغیر عذر کے قضا نہ بجالائے۔ اسے قضا کے علاوہ ہر روز کے بدلے "فدیہ طعام مسکین" ایک آبرو مند سفید پوش کو جو غریب ہو مگر لوگوں پر اس کی غربت ظاہر نہ ہوتی ہو، پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔ اس کی وضاحت آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

☆جو شخص عذر کے سبب ماہ رمضان کے روزے نہ رکھے اور یہ عذر آئندہ برس تک باقی رہے، جس کے سبب وہ سال کے دوران روزوں کی قضا نہ کرسکے تو ایسی صورت میں آئندہ برس اسے فقط "فدیہ" یعنی "طعام مسکین" دینا ہوگا جس کی وضاحت آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ قضا بجالانا ضروری نہیں ہے۔

جن لوگوں پر صرف روزہ کی قضا واجب ہے:

☆مسافر، مریض اور حائض وغیرہ پر ان اسباب کی وجہ سے روزے قضا ہو جاتے ہیں۔ آئندہ ماہ رمضان سے پہلے اگر ان روزں کی قضا بجالے آئی جائے تو صرف قضا واجب ہے۔

☆ماں باپ کے روزہ کی قضا بھی بڑے بیٹے پر واجب ہے

جن لوگوں پر روزہ کی قضا اور کفارہ واجب ہے:

عمداً یا ارادتاً کسی عذر کے بغیر روزہ توڑنے کے حکم کے بارے میں "الکافی" کی "کتاب الفروع" کی "کتاب الصیام کے "باب من افطر متعمداً من غیر عذر او جامع متعمداً فی شهر رمضان" طبع الامیرة، بیروت سنہ ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء، جلد ۴، ص ۳۵۳-۳۵۴ پر یہ روایت درج ہے:

۲۵۶۹۔ عدۃ من اصحابنا، عن احمد بن محمد بن عیسی، عن الحسن بن محبوب، عن عبداللہ بن سنان، عن ابی عبداللہ علیہ السلام:
فِيْ رَجُلٍ أَفْطَرَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مُتَعَمِّداً يَوماً وَاحِداً مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ قَالَ:
"يُعْتِقُ نَسَمَةً أَوْ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ أَوْ يُطْعِمُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْناً فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ: تَصَدَّقَ بِمَا يُطِيْقُ۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا۔ اس نے ماہ رمضان میں کسی عذر کے بغیر روزہ توڑ دیا۔ بغیر عذر کے اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی رابطہ بر قرار کرلیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

۱۔ "عِتْقِ نَسَمَہ" کرے

یا

۲۔ مسلسل ساٹھ روزے رکھے

یا

۳۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے " طعام مسکین " کی وضاحت ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں بیان ہو گی۔

اگر ان میں سے کوئی کفارہ دینے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو:

۴۔ اپنی استطاعت اور مالی طاقت کے مطابق صدقہ دے"

اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ روزہ کے کفارہ کے سلسلہ میں مومن کو اختیار ہے کہ پہلے تین میں سے کوئی ایک کفارہ انتخاب کرکے اپنا فریضہ ادا کرے۔

لیکن،

اگر ان تینوں میں سے کسی پر قدرت نہ رکھتا وہ تو اپنی قدرت اور استطاعت بھر صدقہ دے۔

البتہ،

اس کفارہ کے ساتھ قضا بھی ضروری ہے۔

پھر اسی کے بعد والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مومن بہت زیادہ محتاج ہو تو یہ مقدور بھر صدقہ بھی کفارہ کے طور پر اپنے گھر والوں پر خرچ کر سکتا ہے۔

اگر اتنے صدقہ کی گنجائش بھی نہ ہو جو کہ تقریباً ناممکن ہے تو "استغفار" کرتا رہے۔ امید ہے ارحم الراحمین یا بخش دے گا یا کوئی راستہ فراہم فرمائے دے گا۔

چند اہم نکتوں کی کی وضاحت:

یہاں چند اہم نکتوں کی وضاحت ضروری ہے:

(الف) "عتق نسمۃ" سے کیا مراد ہے؟

روزہ کے کفارہ کے بارے میں اس روایت میں "عتق نسمۃ" کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔

قرآن حکیم کے سورہ نساء (۴) کی آیت نمبر ۹۲ میں قتل خطاء کے کفارہ کے سلسلہ میں "تحریر رقبۃ مومنۃ" کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح

قرآن حکیم کے سورہ مائدہ (۵) کی آیت نمبر ۸۹ میں قسم توڑنے کے کفار کے لئے "تحریر رقبۃ" کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح،

قرآن حکیم کے سورہ مجادلہ (۵۸) کی تیسری آیت میں ظہار کے کفارہ کے سلسلہ میں "فتحریر رقبۃ" کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔

عام طور سے تو اس کے معانی غلام کو آزاد کرنے کے لیے جاتے ہیں۔

لیکن،

اگر غور کیا جائے تو "تحریر رقبۃ" یا "عتق نسمۃ" کے معانی گردن کو بھاری بوجھ سے آزاد کرنے کے ہیں۔ یہ بوجھ واقعی زر خرید غلامی کا بوجھ ہو یا غلامی سے بھی بدتر صورتحال سے نجات دلانا ہو۔

یہ بھاری بوجھ کون سے ہیں جن سے کسی شخص کو آزاد کرنا ایک غلام کو آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے؟
اس بات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ میں شریف النفس لوگوں کی زندگی میں بہت سے ایسے بوجھ ہوتے ہیں جو ان کے لئے زر خرید غلامی سے بھی بدتر ہوتے ہیں مثال کے طور پر:

- سنگین قرضہ جس کے سبب شریف انسان قرض خواہ کے سامنے غلامی سے بدتر حالت میں ہوتا ہے۔
- کرایہ داری، مکان کا مالک نہ ہونے کی صورت میں پڑھنے لکھنے والا انسان جس کے پاس کتابوں کے علاوہ شاگردوں کی رفت و آمد بھی ہو اس کے لئے کرایہ داری اور ہر سال مکان کا بدلنا غلامی سے بدتر صورت حال پیدا کر دیتا ہے۔
- بچی کی شادی، شریف انسان کے لئے غربت کے عالم میں جہیز اور مناسب انتظامات کے نہ ہونے کے سبب بیٹی کو گھر میں بٹھا کر رکھنا غلامی سے بدتر کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔
- شریف جوان کے لئے نوکری نہ ملنے یا کاروبار بیٹھ جانے کے سبب زندگی کے وسائل نہ ہوتے ہوئے شادی کے بغیر لاوارثی کی زندگی گذارنا۔ غلامی سے بدتر صورت حال پیدا کر دیتا ہے۔
- ایسے ہونہار جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جو اعلیٰ تعلیم کا استحقاق اور لیاقت رکھتے ہوں مگر تعلیمی اخراجات فراہم نہ ہونے کے سبب اعلیٰ تعلیم سے محروم رہ کر فقر و فاقہ کی زندگی یا ذلت آمیز پست نوکری کرنا غلامی سے بدتر ہو جاتا ہے۔

اس لیے،
" **فَكُّ رَقَبَةٍ** " یا " **عِتْقُ نَسَمَةٍ** " سے مراد کسی بھی شریف النفس انسان کی گردن سے اس قسم کے کسی بھی طرح کے بوجھ کا اتارنا مراد ہے جو اس کے لئے غلامی جیسی یا اس سے بدتر صورت حال پیدا کر دیتا ہو۔

چاہے وہ:

- کسی کا بڑا قرضہ ادا کر دینا ہو۔
- یا کسی کے لئے مکان خرید دینا ہو۔
- یا کسی کی بیٹی کی شادی کروا دینا ہو۔

- یا کسی اعلیٰ تعلیم کے حقدار لڑکے یا لڑکی کے تعلیمی اخراجات فراہم کرنا ہو۔
- یا کسی جوان لڑکی یا لڑکے کی شادی اور اس کی زندگی گذارنے کے سامان فراہم کرنا ہو۔

وغیرہ وغیرہ

یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ قرآن حکیم میں:

مؤمن کی شرط صرف مؤمن کے قتل خطاکے کفارہ میں ہے۔

روزہ، قسم اور ظہار کے کفارہ میں "فک رقبۃ" یا "عتق نسمۃ" میں مومن کی شرط نہیں ہے۔

(ب) طعام مسکین:

قرآن حکیم نے صاف الفاظ میں فدیہ کی حد "طعام مسکین" معین فرمائی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (البقرۃ:۲: ۱۸۴)

تم میں سے جو مریض ہو یا سفر میں وہ اتنے روزہ بعد میں رکھے۔

جن لوگوں کے لیے روزہ رکھنا سخت ہو وہ فدیہ دیں جو "طعام مسکین" ہے۔ جو

اس فدیہ کو خوش خوش اور اچھے طریقہ سے دے گا وہ اس کے لیے اچھا ہو گا۔

اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے لیے سب سے اچھا ہے۔

کاش کہ تم اس بات کو سمجھ لو!

یہاں واضح طور پر یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ "فدیہ" "طعام مسکین" ہے، اور فدیہ دینے والے کو یہ فدیہ خوشی خوشی اور سخاوت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اس میں کنجوسی اور بچت کا نہیں سوچنا چاہیے۔

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ "طعام مسکین" سے مراد ایک آبرومند، سفید پوش کو جو غریب تو ہو لیکن عزت سے رہنا پسند کرتا ہو جس کی وجہ سے لوگوں پر اس کی غربت آشکار نہ ہو، ایسے آبرومند مسکین کو کھانا کھلانا مراد ہے۔

پرانے زمانہ میں احادیث میں اس کی کم سے کم حد ایک مد گندم جو ۶۸۰ گرام گندم تھی معین کی تھی۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے تھی جو خود ہی فقیر اور محتاج ہیں۔ یا ممکن ہے اس زمانہ میں اعلیٰ درجہ کا کھانا اسی قیمت کا ہوتا ہو۔ آج کے زمانہ میں متمول اور باحیثیت افراد فدیہ کی یہ حد اپنانے سے اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

اب زمانہ بدل چکا ہے اور آیت کے معانی و مفاہیم میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عام آدمی کی سمجھ نہ آسکے۔

اسی لیے

اصولی طور پر اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ روزہ قضا کرنے یا نہ رکھنے والے شخص پر اگر فدیہ یا کفارہ لازم آتا ہے تو اسے کم سے کم اس طرح اور اس معیار کا کھانا "مسکین" کو کھلانا ضروری ہے جس طرح اور معیار کا کھانا وہ خود کھاتا ہے۔ یا اس معیار کے کھانے کی رقم کسی "مسکین" کو دے۔

یہ فدیہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے مومنین کے لیے سہولت ہے۔ اس لیے ہدایت کی گئی ہے کہ مومنین کو اس کی ادائیگی میں کنجوسی اور بچت کے بجائے فراخ دلی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس لیے آج کے دور میں مجتہد " طعام مسکین " کی حد معین نہیں کر سکتا کیونکہ ایک ہی ملک کے مختلف شہروں اور دیہاتوں نیز مختلف طبقات کے لوگوں میں اس کی حد مختلف طبقات کے لوگوں میں اس کی حد مختلف ہے۔ یہ بات ہر مکلف کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے کھانے پینے یا کبھی کبھی جو وہ اعلیٰ ہوٹلوں میں جا کر تفریحی طور پر مہنگا کھانا کھاتا ہے اس کے مطابق فدیہ یا کفارہ ادا کرے۔

اس سلسلہ میں جو یہ رسم ڈالی جاتی ہے کہ جن ملکوں میں مہنگائی ہوتی ہے وہاں کے رہنے والے ایسے علاقوں کے معیار سے حساب کرتے ہیں جہاں کھانا سستا ہو اور وہاں کی

قیمت کے حساب سے فدیہ ادا کر کے مسکینوں کے بجائے فقیروں اور بھکاریوں کو کھانا کھلا کر سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فدیہ ادا ہو گیا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ فدیہ کا وجوب جس شخص پر ہے اسے اپنے گھر، محلہ اور علاقہ کی قیمت اور معیار کے حساب سے ہی فدیہ نکالنا ہو گا۔ فقیر یا بھکاری کو دے کر فریضہ ادا نہیں ہو گا بلکہ اسے مسکین یعنی آبرو مند غریب کو تلاش کر کے اس تک پہنچانا ہو گا۔ فقیر یا بھکاری کو دینے سے بھی فریضہ ادا نہیں ہو گا۔

گویا فدیہ کی ادائیگی میں قرآن حکیم کی واضح ہدایت کے مطابق دو باتیں واجب ہیں:

۱۔ معیار:

یعنی اپنے کھانے پینے کے اعلیٰ ترین اخراجات کے مطابق ادا کیا جائے۔

۲۔ مسکین تک پہنچانا:

ایسے آبرو مند افراد تک پہنچایا جائے جن کی غربت لوگوں پر عیاں نہ ہو اور وہ غریب مشہور نہ ہوں۔

یہ بات بہت زیادہ توجہ طلب ہے کہ "مسکین" اور "فقیر" کا فرق کیا ہے؟

اس لیے ہم آئندہ صفحات میں "مسکین" کی وضاحت کریں گے۔ نیز یہ کہ فدیہ فقیر اور بھکاری کو دے دینے سے فریضہ ادا نہیں ہوتا۔ فدیہ اور کفارہ کی ادائیگی کے لیے "مسکین" کا تلاش کرنا اور فدیہ اور کفارہ کا اس تک پہنچانا ضروری ہے۔

اسی لیے

یہ بات توجہ طلب ہے کہ آج کل جو حضرات اور انجمنیں یا ٹرسٹ کی رقم سے سڑکوں پر بیٹھا کر بہت سے لوگوں کو کم قیمت کا کھانا کھلا کر سمجھتے ہیں کہ فریضہ ادا ہو گیا۔ انہیں توجہ رکھنا چاہیے کہ اس طرح فریضہ ادا نہیں ہوتا۔

البتہ، وہ حضرات اور انجمنیں جو آبرو مند لوگوں کے گھروں پر آذوقہ پہنچانے کا انتظام کرتے ہیں وہ اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کی لیاقت رکھتے ہیں۔

(ج) مسکین یا مساکین:

قرآن حکیم اور رسول و اہلبیت رسول علیہم السلام کی اصطلاح میں "مسکین" آبرو مندانہ صفت کا نام ہے۔ "مسکین" کی اصطلاح کا اطلاق آبرو مند اور شریف النفس انسانوں پر ہوتا ہے۔ یہ لوگ جو کم آمدنی اور کم وسائل کے باوجود آبرو مندانہ زندگی گذارتے ہیں۔ معاشرہ میں ان کو ضرورت مند نہیں سمجھا جاتا۔ لوگ ان سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کی ضرورتیں پوری کریں۔ وہ بھی اپنی کم مائیگی کے باوجود دوسروں کے قرض اور احسانات کے بوجھ تلے دب کر ان لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یوں وہ قرضوں اور احسانوں کے بوجھ تلے دبتے چلے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ان لوگوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

" لِلْفُقَرَاء الَّذِينَ أُحصِرُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاء مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ "(سورہ بقرہ ۲: ۲۷۳)

ان کم آمدنی والے لوگوں پر خرچ کرو:

جو،

اللہ جل جلالہ کی اطاعت اور حرام سے بچنے کی خاطر روزی کی تلاش میں گھروں یا شہروں سے باہر نہیں جاسکتے۔

نادان لوگ ان کو بے نیاز اور دولتمند سمجھتے ہیں۔

(ان سے چاہتے ہیں کہ وہ ان کی ضرورتیں پوری کریں)

تم،

ان کو ان کے نورانی اور آبرو مند چہروں اور پیشانیوں ہی سے پہچان سکتے ہو۔

کیونکہ،

یہ لوگ نہ تو منت سماجت کرتے ہیں، نہ ہی لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

ان لوگوں پر تم جو بھی نیک رقم خرچ کروگے۔ اللہ جل جلالہ اس کو اپنے علم میں محفوظ فرمائے گا۔

اس لیے،

دولتمند مومنین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کے آبرومند اور عفیف مومنوں کی تلاش کرکے ان کے گھروں پر تحفہ اور ہدیہ کے طور پر پہنچائیں۔

اس کام کے لئے دولتمند حضرات کو ان سے گھریلو رفت و آمد اور برابری کی سطح پر دوستی پیدا کرنا پڑے گی۔

چونکہ،

عام طور سے دولتمند اور تاجر حضرات کے لئے اس کام کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔

اس لیے،

یہ ذمہ داری نیک اور صالح علماء اپنے ذمہ لے کر بہترین طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔

اللہ تعالی سب مومنین کے نیک توفیقات میں اضافہ فرمائے، عبادتوں میں خلوص نیت عطا فرمائے اور عبادتوں کو شرفِ قبولیت مرحمت فرمائے۔

آمین بحق محمد و آلہ الطاہرین

روحانی ومالی عبادتیں

زکات کیا ہے؟

- واجب صدقہ یا زکات

زکات فطر — نصابی زکات

تجارتی مال پر زکات — قرض پر زکات

زیورات پر زکات

مومنین کی دوسری مالی ذمہ داریاں

سائل و محروم کا حق — ماعون

اللہ جل جلالہ کے حضور قرض الحسنہ — اطعام

صلہ رحم — صدقہ

ہبہ — وقف

وصیت — نذر

قسم

زکات ــــــــــــ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادتوں میں مسلمانوں کی جسمانی و روحانی عبادتوں میں نماز، نیز مالی و روحانی عبادتوں میں زکات کو بنیادی اہمیت عطا فرمائی ہے۔

مسلمان کی دو بڑی نشانیاں ہیں جن کے سبب وہ عملی طور پر دوسرے ادیان و مذاہب کے پیرو کاروں سے نمایاں نظر آتا اور مسلمان کہلاتا ہے اور وہ ہیں۔

نماز اور **زکات**

قرآن حکیم میں کم سے کم ۳۰ ؍مقامات پر نماز اور زکات کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد رب العزت ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (البقرہ:۲: ۱۱۰)

نماز قائم کرو (اس طرح ادا کرو کہ لوگ تم کو دیکھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیں) اور زکات بھی مسلسل ادا کرتے رہو۔

کیونکہ؛

تم جو کچھ اللہ تعالیٰ کے حضور نذر کروگے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر ضرور حاصل کروگے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال پر بھرپور نظر رکھتا ہے۔

زکات کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عَمَّنْ ذَكَرَهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ عَنِ الْمُفَضَّلِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ ع فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فِي كَمْ تَجِبُ

الزَّكَاةُ مِنَ الْمَالِ فَقَالَ لَهُ الزَّكَاةُ الظَّاهِرَةُ أَمِ الْبَاطِنَةُ تُرِيدُ فَقَالَ أُرِيدُهُمَا جَمِيعاً فَقَالَ أَمَّا الظَّاهِرَةُ فَفِي كُلِّ أَلْفٍ خَمْسَةٌ وَعِشْرُونَ وَ أَمَّا الْبَاطِنَةُ فَلَا تَسْتَأْثِرْ عَلَى أَخِيكَ بِمَا هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنْكَ «۱»

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا:

کتنے مال پر زکات واجب ہے؟

امام علیہ السلام نے سائل سے پوچھا:

تمہارا سوال ظاہری زکات کے بارے میں ہے یا باطنی زکات کے بارے میں؟

عرض کی دونوں کے بارے میں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

ظاہری زکات :

ہر ہزار (۱۰۰۰) میں پچیس (۲۵)۔

باطنی یا واقعی زکات:

جب بھی کسی ایسے انسان کو دیکھو جسے کسی چیز کی تم سے زیادہ ضرورت مند ہے، تو اپنی ضرورت کی قربانی دے کر اس کی ضرورت پوری کرو۔

قرآن حکیم میں زکات کی اصطلاح ان تمام مالی واجبات کے لئے استعمال ہوئی ہے، جو قرآن حکیم میں مسلمانوں کے اموال پر مختلف ناموں سے واجب قرار دیئے گئے ہیں۔

قرآن حکیم میں ان مالی واجبات کو ان کے ناموں سے پہچنوایا گیا ہے۔

۱۔ صدقہ: زکات اور زکات فطر ۲۔ خمس

۳۔ انفال و فئے ۴۔ سائل و محروم کا حق

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الزکاۃ: باب فرض الزکاۃ ومایجب فی المال من الحقوق: ج: ۳: ص: ۲۵۹، ح: ۱۹۲۳: ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۵۔ماعون	۶۔اللہ جل جلالہ کے حضور قرض الحسنہ
۷۔اطعام	۸۔صلہ رحم
۹۔صدقہ	۱۰۔ہبہ
۱۱۔وقف	۱۲۔وصیت
۱۳۔نذر	۱۴۔قسم

﴿ا﴾۔صدقہ:

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ (سورۂ توبہ:۹ : ۱۰۳)

تم ان لوگوں کے اموال میں سے صدقہ لے کر ان کے اموال اور نفوس کو پاکیزہ بنادو۔

اس کے ساتھ ہی تم مسلسل ان کے لئے نمازیں پڑھو اور دعائیں کرتے رہو۔تمہاری یہ نمازیں اور دعائیں ان کے لئے پریشانیوں سے نجات اور سکون قلب وذہن کا سبب بنیں گی۔

اللہ (ایمان، سکون ورزق میں) وسعت عطا فرمانے والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تاریخ اور موثق روایات ہمیں بتاتی ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نزول پر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے ذیل میں مسلمانوں پر سب سے پہلے:

﴿الف﴾ فطرہ:

جو صدقہ فطر یا زکات فطر کہلاتا ہے۔

﴿ب﴾نصابی زکات:

۹/ چیزوں میں معین نصاب پر معین صدقات واجب قرار دیئے۔

﴿ج﴾ تجارت میں لگے ہوئے رائس المال پر زکات:

رائس المال یا تجارت میں لگے ہوئے سرمایہ اور چیزوں پر زکات۔

زکات کی ان سب قسموں کو صدقہ واجب یازکات یازکات نصابی یا عشر ولگان بھی کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زکات فطر اور زکات مال کے لئے "صدقہ" کا لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ صاحب کنزِالعمال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

لا يَحِلّ لَكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ شَىء وَلا غَسَالَةَ الاَيْدِى. اِنَّ لَكُمْ فِي خُمُسِ الخُمُسِ مِمَّا يُغْنِيكُمْ وَيَكْفِيكُمْ. [۱]

اے میرے اہل بیت!

تم پر صدقات میں سے کوئی چیز حلال نہیں ہے۔ نہ ہی لوگوں کے ہاتھوں کا دھوون حلال ہے۔ تمہارے لئے خمس ہے جو تمہیں بے نیاز کردے گا اور تمہارے لئے کافی ہو گا۔

۱۔ علامہ ہندی؛ علی متقی بن حسام الدین: کنزالعمال: الزکاۃ: باب المصرف: ج:۱: ص: ۶۳۴: ح: ۱۶۵۳۰: ط: بیت الافکاالدولیہ: ریاض وامریکہ: ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء:

﴿۲﴾۔ خمس:

اس کے علاوہ قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۂ انفال: ۸:۴۱)

جان لو!

بے شک تم جو کچھ بھی نفع کماتے ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول واہلبیت رسول علیہم السلام، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ تم اللہ عزوجل،

اور...

اللہ عزوجل کی اس غیبی مدد کے نزول پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر یوم الفرقان اور یوم التقی الجمعان یعنی جنگ بدر کے موقع پر نازل فرمائی تھی۔ اللہ عزوجل ہر شئی پر قدرت رکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو خمس نکالنے کا حکم دیا۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبیلوں اور ملکوں کے سربراہوں کو بہت سے احکامات وفرامین تحریری طور پر خمس کے وجوب اور اس کی ادائیگی کے سلسلہ میں تحریر فرمائے جن میں سے کم از کم ۱۲ فرامینِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن اثیر کی اُلاُسدُالغابہ، ابن حجر کی الاصابہ، ابو عبید القاسم کی الاموال، بلاذری کی فتوح البلدان نیز کنزالعمال جیسی مستند کتابوں میں موجود و محفوظ ہیں۔ جس میں سے ایک کو ہم نمونہ کے طور پر نقل کر رہے ہیں:

مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ لِلْفُجَيْعِ وَمَنْ تَبِعَهُ وَأَسْلَمَ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَأَعْطَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَأَعْطَى مِنَ الْمَغَانِمِ خُمُسَ اللّٰهِ ﴿۱﴾

محمد نبی ﷺ کی طرف سے فجیع اور ان کے ساتھیوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اسلام لائے، نماز قائم کرتے ہیں زکاتادا کرتے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں اور مغانم و فوائد میں اللہ کے لئے خمس نکالتے ہیں۔

مسلمانوں کے نامور اور معتمد محدث امام بخاری نے اپنی کتاب الجامع الصحیح "کتاب الایمان" میں "باب اداء الخمس من الایمان" حدیث نمبر ۵۳ میں یہ حدیث نقل کی ہے:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ، قَالَ أَخْبَرَنَا شُعبَةُ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، قَالَ: كُنْتُ أَقعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ، يُجْلِسُنی عَلَى سَرِيرِه، فَقَالَ أَقِمْ عِندِی حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهماً مِنْ مَالِیْ، فَأَقَمتُ مَعَهُ شَهرَينِ، ثُمَّ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا ص رضی اللہ عنہما قَالَ: ((مِنَ الْقَوْمِ أَوْ مِنَ الْوَفْدِ؟)) قَالُوا: رَبِيْعَةُ. قَالَ: ((مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ. أوبالوَفدِ. غيْرَ خَزَايَا وَلاَ نَدَامَى)) فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ، اِنَّا لاَ نَستَطِيعُ أَنْ نأتِيكَ اِلاَّ فِي الشهرِ الحَرَامِ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الحَيُّ مِن كُفَّارِ مُضَرَ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ، نُخْبِرَ بِهِ مَنْ وَرَاءَ نَا، وَنَدخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَأَلُوهُ عَنِ الأَشْرِبَةِ، فأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ، وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: أَمَرَهُمْ بِالإِيمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَه،

قَالَ: ((أَتَدْرُونَ مَا الإِيمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَه؟)) قَالوا اللّٰه وَرَسُولُه أَعلمُ، قَالَ: ((شهَادَةُ أَنْ لااِلٰهَ اِلَّا الله وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامُ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءُ الزكات، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُعْطوا مِنَ

ا۔ابن سعد: محمد ابن سعد: الطبقات الکبری: ذکر وفادات العرب علی رسول اللہ ﷺ، وفد بنی البکاء: ج:ا: ص: ۳۰۴ و ۳۰۵: دار بیروت: لبنان: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۸ء

الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ)) وَنَهَاهُم عَن أَرْبَعٍ:((عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ، وَالنَّقِيْرِ وَالْمُزَفَّتِ))۔ وَرُبَّمَا قَالَ: الْمُقَيَّرِ۔

وَقَالَ: ((احفَظُوهنَّ، وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَائكُم)) [1]

علی بن جعد نے ہم سے حدیث بیان فرماتے ہوئے کہا:

ہمیں شعبہ نے ابی حمزہ کے ذریعہ خبر دی کہ انہوں نے کہا:

میں ابن عباس کے پاس بیٹھا، انہوں نے مجھے اپنے تخت، پلنگ پر بٹھایا، مجھ سے کہا:

تم میرے پاس ہی ٹھیر جاؤ۔ میں اپنے مال میں سے تمہیں بھی کچھ حصّہ دوں گا۔

میں دو مہینہ تک ان کے پاس ٹھیرا۔ انہی دنوں ابن عباس نے مجھے بتایا:

عبد القیس کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا۔

آپ ﷺ نے پوچھا:

کسی قوم میں سے ہو یا وفد بن کر آئے ہو؟

انہوں نے عرض کی:

ربیعہ...

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

خوش آمدید!

اے قوم، اے وفد!

خداوند عالم تمہیں ذلت وندامت سے محفوظ رکھے!

انہوں نے عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ!

۱۔ بخاری، ابو عبید اللہ محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح (صحیح البخاری): باب اداء الخمس من الایمان ج:۱: ص:۵۲: باب:۴۱: ط: دار القلم، بیروت: ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

ہم آپ ﷺ کے پاس صرف محترم مہینوں ہی میں آسکتے ہیں۔

کیونکہ،

ہمارے اور آپ ﷺ کے راستہ میں "مُضر" کے کفار کا ایک محلہ ہے، اس لئے براہ کرم آپ ﷺ ایک ایسا فیصلہ کن حکم فرمائیں جسے ہم اپنے بعد میں آنے والوں کو بھی بتائیں اور اس کے ذریعہ ہم جنت بھی حاصل کرلیں۔

نیز،

انہوں نے مشروبات کے بارے میں بھی پوچھا۔

آنحضرت ﷺ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے چار چیزوں کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

یکتا و یگانہ... اللہ پر ایمان لاؤ۔

آپؐ نے پوچھا:

تم جانتے ہو یکتا و یگانہ اللہ پر ایمان کے کیا معانی ہیں۔

انہوں نے عرض کی:

اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں!

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

یہ گواہی دینا کہ:

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں

اور...

محمد ﷺ، اللہ کے رسولؐ ہیں۔

پھر فرمایا:

﴿۱﴾ نماز قائم کرو۔

﴿۲﴾ زکات ادا کرو۔

﴿۳﴾ ماہ رمضان کے روزے رکھو۔

﴿۴﴾ اپنی آمدنی میں سے خمس ادا کرو۔

چار چیزوں سے منع فرمایا:

﴿۱﴾ حَنْتَم (سبز لاکھی برتن)

﴿۲﴾ دُبَاء (کدو کا تونبا)

﴿۳﴾ نقیر

﴿۴﴾ مزقت، مقیر (لکڑی کے کھدائی کیے ہوئے برتن)

اس زمانہ میں برتنوں کی یہ سب قسمیں شراب پینے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔

بہر حال اس روایت کو بخاری نے اپنی کتاب میں الفاظ کے کچھ اختلاف، مختلف سندوں کے ذریعہ مختلف ابواب میں حدیث نمبر ۸۷ و ۵۲۳ و ۱۳۹۸ و ۳۰۹۵ و ۳۵۱۰ و ۴۳۶۸ و ۴۳۶۹ و ۶۱۷۶ و ۷۲۶۶ و ۷۵۵۶ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ تمام روایات میں " أَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ " کا جملہ مشترک ہے۔

اسی لئے جب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"هی والله الإفادة یوماً بیوم "[۱]

اللہ عزوجل کی قسم اس سے مراد روزانہ کی
آمدنی سے ہونے والا فائدہ (بچت) ہے

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا:

عَلٰی کُلِّ امْرِیءٍ غَنِمَ اَوِ اکْتَسَبَ خُمُسٌ [۱]

۱۔ طوسی: شیخ ابو جعفر محمد بن حسن: تہذیب الاحکام: باب الخمس والغنائم: ج: ۳: ص: ۶۶۷: ۱۰۹: ح: ۴۵۳۲: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

ہر وہ انسان جس کو کوئی فائدہ پہنچے یا کچھ کمائے،
اس پر خمس واجب ہے۔

علامہ طریحی نے اپنی لغت مجمع البحرین میں خمس غنائم کے بارے میں "غنم" کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

الْغَنِيمَةُ فی الأصل هی الفائدة المكتسبة [۲]

بنیادی طور پر غنیمت کے معانی محنت مزدوری
کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا فائدہ ہے۔

حضرت ابو حنفیہؒ کے شاگرد رشید ابو یوسف نے جن کا مقبرہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضہ اقدس کے احاطہ میں ہے فتویٰ دیا ہے:

فی کل ما اصیب من المعادن قلیل او کثیر الخمس، ولو ان رجلا اصاب شئی من المعدن اقل من وزن مائتی درهم فضه او من وزن عشرین مثقالا ذهبا فیه الخمس۔ [۳]

انسان کو معادن سے کم ملے یا زیادہ اس پر خمس ہے۔ چاہے انسان کو ۲۰۰/ درہم چاندی یا ۲۰/ مثقال سونے سے کم ہی کیوں نہ ملے اس پر خمس ہے۔

۱۔ طوسی: شیخ ابو جعفر محمد بن حسن: تہذیب الاحکام: باب الخمس والغنائم: ج: ۳: ص: ۶۶۷ح: ۴۵۳۶: ط: الامیرة: بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ طریحی، شیخ فخر الدین: مجمع البحرین: باب المیم واولہ الغین: غنم: ج: ۶: ص: ۱۲۹: ط: المکتبۃ المرتضویۃ، تہران: ط: ثانی: ۱۳۹۵ھ۔

۳۔ ابو یوسف؛ قاضی یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری الکوفی: کتاب الخراج: باب فی قسمۃ الغنائم: ج: ۱: ص: ۲۱: ط: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت: ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

﴿۳﴾۔انفال و فئے :

ارشاد رب العزت ہے۔:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (سورہ انفال: ۸ :۱)

یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں۔
ان سے کہیئے کہ
انفال اللہ عزو جل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔

انفال اور فئے ان اموال کو کہا جاتا ہے جو :

﴿۱﴾ مال دشمنان اسلام سے جنگ کے بغیر ان کے چھوڑے جانے کے سبب حاصل ہو۔

﴿۲﴾ لاوارث انسان کا ترکہ۔

﴿۳﴾ زمین اموات، یعنی، جنگل میدان، پہاڑ وغیرہ

﴿۴-۱۴﴾۔ مومنین کی دوسری مالی ذمہ داریاں :

ان کے علاوہ بعض ایسے مالی واجبات ہیں جن کے بارے میں اللہ جل جلالہ اور رسول و اہلبیت علیہم السلام نے فرمایا کہ نیک اور باعمل مومن ان مالی ذمہ داریوں کو واجب ہی سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ جو یہ ہیں:

﴿۴﴾۔ سائل و محروم کا حق

﴿۵﴾۔ ماعون

﴿۶﴾۔ اللہ جل جلالہ کے حضور قرض الحسنہ

﴿۷﴾۔ اطعام

﴿۸﴾۔ صلہ رحم

﴿۹﴾۔ صدقہ

﴿۱۰﴾۔ ہبہ

﴿۱۱﴾۔ وقف

﴿۱۲﴾۔ وصیت

﴿۱۳﴾۔ نذر

﴿۱۴﴾۔ قسم

یہ مختصر وضاحت اس لئے ضروری تھی کہ یہ غلط فہمی دور کی جائے کہ خمس و زکات و انفال الگ عنوان ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ فقہی احکام کے لحاظ سے ان کو ان عنوانوں کے ذیل میں تقسیم کیا گیا ہے۔

لیکن...

قرآن حکیم کی اصطلاح میں "زکات" کا لفظ تمام مالی واجبات یعنی خمس، صدقہ فطر، صدقہ نصاب، خمس اور انفال وغیرہ پر لاگو ہوتا ہے۔

عام طور سے ہم لوگ جس مال واجب کو زکات کہتے ہیں وہ قرآنی اصطلاح میں "صدقہ" ہے۔

اسی طرح "زکات فطر" بھی قرآن کے الفاظ میں "صدقہ" ہی کہلاتا ہے۔

﴿۱﴾۔واجب صدقہ یا زکات

زکات جسے قرآن حکیم نے صدقہ کا نام دیا ہے، اسلام کے اہم مالی واجبات میں سے ہے۔ اس کے ادا نہ کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔

زکات کی چند قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ زکات فطر

﴿۲﴾ نصابی زکات

﴿۳﴾ تجارتی مال پر زکات

﴿۴﴾ قرض پر زکات

قرآن حکیم نے زکات فطر، زکات نصابی اور زکات مال تجارت کو "صدقہ" کے کلمہ سے یاد کیا ہے۔ اس لیے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے، رسولؐ و آل رسول علیہم السلام پر اس زکات کی حرمت کے لیے ارشاد فرمایا ہے:

يَا اَبَا رَافِع...!

اَنَّ الصَّدَقَةَ حَرَامٌ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَ إِنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ. [۱]

اے ابو رافع...!

صدقہ (زکواۃ واجب) محمد و آل محمد علیہم السلام پر حرام ہے۔

بے شک...!

مسلمانوں کا حاکم اور امام، آل محمد علیہم السلام ہی میں سے ہے۔

۱۔ علامہ ہندی؛ علی متقی بن حسام الدین: کنزالعمال: الزکاۃ: باب المصرف: ج:۱: ص: ۶۳۴: ح:۱۶۵۳۱: ط: بیت الافکا الدولیہ: ریاض وامریکہ: ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

﴿الف﴾ زکات فطر:

زکات فطر ماہ رمضان کے روزے مکمل کرنے کے شکرانہ کے طور پر عید فطر کے موقعہ مسلمان پر واجب ہے۔

اس کی مقدار ایک صاع (۴/مُد) یعنی ۲۹ے.۲ کیلو گرام کے برابر طعام یعنی گندم، جو، چاول یا خرما ہے۔

زکات فطر کی ادائیگی ہر اس مکلف پر واجب ہے۔ جو شب عید فطر بالغ ہو جائے۔

ہر مکلف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اور ان تمام افراد کی جانب سے زکات فطر ادا کرے جو اس کی کفالت میں ہوں۔ جن کا نان و نفقہ یعنی کھانا پینا اور رہائش وغیرہ اس کے ذمہ ہو۔ خواہ وہ ایسا بچہ ہو جو ماہِ رمضان کی آخری تاریخ یعنی شب عید کے غروب آفتاب سے پہلے پیدا ہوا ہو۔

عام مہمان، یعنی روز مرّہ کھانے کی دعوت پر آنے والے مہمانوں کا فطرہ خود ان ہی پر واجب ہے۔ میزبان پر واجب نہیں ہے۔

مہمان کا فطرہ صرف اس صورت میں میزبان پر واجب ہے جب وہ عرف میں میزبان کے اہل و عیال میں شمار ہوتا ہو۔ یعنی اس کا نان و نفقہ اور رہائش وغیرہ میزبان کے ذمہ ہو۔

جو مہمان کسی میزبان کی کفالت میں ہو وہ اگر اپنا فطرہ خود نکالنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ میزبان کی طرف سے نیت کر کے نکالے۔ اس صورت میں میزبان پر سے اس کے فطرہ کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی۔

زکات فطر کے لیے ضروری ہے کہ عمومی خوراک کی جنس یعنی گیہوں، چاول، گوشت وغیرہ سے ہو۔ لیکن ان چیزوں کے بجائے ان کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

زکات فطر مومنین میں سے فقراء کو دی جانا چاہیے۔ خاص طور سے عزیز و اقربا اور ہمسایہ وغیرہ کو۔

زکات فطر جن لوگوں کو دی جائے ان کے لیے واضح ہونا چاہیے کہ وہ اسے حرام میں خرچ نہیں کریں گے۔

ایک شخص کو کئی اشخاص کا فطرہ دیا جا سکتا ہے۔

زکات فطر ان لوگوں کو نہیں دیا جا سکتا جو خود فطرہ نکالنے والے کی کفالت میں ہوں۔

زکات فطر کے لیے ضروری ہے کہ عید کے دن نماز ظہر سے پہلے نکال دیا جائے۔

اسی طرح فطرہ عید کے دن نماز ظہر سے پہلے مستحق افراد تک پہنچانا بھی ضروری ہے۔

اگر زیادہ مستحق افراد کی تلاش کے سلسلہ میں دیر کے سبب ادائیگی میں تاخیر یا دیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ دیر خواہ کتنی ہی طولانی کیوں نہ ہو۔

فطرہ نکال دینے کے بعد اگر جنس کو پیسے میں تبدیل کر دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿ب﴾ نصابی زکات:

نصابی زکات:

﴿۱﴾ ہر مسلمان پر واجب نہیں۔

﴿۲﴾ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہوں۔

﴿۳﴾ ہر چیز پر واجب نہیں۔ صرف نو چیزوں پر اس وقت واجب ہے جب وہ نصاب کی حد تک پہنچ جائیں۔

﴿۴﴾ یہ نو چیزیں اور ان کا نصاب رسول اکرم ﷺ نے معین فرما کر حد قائم کر دی ہے۔

﴿۵﴾ کسی کو حق نہیں ہے کہ ان کی تعداد یا نصاب میں رد و بدل کرے۔

زکات کا تعلق انسان کے ذمہ سے ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ زکات کا تعلق فقط مال سے ہے کہ اگر زکات واجب ہونے کے بعد ادا کرنے سے پہلے مال ضائع ہو جائے تو زکات معاف ہو جائے گی۔ بلکہ جب کسی پر زکات واجب ہو چکی ہو اور کسی سبب سے اس نے زکات، ادا نہ کی ہو۔ پھر مال ضائع ہو جائے۔ تب بھی اسے زکات، ادا کرنا ہو گی۔

یہاں ہم ان نو چیزوں کے نام اور ان کے نصاب کی تفصیل بیان کریں گے۔

اشیاءِ نُہ گانہ

جن نو (۹) چیزوں پر زکات واجب ہے، ان کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ ________________ سونا

﴿۲﴾ ________________ چاندی

﴿۳﴾ ________________________ گندم

﴿۴﴾ ________________________ جَو

﴿۵﴾ ________________________ خرما

﴿۶﴾ ________________________ منقیٰ

﴿۷﴾ ________________________ بھیڑ، بکری

﴿۸﴾ ________________________ گائے

﴿۹﴾ ________________________ اونٹ

نصاب

ان نو چیزوں پر زکات کے وجوب کے شرائط اور نصاب الگ الگ ہیں:

(۱و۲) سونا اور چاندی:

شرطیں:

سونے اور چاندی پر زکات کی شرطیں درج ذیل ہیں:

﴿۱﴾ سونا یا چاندی رائج الوقت سکہ کی شکل میں ہو۔

﴿۲﴾ بازار میں ان سکوں سے خرید و فروخت رائج ہو۔

﴿۳﴾ ان سکوں کا وزن معین نصاب کے مطابق ہو۔

﴿۴﴾ نصاب بھر کے سکے سال بھر تک ایک ہی حالت میں محفوظ رہیں۔ زیور کے طور پر استعمال نہ ہوں۔ نہ ہی قرض دیئے جائیں۔ نہ کم ہوں۔ بدلے، بیچے اور خریدے نہ جائیں۔ نہ تحفہ یا ہدیہ کے طور پر دیئے جائیں۔ سال سے مراد چاند کے گیارہ مہینوں کا مکمل ہو کر بارہویں مہینہ کا شروع ہونا ہے۔ یعنی اگر یہ سکے گیارہ مہینے تک ایک ہی حالت میں رہیں تو بارہویں مہینے کے آغاز پر زکات ادا کرنا ہو گی۔ لیکن، نئے سال کا آغاز بارہویں مہینے کی تکمیل کے بعد ہو گا۔

﴿۱﴾ سونے کا نصاب:

سونے کے دو نصاب ہیں:

﴿۱﴾ سونے کے رائج الوقت سکہ کا پہلا نصاب یہ ہے:

کہ ان کا مجموعی وزن 20 /مثقال شرعی یعنی 66.8/ گرام ہو (آج کل کے اوزان کے مطابق مثقال شرعی تقریباً 3.304/ کے برابر ہے)۔

﴿۲﴾ سونے کے رائج الوقت سکہ کا دوسرا نصاب چار مثقال شرعی یعنی 13.216/ گرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب 20 /مثقال یعنی 66.8/ گرام پر مزید چار مثقال یعنی 13.216/ گرام کا اضافہ ہو تو 24/مثقال یعنی 79.296 / گرام پر زکات ہے۔ اگر 23.75/مثقال یا اس سے کم ہو تو فقط 20 /مثقال یعنی 66.8/ گرام پر زکات ہے۔ باقی پر نہیں ہے۔ اسی طرح چار چار مثقال یعنی ہر 13.216/ گرام کے اضافہ پر زکات ہوگی اس سے کم اضافہ پر زکات نہیں ہوگی۔

مثلاً: 44,40,36,32,28,24/مثقال پر زکات ہوگی لیکن اگر وزن 43 ,39,35,31,27,23 مثقال ہو تو 40,36,32,28,24,20/مثقال پر زکات ہوگی، زائد 3/مثقال پر زکات نہیں ہوگی۔

﴿۲﴾ چاندی کا نصاب:

چاندی کے بھی دو نصاب ہیں:

﴿۱﴾ چاندی کے رائج الوقت سکوں کا پہلا نصاب یہ ہے کہ ان کا مجموعی وزن 105 /مثقال شرعی یعنی 347.13/ گرام ہو۔

﴿۲﴾ چاندی کے رائج الوقت سکوں کا دوسرا نصاب 21/مثقال شرعی یعنی 29.38 / گرام ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چاندی کے رائج الوقت سکوں کا وزن 105/سے بڑھ کر 210,189,168,147,126/مثقال۔۔۔۔۔۔۔۔ ہو جائے اور اس کا مکمل وزن 105/سے بڑھ کر 209,188,167,146,125 یا 209 / ہو تو اس سے

پہلے والے مکمل وزن یعنی 189,168,147,126,105 پر زکات واجب ہو گی اور باقی 20/مثقال پر معاف ہو گی۔

زکات کی مقدار:

سونے اور چاندی کے متداول سکوں پر زکات کی مقدار چالیسواں حصہ ڈھائی فیصد یعنی 2.5/فیصد ہے۔

(۳تا۶) گیہوں یا گندم، جو، خرما، منقیٰ

شرطیں:

﴿۱﴾ ان چار چیزوں پر زکات اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی فصل پک کر کٹے۔ یعنی پکی ہوئی گندم، جو، خرما اور منقیٰ اگر سال بھر تک محفوظ رہے تو اس پر زکات نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ تجارت کے لیے سال بھر رکھا رہے تو تجارتی مال پر زکات کے ذیل میں اس پر زکات واجب ہو گی جس کا ذکر الگ باب میں آئے گا۔

﴿۲﴾ فصل پکنے اور کٹنے کے وقت جس شخص کی ملکیت میں ہو اس پر زکات واجب ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ جو فصل کاٹ رہا یا پھل اتار رہا ہو اس نے فصل بوئی یا پھل اگائے بھی ہوں۔ اگر اس نے لگی ہوئی فصل خریدی ہو اور اب کاٹ رہا ہے، تو نصاب پورا ہونے پر زکات دے۔

﴿۳﴾ فصل کٹنے یا پھل اتارنے اور فصل پر آنے والے اخراجات اس کے کل وزن سے نکالنے کے بعد، ان کا وزن معین نصاب کے برابر ہو۔

نصاب:

گیہوں یا گندم، جو، خرما اور منقیٰ کا نصاب 850/کیلو گرام ہے۔

زکات کی مقدار:

ان چاروں چیزوں پر زکات کی مقدار کا تعین پانی کے استعمال کی نوعیت کے مطابق ہے۔

﴿الف﴾: بارانی یا نہری:

جو زمین بارشوں، نہر یا چشمہ یعنی قدرتی پانی سے سیراب ہو اس پر پکنے والی فصلوں یا پھلوں کی زکات نصاب کا دسواں حصہ، 10% (۱۰فیصد) یعنی 85/ کیلو ہو گی۔

﴿ب﴾: کنویں، ٹیوب ویل یا کاریز:

جو زمین انسانی وسائل یعنی کنویں، ٹیوب ویل یا کاریز وغیرہ سے سیراب ہو، اس پر اگنے والی فصلوں یا پھلوں کی زکات نصاب کا بیسواں حصہ، 5% (۵فیصد) یعنی ساڑھے بیالیس 42.5/ کیلو ہو گی۔

(۷تا۹) بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ

شرطیں:

﴿۱﴾ یہ جانور اپنے اپنے معین نصاب کے برابر ہوں۔

﴿۲﴾ یہ جانور نصاب کے برابر اپنے مالک کے پاس سال بھر یعنی پورے گیارہ مہینے رہیں۔

﴿۳﴾ سال بھر ان جنگلوں اور چراگاہوں سے چریں جو قدرتی ہوں۔ جن پر چرانے کی قیمت یا اجرت مالک کو نہ دینا پڑے۔

﴿۴﴾ پورے سال یا اس کا بیشتر حصہ مالک کی خریدی ہوئی گھاس یا چارہ پر نہ پلیں۔

نصاب

بھیڑ اور بکری کا نصاب اور مقدار:

بھیڑ، بکری کے ۵/ نصاب ہیں۔

یہ نصاب اور ان پر زکات کی مقدار درج ذیل ہے:

	نصاب	تعداد	مقدار
۱	پہلا نصاب	۴۰ ،عدد	ایک بھیڑ یا بکری
۲	دوسرا نصاب	۱۲۱ ،عدد	دو بھیڑیں یا بکریاں
۳	تیسرا نصاب	۲۰۱ ،عدد	تین بھیڑیں یا بکریاں
۴	چوتھا نصاب	۳۰۱ ،عدد	چار بھیڑیں یا بکریاں
۵	پانچواں نصاب	۴۰۰ اور اس سے زیادہ	جب بھیڑ یا بکریوں کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچ جائے تو ہر سو بھیڑوں بکریوں پر ایک بھیڑ یا بکری کے حساب سے زکات دی جائے گی۔

زکات کی شرطیں:

﴿۱﴾ جانور سال بھر بے کار رہا ہو۔ اس سے کوئی کام نہ لیا گیا ہو۔ یعنی اس پر سواری نہ کی گئی ہو، ہل یا بیل گاڑی میں جوتا نہ گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔

جن جانوروں سے سال کے کسی حصہ میں کام لیا جاتا ہو ان پر زکات نہیں ہے۔

﴿۲﴾ جانور سال بھر جنگل بیابان، پہاڑوں وغیرہ یعنی قدرتی چراگاہوں میں چرے۔ جو جانور مالک کے خرچہ پر پلیں، ان پر بھی نصابی زکات نہیں ہے۔

نصاب

﴿الف﴾: گائے کا نصاب:

گائے کے دو نصاب ہیں:

﴿۱﴾ پہلا نصاب:

گائے کے پہلے نصاب کی تعداد تیس ہے۔

﴿۲﴾ دوسرا نصاب:

گائے کے دوسرے نصاب کی تعداد چالیس ہے۔

دوسرے نصاب کے بعد جب جانوروں کی تعداد اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ کسی ایک نصاب کی تعداد پر تقسیم ہو سکتے ہوں تو ان کی تعداد کو پہلے یا دوسرے نصاب کی تعداد پر تقسیم کرکے زکات کی ادائیگی کا حساب کیا جائے گا۔

مثلاً اگر تعداد ۶۰ / یا ۶۵ / ہے تو ۳۰ / پر تقسیم کرکے ۲ ، گروہوں سے

اگر تعداد ۸۰ / یا ۸۵ / ہے تو ۴۰ / پر تقسیم کرکے ۲ / گروہوں سے زکات ادا کی جائے گی۔

اسی طرح اگر تعداد ۱۰۰ / یا ۱۰۵ / ہے تو ۳۰ / پر تقسیم کرکے ۳ / گروہوں سے

اور اگر تعداد ۱۳۰ / یا ۱۳۵ / ہے تو ۴۰ / پر تقسیم کرکے ۳ / گروہوں سے زکات ادا کی جائے گی۔

مقدار:

پہلے نصاب پر زکات ایک ایسی بچھیا ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔

دوسرے نصاب پر زکات ایک ایسی بچھیا ہے جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔

جب جانوروں کی تعداد دونوں نصابوں سے بڑھ جائے اور ان کی زکات نکالنے کے لیے انہیں پہلے یا دوسرے نصاب کی تعداد پر تقسیم کرکے گروہوں کی زکات نکالی جائے تو زکات کی ادائیگی اسی نصاب کے مطابق ہوگی جس کے مطابق گروہ بندی کی گئی ہے مثلاً اگر ۳۰، ۳۰، ۳۰ / کے دو، تین یا چار گروہ ہوتے ہیں تو دو، تین یا چار بچھیاں یا اگر ۴۰، ۴۰ / کے دو، تین یا چار گروہ ہوتے ہیں تو دو، تین یا چار بچھیاں زکات کے طور پر دی جائیں گی۔

﴿ب﴾: اونٹ کا نصاب:

اونٹ کے نصاب ۱۲ ہیں۔ ان کی تعداد اور مقدار درج ذیل ہے:

	نصاب	تعداد	مقدار

﴿۱﴾	پہلا نصاب	۵ ؍ اونٹ	ایک بھیڑ
﴿۲﴾	دوسرا نصاب	۱۰ ؍ اونٹ	دو بھیڑیں
﴿۳﴾	تیسرا نصاب	۱۵ ؍ اونٹ	تین بھیڑیں
﴿۴﴾	چوتھا نصاب	۲۰ ؍ اونٹ	چار بھیڑیں
﴿۵﴾	پانچواں نصاب	۲۵ ؍ اونٹ	پانچ بھیڑیں
﴿۶﴾	چھٹا نصاب	۲۶ ؍ اونٹ	"بنت مخاض" یعنی او نٹ کی بچھیا جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔
﴿۷﴾	ساتواں نصاب	۳۶ ؍ اونٹ	"بنت لبون" یعنی او نٹ کی بچھیا جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔
﴿۸﴾	آٹھواں نصاب	۴۶ ؍ اونٹ	"حقّہ" یعنی او نٹ کی بچھیا جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو۔
﴿۹﴾	نواں نصاب	۶۱ ؍ اونٹ	"جذعہ" یعنی ایسی او نٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہو۔
﴿۱۰﴾	دسواں نصاب	۷۶ ؍ اونٹ	"دو بنت لبون" یعنی او نٹ کی دو ایسی بچھیاں جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں۔

﴿۱۱﴾	گیارہواں نصاب	۹۱ اونٹ	"دوحقّــة" یعنی اونٹ کی دو ایسی بچھیاں جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہوں۔
﴿۱۲﴾	بارہواں نصاب	۱۲۱ اونٹ جب اونٹوں کی تعداد ۹۱ سے آگے بڑھے تو جب تک ۱۲۱ تک نہ پہنچے گیارہویں نصاب کے مطابق زکات نکالی جائے گی۔ تعداد کے ۱۲۱ تک پہنچ جانے یا اس سے زیادہ ہو جانے پر چالیس، چالیس اور پچاس پچاس کے گروہ بنا کر ان گروہوں کی تعداد کے مطابق زکات ادا کی جائے گی۔ مثلاً اگر تعداد ۱۲۱ ہو تو چالیس چالیس کے تین گروہ بنیں گے۔ اگر ۱۴۰ ہو تو دو گروہ پچاس پچاس کے اور ایک ۴۰ کا بنے گا۔	۴۰ کے ہر گروہ پر ایک "بنت لبون" یعنی اونٹ کی ایک ایسی بچھیا جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ ۵۰ کے ہر گروہ پر ایک "حقّة" یعنی اونٹ کی ایک ایسی بچھیا جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو۔

﴿ج﴾ تجارتی مال یا رائس المال پر زکات:

حدیث میں ہے:

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مَرَّارٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ رَزِينٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ أَنَّهُ عليه السلام قَالَ:

كُلُّ مَالٍ عَمِلْتَ بِهِ فَعَلَيْكَ فِيهِ الزَّكَاةُ إِذَا حَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ

قَالَ يُونُسُ تَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنَّهُ كُلُّ مَا عُمِلَ لِلتِّجَارَةِ مِنْ حَيَوَانٍ وَ غَيْرِهِ فَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةُ.[۱]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جو چیز تمہارے لئے آمدنی کا سبب بنے، اگر اس پر ایک سال گذر جائے تو اس سے زکات نکالو، یونس نے کہا ہے:

اس کی تفسیر یہ ہے کہ جس چیز سے بھی تجارت کی جائے چاہے وہ جانور ہو یا کوئی اور چیز اس پر زکات ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

أَحْمَدُ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْكَرْخِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ علیہ السلام عَنِ الزَّكَاةِ، فَقَالَ:

مَا كَانَ مِنْ تِجَارَةٍ فِي يَدِكَ فِيهَا فَضْلٌ لَيْسَ يَمْنَعُكَ مِنْ بَيْعِهَا إِلَّا لِتَزْدَادَ فَضْلاً عَلَى فَضْلِكَ فَزَكِّهِ وَ مَا كَانَتْ مِنْ تِجَارَةٍ فِي يَدِكَ فِيهَا نُقْصَانٌ فَذَلِكَ شَيْءٌ آخَرُ[۲]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے زکات کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

تمہارے پاس تجارت کا جو بھی ایسا مال یا چیز ہو جس میں تمہیں فائدہ ہو۔ تمہارے نزدیک اسے نہ بیچنے کا سبب فقط یہ ہو کہ تمہیں اس میں زیادہ فائدہ کا خیال ہو۔ اس کی زکات نکالو۔

البتہ تجارت کا جو مال ایسا ہو جس میں نقصان ہی نقصان ہو اس کا معاملہ دوسرا ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الزکاۃ: باب الرجل یشتری المتاع فیکسد علیه والمضاربة: ج: ۳: ص: ۲۷۶، ح: ۲۰۳۳: ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الزکاۃ: باب الرجل یشتری المتاع فیکسد علیه والمضاربة: ج: ۳: ص: ۲۷۷، ح: ۲۰۳۵: ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

الکافی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس سے ملتی جلتی بہت سی حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

☆ ہر ایسے تجاتی سرمایہ پر زکات ہے جو انسان کو فائدہ دے رہا ہو یا اس سے فائدہ ملنے کا امکان ہو۔

☆ یہاں تک کہ احادیث میں اس بات تک کی تاکید کی گئی ہے کہ:

اگر،

کسی شخص کے پاس گھر میں کوئی ایسا سامان یا مال ہے جس میں اسے یہ دلچسپی ہو کہ وہ اس سے تجارت کر کے فائدہ حاصل کرے گا۔ اس کی بھی زکات نکالے۔

☆ شراکت کے سرمایہ میں شرکاء کو ایک دوسرے کو زکات نکالنے کی ترغیب دلانا ضروری ہے۔

☆ تجارت کے شرکاء کسی ایک کو اپنی طرف سے زکات نکالنے کا اختیار یا وکالت دے سکتے ہیں۔ یہ شخص کوئی شریک بھی ہو سکتا ہے۔

﴿د﴾ قرض پر زکات:

حدیث میں آیا ہے:

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حَرِيزٍ عَنْ زُرَارَةَ قَالَ:
قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللّهِ عليه السلام: رَجُلٌ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قَرْضاً عَلَى مَنْ زَكَاتُهُ عَلَى الْمُقْرِضِ أَوْ عَلَى الْمُقْتَرِضِ؟ قَالَ عليه السلام:
لَا بَلْ زَكَاتُهَا إِنْ كَانَتْ مَوْضُوعَةً عِنْدَهُ حَوْلًا عَلَى الْمُقْتَرِضِ
قَالَ، قُلْتُ: فَلَيْسَ عَلَى الْمُقْرِضِ زَكَاتُهَا؟ قَالَ عليه السلام:
لَا يُزَكَّى الْمَالُ مِنْ وَجْهَيْنِ فِي عَامٍ وَاحِدٍ وَلَيْسَ عَلَى الدَّافِعِ شَيْءٌ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِهِ شَيْءٌ إِنَّمَا الْمَالُ فِي يَدِ الْآخِذِ فَمَنْ كَانَ الْمَالُ فِي يَدِهِ زَكَّاهُ؟
قَالَ، قُلْتُ: أَفَيُزَكِّي مَالَ غَيْرِهِ مِنْ مَالِهِ؟ فَقَالَ عليه السلام:
إِنَّهُ مَالُهُ مَا دَامَ فِي يَدِهِ وَلَيْسَ ذَلِكَ الْمَالُ لِأَحَدٍ غَيْرِهِ. ثُمَّ قَالَ عليه السلام:

يَا زُرَارَةُ ! أَرَأَيْتَ وَضِيعَةَ ذَلِكَ الْمَالِ وَ رِبْحَهُ لِمَنْ هُوَ وَ عَلَى مَنْ
قُلْتُ، لِلْمُقْتَرِضِ ۔قَالَ عليه السلام :
فَلَهُ الْفَضْلُ وَ عَلَيْهِ النُّقْصَانُ وَلَهُ أَنْ يَنْكِحَ وَ يَلْبَسَ مِنْهُ وَ يَأْكُلَ مِنْهُ
وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُزَكِّيَهُ بَلْ يُزَكِّيهِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ۔ [۱]

زرارہ کہتے ہیں، میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:
کوئی شخص، کسی کو قرض دے۔ اس مال کی زکات کس پر ہے؟ قرض دینے والے پر یا قرض لینے والے پر؟
امام علیہ السلام نے فرمایا:
قرض لینے والے پر۔
میں نے عرض کی: قرض دینے والے پر اس کی زکات نہیں ہے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا:
ایک مال سے ایک ہی سال میں دو طرف سے زکات نہیں نکلتی۔ قرض دین والے زکات نہیں ہے۔مال اب اس کے پاس ہے ہی نہیں۔
اس وقت مال قرض لینے والے کے پاس ہے۔جس کے پاس مال ہے وہی زکات ادا کرے گا۔
میں نے عرض کی: کیا وہ کسی اور کے مال کی زکات اپنی جیب سے نکالے ؟
امام علیہ السلام نے فرمایا:
جب تک یہ مال اسکے پاس ہے، وہ اس مال کا مالک ہے۔ کوئی اور
اس نہ اس پر کسی اور کو تصرف کا حق حاصل ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الزکاۃ: باب زکاۃ المال الغائب والدین والودیعۃ : ج: ۳: ص: ۲۷۲، ح: ۲۰۰۳: ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا:

زرارہ!

تم نے غور کیا؟ اس وقت اس مال کا اختیار اور اس سے حاصل ہونے والے فائدے کا مالک کون ہے؟

میں نے عرض کی: قرض لینے والے کا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

فائدہ بھی اس کا ہے، نقصان بھی اس کا ہے۔ وہ اس مال سے شادی کر سکتا ہے۔ کپڑے خرید اور پہن سکتا ہے۔ کھا پی سکتا ہے۔

اب وہ اس سے نہ نکالے!؟

اس کی زکات اسی کو نکالنا ہو گی۔ یہ اسی پر واجب ہے۔

اس اور اس قسم کی دوسری حدیثوں کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:

☆ کسی شخص کے پاس مال ہو۔ وہ اس کو خرچ کرنے اور استعمال کرنے میں آزاد ہو:

☆ وہ اسے تجارت میں لگائے یا کسی اور کام میں لائے یا نہ لائے مگر اسے خیال ہو کہ اگر یہ اس کے پاس رکھا رہے تو اس میں فائدہ کا امکان ہے۔

☆ یہ مال اس نے قرض لیا ہو۔

☆ مضاربہ پر لیا ہو۔

☆ کسی نے اس کے پاس رکھوا کر، اسے اس کے استعمال کرنے اختیار دے دیا ہو:

☆ یہ مال نصاب کے برابر یعنی 66.8 / گرام سونے کی قیمت کے برابر ہو۔

☆ اس پر سال پورا ہو جائے۔

☆ اس پر واجب ہے، وہ خود اس سے زکات نکالے۔

یہاں تک کہ اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ:

☆ کسی کے پاس اتنا مال ہو کہ اس پر زکات واجب ہو۔

☆اس پر اتنا ہی یا اس سے زیادہ قرض واجب الادا ہو۔

☆جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس سے زکات نکال۔

تجارتی مال پر زکات کی مقدار :

اس زکات کی مقدار بیس فی صد ہے۔

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ عِيسَى عَنْ حَرِيزٍ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه السلام وَ ضُرَيْسٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام أَنَّهُمَا قَالا: أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَ لَهُ مَالٌ مَوْضُوعٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ فَإِنَّهُ يُزَكِّيهِ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ مِثْلُهُ وَأَكْثَرُ مِنْهُ فَلْيُزَكِّ مَا فِي يَدِهِ.[۱]

زراہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے،

ضریس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے

حدیث روایت کی ہے، دونوں اماموں نے فرمایا:

جس کے پاس کوئی مال ہو۔ اس مال پر سال گذر جائے۔ وہ اس سے زکات نکالے۔ چاہے وہ اتنا ہی یا اس سے زیادہ مقروض ہی کیوں نہ ہو۔ جو کچھ اس کے پاس اور اس کی ملکیت میں ہے اس سے زکات نکالے۔

زیورات پر زکات نہیں ہے :

زیورات پر زکات نہیں ہے خواہ یہ سونے کے ہوں، چاندی کے ہوں یا جواہرات کے۔ خواہ ان کی قیمت کتنی ہی زیادہ ہو۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں موجود ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے:

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ رِفَاعَةَ قَالَ:

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الزکاۃ: باب زکاۃ المال الغائب والدین والودیعۃ: ج: ۳: ص: ۲۷۳، ح: ۲۰۱۰: ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام وَ سَأَلَهُ بَعْضُهُمْ عَنِ الْحُلِيِّ فِيهِ زَكَاةٌ فَقَالَ عليه السلام :

لَا وَلَوْ بَلَغَ مِائَةَ أَلْفٍ [۱]

رفاعہ کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے زیورات پر زکات کے بارے میں پوچھا تو میں نے سنا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں! چاہے زیورات ایک لاکھ کی قیمت کے کیوں نہ ہوں جائیں۔

روایات میں آیا ہے کہ زیورات کی زکات یہ ہے کہ وہ ضرورت کے وقت احباب و اقرباء اور مومنین کو عاریت دیئے جائیں۔

حدیث میں ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِنَا عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام قَالَ:

زَكَاةُ الْحُلِيِّ عَارِيَتُهُ [۲]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

زیورات کی زکات ان کا عاریتاً دینا ہے۔

ادائیگی

اصولی طور پر جامع الشرائط مجتہد، فقیہ یا ولی امر کا فریضہ ہے کہ وہ مومنین سے زکات، خمس اور دوسرے مالی واجبات کا مطالبہ کرے اور وصول کرے۔

۱۔ کلینی: الکافی: کتاب الزکات: بَابُ أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى الْحُلِيِّ وَسَبَائِكِ الذَّهَبِ وَنُقَرِ الْفِضَّةِ وَالْجَوْهَرِ زَكَاةٌ: ج: ۳: ص: ۲۷۱، ح: ۱۹۱، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: کتاب الزکات: بَابُ أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى الْحُلِيِّ وَسَبَائِكِ الذَّهَبِ وَنُقَرِ الْفِضَّةِ وَالْجَوْهَرِ زَكَاةٌ: ج: ۳: ص: ۲۷۱، ح: ۱۹۱، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

مومنین کے لئے بھی ضروری ہے کہ زکات جامع الشرائط مجتہد، فقیہ یا ولی امر یا ان کے معتبر وکیل تک پہنچائے تاکہ اس کے ہاتھ سے یا اس کی اجازت سے مستحقین کے درمیان تقسیم ہو۔

مخارج:

قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے مطابق فقیہ جامع الشرائط یا ولی امر مسلمین کے لیے ضروری ہے کہ زکات درج ذیل ۸ ء امور میں خرچ کرے:

۱۔ فقراء:

معاشرہ کے وہ افراد جو اتنا نہ کما سکتے ہوں جس سے ان کے اخراجات پورے ہو سکیں۔

۲۔ مساکین:

معاشرہ کے شریف اور آبرومند افراد جن کا کوئی بھی ذریعہ آمدنی نہ ہو۔ کمانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں یا معاشرتی مجبوریوں کے سبب کما نہ سکتے ہوں۔

یا کماتے ہوں مگر اپنے مخارج پورے نہ کر سکتے ہوں۔ اپنی عزت، آبرو کی خاطر اس طرح رہتے ہوں کہ عام افراد ان کو محتاج نہ سمجھتے ہوں۔ سوال کرنے سے شرماتے ہوں۔

قرآن حکیم میں ان کی نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (البقرہ:۲: ۲۷۳)

یہ صدقہ ان فقراء کے لئے ہے جو راہِ خدا میں گرفتار ہو گئے ہیں اور کسی طرف جانے کے قابل بھی نہیں ہیں ناواقف افراد انہیں ان کی حیا و عفت کی بنا پر مالدار سمجھتے ہیں حالانکہ تم ان کے چہروں یا پیشانیوں کے آثار سے ان کی غربت کا اندازہ کر سکتے ہو اگرچہ یہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے ہیں اور تم لوگ ان جیسے حضرات پر جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ اسے خوب جانتا ہے

۳۔ عاملین:

وہ افراد جو زکات کی جمع آوری کا فریضہ انجام دیتے ہوں۔

۴۔ غارمین:

قرض دار لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے۔

۵۔ فی سبیل اللہ:

اسلام کی تبلیغ و استحکام کے کاموں میں۔ مثلاً مسجد، مدرسہ [اسکول، کالج، یونیورسٹی، تحقیقی اداروں] کی تعمیر، شہر کی صفائی، تبلیغی امور وغیرہ۔

۶۔ ابن السبیل:

مسافروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے۔

۷۔ مؤلفۃ القلوب:

کفار و منافقین اور بے دین لوگوں کی مدد کے لیے۔ تاکہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو۔

۸۔ رقاب:

انسانوں کو غلامی یا غلامی سے ملتے جلتے بوجھ سے آزاد کرانے کے لیے۔ اس پر مفصل گفتگو روزہ کے کفارہ کے باب میں کی جا چکی ہے۔

﴿۲﴾۔ خمس

تعریف:

خالص منافع یعنی سال بھر کی بچت کا پانچواں حصہ نکال کر راہِ خدا میں دینا خمس کہلاتا ہے۔

خمس مالی عبادات میں سے اہم عبادت ہے۔

احکام:

ہر مکلف کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی ملازمت، تجارت، کھیتی باڑی، مویشی پروری، باغبانی، معدنیات، وراثت، ہبہ وغیرہ سے حاصل ہونے والے خالص منافع سے پانچواں حصہ یعنی ۲۰ فیصد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کے راستہ میں نکالے۔

خالص منافع سے مراد وہ مال، شئے، جنس یا رقم ہے جو کسی بھی مکلف کے ضروریات زندگی اور سال بھر کے ضروری اخراجات کے بعد اس کے پاس بچے۔ خواہ یہ چیزیں ان کاموں کی تکمیل کی خاطر کئی برس تک جمع رہیں۔ نیز یہ چیزیں خواہ جنس کی شکل میں ہوں یا رقم کی شکل میں۔

بعض اموال اور چیزیں جو عام طور سے لازمی ضرورتوں مثلاً بیٹی کا جہیز، شادی بیاہ، مکان وغیرہ کے لیے جمع کی جاتی ہیں۔ ان پر خمس ضروری نہیں ہے۔

عام طور سے روز مرہ ضرورتوں کی جو چیزیں ماہانہ یا ہفتہ وار خریدی جاتی ہیں۔ خمس کی تاریخ آنے پر اگر ان میں سے کچھ بچا ہو تو اس پر بھی خمس نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس کی مقدار متعارف حد تک ہو۔ مثلاً ۱۰/ کیلو چاول سے ۵ ؍ کیلو بچ گئے۔ ایک کیلو چائے سے آدھا کیلو بچ گئی وغیرہ۔

لیکن،

اگر سالانہ بنیادوں پر خریداری کی جاتی ہو اور خمس کی تاریخ آنے پر اس میں سے بہ اندازۂ کافی یعنی زیادہ مقدار میں بچ جائے تو اس پر خمس ادا کرنا ضروری ہے۔

جو اموال ارث یا ہبہ کے ذریعہ ملیں۔ وہ سال کے فوائد میں شمار ہوں گے۔ ان میں سے سال بھر کے مخارج کے بعد جو کچھ بچے اس پر بھی خمس واجب ہے۔

جس مال میں نعوذ باللہ حرام کی ملاوٹ ہو وہ "مالِ مخلوط بالحرام" کہلاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی کے پاس ایسا مال ہو جس میں حرام مال مل گیا ہو۔ اسے اس حرام مال کی مقدار اور اس کا اصل مالک معلوم نہ ہو تو اس پر خمس نکالنے کے بعد اس شخص کے لیے اس مال کا استعمال جائز ہے۔

لیکن اگر مقدار تو معلوم نہ ہو لیکن یہ معلوم ہو کہ ملے ہوئے حرام مال کی مقدار خمس سے زیادہ ہے تو زیادہ مال نکالنا ہو گا۔

اسی طرح اگر اجمالی طور پر حرام طریقہ سے ملے ہوئے مال کے مالک کا علم ہو یا اجمالی طور پر اس کی مقدار مثلاً چوتھا یا تیسرا حصہ معلوم ہو تو ضروری ہے کہ امکان کی صورت میں مالک کو دیا جائے، یا مالک کو راضی کیا جائے، یا اگر مالک تک دسترسی نہ ہو تو اجمالی طور پر معلوم مقدار کی رقم مالک کی طرف سے صدقہ کے طور پر دی جائے۔

یعنی: حرام مال کی مقدار معلوم ہونے کی صورت میں خمس نکالنے سے مال حلال اور پاک نہیں ہو گا۔ بلکہ حرام مال پورے کا پورا نکالنا ضروری ہے۔

ادائیگی

ضروری ہے کہ خمس، سہم امام علیہ السلام اور سہم سادات دونوں حصے فقیہ جامع الشرائط کو دیئے جائیں۔

اگر سہم سادات خود دینا ضروری ہو تو فقیہ جامع الشرائط سے اجازت لے کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کے مخارج کی صحیح تشخیص وہی دے سکتا ہے۔

خمس کے مخارج:

فقیہ جامع الشرائط یا ولی امر مسلمین کو چاہیے کہ نصِ قرآنی کے مطابق خمس دو بڑے حصوں میں تقسیم کر کے خرچ کرے:

۱۔ سہم امام علیہ السلام :

اللہ تعالیٰ یا ولی امر مسلمین کا حصہ جسے فقہی اصطلاح میں سہم امام کہتے ہیں۔

یہ حصہ دین کی ترویج، استحکام اور تبلیغ و تعلیم کے کاموں یعنی علماء، فقہاء، مدارس وغیرہ کے اخراجات کی تامین کے لیے خرچ کیا جائے۔

۲۔ سہم سادات :

رسولؐ و آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ جو فقہی اصطلاح میں سہم سادات کہلاتا ہے۔

یہ حصہ سادات بنی فاطمہ و سادات بنی ہاشم کے یتیموں، ضرورتمندوں اور مسافروں وغیرہ کی سرپرستی نیز ان کے مخارج کی تکمیل یا قرضوں کی ادائیگی کے لیے خرچ کیا جانا چاہیے۔

۳۔ انفال اور فئے :

انفال کا تعلق فقط اللہ جل جلالہ اور منصب رسالت و امامت سے ہے۔

یہ خالص بیت المال کا حصہ ہے۔ اس کو دین کے استحکام، انسانیت کی فلاح اور ان معاملات میں خرچ کیا جا سکتا ہے جن کا تعلق "عام المنفعۃ" امور سے ہو۔

﴿۴۔ ۱۴﴾ مومنین کی دوسری مالی ذمہ داریاں :

قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے کہ

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ ۚ فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّیۡ رِزۡقِہِمۡ عَلٰی مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡہِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعۡمَۃِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ۔ ﴿النحل: ۱۶ : ۷۱﴾

"اللہ جل جلالہ نے رزق و دولت میں تم سے بعض کو بعض پر سبقت اور برتری عطا فرمائی ہے۔

اس لئے!

دولت مند لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی خالص کمائی سے ایک اچھی خاصی مقدار ان لوگوں تک پہنچائیں جو مالی اور اقتصادی طور پر کمزور اور پست ہیں۔

کیونکہ!

ہمارے اس عطا کیے ہوئے رزق اور دولت سے فائدہ اٹھانے میں معاشرہ کے امیر، غریب اور فقیر سب طبقات کے لوگ برابر کا حق رکھتے ہیں۔

کیا!

دولتمند اور امیر طبقہ کے لوگ (ہماری دی ہوئی) اس دولت کو اپنی کمائی اور فقط اپنا حق سمجھتے ہیں اور غریبوں اور فقیروں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم رکھ کر ہماری نعمتوں پر غرور کرتے ہیں!"

اللہ جل جلالہ نے قرآن حکیم میں مومنوں کی خوبیاں اور صفات اس طرح بیان فرمائی ہیں:

إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ (المعارج:۷۰ : ۲۲ -۲۷)

سوائے ان نمازیوں کے جو ہمیشہ اور ہر حال میں نماز پڑھتے ہیں۔ان کے خالص مال میں خمس وزکات کی ادائیگی کے بعد، سوال کرنے والے اور محروم لوگوں کے لئے حق محفوظ رہتا ہے (جب بھی ان سے اللہ کی راہ میں سوال کیا جاتا ہے یا کسی محروم کو دیکھتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ خمس وزکات دے چکا ہوں۔ ایسے موقعوں پر وہ فوراً اپنی جیب خاص سے دے دیتے ہیں)۔

یہ وہی لوگ ہیں جو سچائی کے ساتھ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ کی گرفت اور عذاب بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کتاب الکافی میں " الفروع " کی "کتاب الزکات " کے پہلے باب "باب فرض الزکات و مایجب فی المال من الحقوق " کے ذیل میں، طبع الامیرۃ، بیروت : ۲۰۰۸ء / ۱۴۲۹ھ ج:۳، ص:۲۵۹۔ ۲۶۲ پر حدیث نمبر ۱۹۱۸ سے ۱۹۲۹ تک ۱۲ حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے چند نقل کر رہے ہیں:

۱۹۱۸۔ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى عَنْ سَمَاعَةَ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام قَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَرَضَ لِلْفُقَرَاءِ فِي أَمْوَالِ الْأَغْنِيَاءِ فَرِيضَةً لَا يُحْمَدُونَ إِلَّا بِأَدَائِهَا وَ هِيَ الزَّكَاةُ بِهَا حَقَنُوا دِمَاءَهُمْ وَ بِهَا سُمُّوا مُسْلِمِينَ وَ لَكِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَرَضَ فِي أَمْوَالِ الْأَغْنِيَاءِ حُقُوقاً غَيْرَ الزَّكَاةِ۔ فَقَالَ عَزَّ وَ جَلَ: "وَالَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ " [المعارج: ۷۰ : ۲۵] فَالْحَقُّ الْمَعْلُومُ مِنْ غَيْرِ الزَّكَاةِ وَ هُوَ شَيْءٌ يَفْرِضُهُ الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ فِي مَالِهِ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَفْرِضَهُ عَلَى قَدْرِ طَاقَتِهِ وَ سَعَةِ مَالِهِ فَيُؤَدِّي الَّذِي فَرَضَ عَلَى نَفْسِهِ إِنْ شَاءَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَ إِنْ شَاءَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ وَ إِنْ شَاءَ فِي كُلِّ شَهْرٍ۔ وَ قَدْ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَيْضاً: " أَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً " [الحدید :۵۷ : ۱۸] وَ هَذَا غَيْرُ الزَّكَاةِ وَ قَدْ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَيْضاً: " يُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْناهُمْ سِرًّا وَ عَلانِيَةً" [ابراہیم : ۱۴: ۳۱] وَ الْمَاعُونَ أَيْضاً وَ هُوَ الْقَرْضُ يُقْرِضُهُ وَ الْمَتَاعُ يُعِيرُهُ وَ الْمَعْرُوفُ يَصْنَعُهُ وَ مِمَّا فَرَضَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَيْضاً فِي الْمَالِ مِنْ غَيْرِ الزَّكَاةِ قَوْلُهُ عَزَّ وَ جَلَ: " الَّذِينَ يَصِلُونَ ما أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ " [الرعد : ۱۳ : ۲۱] وَ مَنْ أَدَّى مَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ وَ أَدَّى شُكْرَ مَا أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِذَا هُوَ حَمِدَهُ عَلَى مَا

أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِيهِ مِمَّا فَضَّلَهُ بِهِ مِنَ السَّعَةِ عَلَى غَيْرِهِ وَلِمَا وَفَّقَهُ لِأَدَاءِ مَا فَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ..

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ جل جلالہ نے دولتمند لوگوں کے مال میں فقراء کے لئے ایک حق واجب فرمایا ہے۔ اس کے ادا کئے بغیر وہ کسی تعریف کے لائق نہیں ہیں۔

یہ حق زکات ہے۔

اس کی ادائیگی سے ان کی جان محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس کی ادائیگی کے بعد ہی یہ مسلمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔

پھر

اللہ عز و جل نے دولتمندوں کے اموال پر، فقراء کے لئے زکات کے علاوہ کچھ اور حقوق بھی واجب کئے ہیں۔

۱) پروردگار بزرگ و برتر نے ارشاد فرمایا ہے:

ہمارے نمازی بندوں (کے زکات و خمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک "معین حق" ہوتا ہے۔"

یہ "معین حق" زکات کے علاوہ ہے۔ یہ وہ چیز ہوتی ہے جو انسان اپنے طور پر اپنے مال میں معین کرتا ہے۔ اسے اپنی استطاعت اور اپنی مالی وسعت و توانائی کے مطابق خود ہی اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ اس واجب کو، اپنی مرضی کے مطابق، روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ اللہ جل جلالہ کی راہ میں نثار کرتا ہے۔

۲) اللہ عز و جل نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

"تم اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں قرض حسنہ کا نذرانہ پیش کرو۔"

یہ بھی زکات کے علاوہ ہے۔

۳)اللہ عزوجل نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایاہے:

ہم ان کو پاکیزہ رزق عطا فرماتے ہین۔ہمارے نیک بندے اس میں سے،ہماری ہی راہ میں کھلم کھلا،بے خوف وخطر نیز خاموشی سے،خرچ اور نذر کرتے ہیں۔

۴)اسی طرح(اللہ تبارک وتعالی نے):

ماعون" (کاذکر فرمایا ہے)۔

یہ:

وہ قرض ہے جوانسان اپنے دوستوں کو دیتا ہے۔

اپناسامان جو اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کو عاریتا دیتا ہے۔

وہ نیکی اور بھلائی ہے جو مختلف اوقات میں لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔

۵)ان سب واجبات کے علاوہ اللہ عزوجل نے زکوٰۃ کے بعد جو واجب فرمایا ہے

اس کے بارے میں اللہ عزوجل کاارشاد ہے:

وہ ہمارے ایسے نیک بندے ہیں جو ان تعلقات کو استوار رکھتے اورجوڑتے ہیں، جن کو ہم نے استوار رکھنے اور جوڑنے کاحکم فرمایاہے۔"

جو،ان فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرے،اس نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔اللہ جل جلالہ نے اس کے مال میں جو نعمت عطا فرمائی تھی اس کا شکر ادا کر دیا۔اللہ جل جلالہ نے دوسروں کے مقابلہ میں اس کو جو وسعت رزق،فضل اور اپنے فریضہ کی ادائیگی کی جو توفیق عنایت فرمائی ہے،اس طرح اس نے اس کی حمد وسپاس کا حق ادا کر دیا۔

۱۹۱۹۔ عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الْمَغْرَاءِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي عَبْدِاللَّهِ عليه السلام وَ مَعَنَا بَعْضُ أَصْحَابِ الْأَمْوَالِ فَذَكَرُوا الزَّكَاةَ فَقَالَ أَبُو عَبْدِاللَّهِ عليه السلام إِنَّ الزَّكَاةَ لَيْسَ يُحْمَدُ بِهَا صَاحِبُهَا وَ إِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ ظَاهِرٌ إِنَّمَا حقن بِهَا دَمَهُ وَ سُمِّيَ بِهَا مُسْلِماً وَ لَوْ لَمْ يُؤَدِّهَا لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ وَ إِنَّ عَلَيْكُمْ فِي أَمْوَالِكُمْ غَيْرَ الزَّكَاةِ فَقُلْتُ أَصْلَحَكَ اللَّهُ وَ مَا عَلَيْنَا فِي أَمْوَالِنَا غَيْرُ الزَّكَاةِ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ أَمَا تَسْمَعُ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ :"وَ الَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ. لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ "[المعارج:۷۰ :۲۴- ۲۵] قَالَ قُلْتُ: مَا ذَا الْحَقُّ الْمَعْلُومُ الَّذِي عَلَيْنَا قَالَ عليه السلام هُوَ الشَّيْءُ يَعْمَلُهُ الرَّجُلُ فِي مَالِهِ يُعْطِيهِ فِي الْيَوْمِ أَوْ فِي الْجُمْعَةِ أَوْ فِي الشَّهْرِ قَلَّ أَوْ كَثُرَ غَيْرَ أَنَّهُ يَدُومُ عَلَيْهِ وَ قَوْلَهُ عَزَّ وَ جَلَ :"وَ يَمْنَعُونَ الْماعُونَ [الماعون : ۱۰۷ : ۷]قَالَ عليه السلام : هُوَ الْقَرْضُ يُقْرِضُهُ وَ الْمَعْرُوفُ يَصْطَنِعُهُ وَ مَتَاعُ الْبَيْتِ يُعِيرُهُ وَ مِنْهُ الزَّكَاةُ۔ فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ لَنَا جِيرَاناً إِذَا أَعَرْنَاهُمْ مَتَاعاً كَسَرُوهُ وَ أَفْسَدُوهُ فَعَلَيْنَا جُنَاحٌ إِنْ نَمْنَعْهُمْ۔ فَقَالَ عليه السلام : لَا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ إِنْ تَمْنَعُوهُمْ إِذَا كَانُوا كَذَلِكَ۔ قَالَ عليه السلام : قُلْتُ لَهُ: "وَ يُطْعِمُونَ الطَّعامَ عَلى‏ حُبِّهِ مِسْكِيناً وَ يَتِيماً وَ أَسِيراً" [الانسان:۷۶ : ۸] قَالَ عليه السلام : لَيْسَ مِنَ الزَّكَاةِ ۔ قُلْتُ قَوْلُهُ عَزَّ وَ جَلَ "الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَ النَّهارِ سِرًّا وَ عَلانِيَةً " [المعارج:۷۰ : ۲۵] قَالَ لَيْسَ مِنَ الزَّكَاةِ قَالَ فَقُلْتُ قَوْلُهُ عَزَّ وَ جَلَّ:" إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَ إِنْ تُخْفُوها وَ تُؤْتُوهَا الْفُقَراءَ فَهُوَ

خَيْرٌ لَّكُمْ " [البقرہ : ۲ : ۲۷۱] قَالَ علیہ السلام : لَيْسَ مِنَ الزَّكَاةِ. وَ صِلَتُكَ قَرَابَتَكَ لَيْس مِنَ الزَّكَاةِ.

ابو بصیر کہتے ہیں، ہم لوگ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ کچھ دولتمند لوگ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ان لوگوں نے زکات کی گفتگو چھیڑ دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

زکات کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے دینے پر زکات دینے والے کی تعریف اور تمجید کی جائے۔ یہ تو ایسی ظاہری چیز ہے جس کے ادیا کرنے سے، ادا کرنے والے کو جان کی امان ملتی ہے۔ وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر کوئی زکات ادا نہ کرے۔ اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

یاد رکھو!

تمہارے اموال میں زکات کے علاوہ بھی بہت سے واجبات ہیں۔ میں نے عرض کی:

اللہ آپ کو سلامت رکھے!

ہمارے اموال میں زکات کے علاوہ کون سے واجبات ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

سبحان اللہ!

۱) تم نے قرآن حکیم میں اللہ عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا؟!

ہمارے نمازی بندوں (کے زکات و خمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک "معین حق "ہوتا ہے۔"

میں نے عرض کی، وہ حق معلوم کیا ہے جو ہم پر واجب کیا گیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ وہ چیز ہوتی ہے جو انسان اپنے طور پر اپنے مال میں معین کرتا ہے۔ اس کو، اپنی مرضی کے مطابق، روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ، کم یا زیادہ، اللہ جل جلالہ کی راہ میں نثار کرتا ہے۔ اس پر فخر نہیں کرتا۔ کسی سے ذکر نہیں کرتا۔ ہمیشہ ادا کرتا رہتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

۲) "وہ "ماعون" سے روکتے ہیں۔"

یہ:

وہ قرض ہے جو انسان اپنے دوستوں کو دیتا ہے۔

وہ نیکی اور بھلائی ہے جو مختلف اوقات میں لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔

اپنا سامان جو اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کو عاریتاً دیتا ہے۔

ان واجبات میں سے ایک زکات بھی ہے۔

میں نے عرض کی:

کچھ پڑوسی ہیں۔ ان کو اپنے گھر کا سامان عاریت دیتے ہیں۔ وہ اسے توڑتے اور خراب کرتے ہیں۔ ہم انہیں منع کریں۔ گنہ گار ہوں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اگر وہ ایسے ہیں، تم ان کو منع کر سکتے ہو۔

میں نے عرض کی ارشاد رب العزت ہے:

۳) "یہ لوگ، اللہ عزوجل کی محبت میں، مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ زکات کے علاوہ ہے۔

میں نے عرض کی اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

۴) "یہ لوگ اپنے اموال سے رات دن، خاموشی سے اور علی الاعلان اللہ جل جلالہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ زکات کے علاوہ ہے۔

میں نے عرض کی اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

۵)"اگر تم اپنے صدقات کو بتاؤ تو یہ اچھی بات ہے۔ اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء تک پہنچاؤ تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ زکات کے علاوہ ہے۔

نیز،

۶) اعزہ واقرباء سے صلہ رحم کی خاطر لین دین رکھنا۔

یہ بھی زکات کے علاوہ ہے۔

۱۹۲۰۔ وَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَابِرٍ عن أَبِي عَبْدِ اللَّهِ علیہ السلام فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَ :"وَ الَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ "[المعارج : ۷۰ : ۲۵] أَ هُوَ سِوَى الزَّكَاةِ ؟ فَقَالَ علیہ السلام : هُوَ الرَّجُلُ يُؤْتِيهِ اللَّهُ الثَّرْوَةَ مِنَ الْمَالِ فَيُخْرِجُ مِنْهُ الْأَلْفَ وَ الْأَلْفَيْنِ وَ الثَّلَاثَةَ الْآلَافِ وَ الْأَقَلَّ وَ الْأَكْثَرَ فَيَصِلُ بِهِ رَحِمَهُ وَ يَحْمِلُ بِهِ الْكَلَّ عَنْ قَوْمِهِ.

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ عزوجل کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا گیا، جس میں ارشاد ہوا ہے:

ہمارے نمازی بندوں (کے زکات و خمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک "معین حق "ہوتا ہے۔ یہ سوالیوں اور محروم لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔"

کیا یہ زکات کے علاوہ ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ وہ مال ہے، جو انسان اپنے مال سے جو (خمس و زکات ادا کرنے کے بعد) اللہ عزوجل اسے عطا فرماتا ہے، اللہ جل جلالہ کی راہ میں نکالتا ہے۔ یہ ہزار بھی ہو سکتا ہے، دو ہزار بھی، تین ہزار بھی۔ اس سے کم بھی اور زیادہ بھی۔

اس کے ذریعہ وہ اس سے صلۂ رحم کرتا ہے یا اپنی قوم کے کسی سنگین بوجھ اتارنے کی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔

اس روایت سے اللہ عزوجل کے ان نیک اور اللہ عزوجل کی خصوصی نے نعمتوں سے سرافراز دولتمندوں کو ایک اہم پیغام دیا گیا ہے۔

وہ پیغام یہ ہے کہ، علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کی دینی، علمی اور فکری راہنمائی فرمائیں۔ دولتمند اور کامیاب تاجروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کی سربلندی کے لئے آمادہ رہیں اور اس سلسلہ میں علمای کے ساتھ تعاون کریں۔

۱۹۲۱۔ عَنْهُ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مَحْبُوبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَجَّاجِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ علیہ السلام: يَقُولُ: إِنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى أَبِي، عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ علیہ السلام فَقَالَ لَهُ أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَ: "وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ. لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ [المعارج:۷۰ : ۲۴ : ۲۵] مَاهَذَا الْحَقُّ الْمَعْلُومُ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ علیہ السلام

الْحَقُّ الْمَعْلُومُ الشَّیْءُ یُخْرِجُهُ الرَّجُلُ مِنْ مَالِهِ لَیْسَ مِنَ الزَّكَاةِ وَ لَا مِنَ الصَّدَقَةِ الْمَفْرُوضَتَیْنِ۔ قَالَ: فَإِذَا لَمْ یَكُنْ مِنَ الزَّكَاةِ وَلَا مِنَ الصَّدَقَةِ فَمَا هُوَ؟ فَقَالَ: هُوَ الشَّیْءُ یُخْرِجُهُ الرَّجُلُ مِنْ مَالِهِ إِنْ شَاءَ أَكْثَرَ وَ إِنْ شَاءَ أَقَلَّ عَلَى قَدْرِ مَا یَمْلِكُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: فَمَا یَصْنَعُ بِهِ؟ قَالَ: یَصِلُ بِهِ رَحِماً وَ یَقْرِی بِهِ ضَیْفاً۔ وَ یَحْمِلُ بِهِ كَلّاً أَوْ یَصِلُ بِهِ أَخاً لَهُ فِی اللّٰهِ أَوْ لِنَائِبَةٍ تَنُوبُهُ۔ فَقَالَ الرَّجُلُ:

"اللّٰهُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَاتِهِ"۔

قاسم ابن عبدالرحمن انصاری کہتے ہیں کہ، میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

ایک شخص میرے والد بزرگوار سید الساجدین امام علی ابن حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے امام علیہ السلام سے عرض کی:

مجھے اللہ عزوجل کے اس فرمان کے بارے میں بتائیں:

ہمارے نمازی بندوں (کے زکات و خمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک "معین حق "ہوتا ہے۔ یہ سوالیوں اور محروم لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔"

امام سجاد علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

حق معلوم "وہ چیز ہے جو انسان اپنے خالص مال میں سے نکالتا ہے۔

یہ نہ تو زکات و خمس ہوتا ہے، نہ ہی واجب صدقات میں سے ہوتا ہے۔

اس نے سوال کیا:

اگر، یہ نہ تو زکات و خمس ہے، نہ ہی واجب صدقات میں سے ہے، تو پھر یہ کیا ہے؟

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

یہ وہ مال ہوتا ہے جو انسان اپنے خالص اور پاکیزہ مال سے اپنی حیثیت کے مطابق اپنی مرضی سے کبھی کم کبھی زیادہ نکلتا ہے۔

اس نے عرض کی:

وہ اس سے کیا کرتا ہے؟

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

۱) صلہ رحم کرتا ہے۔

۲) مہمانوں کی خدمت کرتا ہے۔

۳) قوم کا کوئی بوجھ اپنے ذمہ لے کر قوم کی گردن سے اتار دیتا ہے۔

۴) اپنے کسی ایسے بھائی کی مدد کرتا ہے جس سے لیس کی برادری کا رشتہ صرف اللہ جل جلالہ کی خاطر ہوتا ہے۔

۵) اپنے اوپر آئی ہوئی کسی بلاء کو ٹالنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

یہ سن کر اس نے کہا:

اللہ عزوجل ہی بہتر جانتا ہے، اپنی رسالت کیا ذمہ دار کسے بنائے!

ان اور ان جیسی دوسری حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر نیک مؤمن مسلمان پر زکات و خمس کے علاوہ بعض اور بہت سے واجبات بھی ہیں جس کا اسے خیال رکھنا چاہئے۔ ان واجبات کا خلاصہ یہ ہے:

﴿۴﴾۔ سائل و محروم کا حق:

قرآن کریم میں آیا ہے:

وَالَّذِينَ فِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ مَّعۡلُومٞ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ۔ [المعارج:۷۰ : ۲۴ : ۲۵]

ہمارے نمازی بندوں (کے زکات و خمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک "معین حق" ہوتا ہے۔ یہ سوالیوں اور محروم لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔"

اللہ عزوجل کی نظر میں محروم سے کون لوگ مراد ہیں؟

اس سوال کے جواب سے متعلق حدیث میں آیا ہے:

وَ عَنْهُ عَنِ ابْنِ فَضَّالٍ عَنْ صَفْوَانَ الْجَمَّالِ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَ جَلَ: "لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ" [المعارج:۷۰ : ۲۴ : ۲۵] قَالَ الْمَحْرُومُ الْمُحَارَفُ الَّذِي قَدْ حُرِمَ كَدَّ يَدِهِ فِي الشِّرَاءِ وَ الْبَيْعِ.

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع أَنَّهُمَا قَالَا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: الْمَحْرُومُ الرَّجُلُ الَّذِي لَيْسَ بِعَقْلِهِ بَأْسٌ وَلَمْ يُبْسَطْ لَهُ فِي الرِّزْقِ وَهُوَ مُحَارَفٌ [۱]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ جل جلالہ کے فرمان

"السائل والمحروم"

کے بارے میں سوال کیا گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

محروم ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کوشش کرے لیکن خرید و فروخت (ملازمت) میں نتیجہ نہ نکلے۔

ایک اور روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا۔

امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الزکاۃ : باب فی فرض الزکاۃ ومایجب فی المال من الحقوق: ج: ۳: ص: ۲۶۱، حدیث نمبر ۱۹۱۹ کے ذیل میں یہ عبارت موجود ہے: ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

المحروم:

ایسا شخص جس کی عقل اچھی طرح کام کرتی ہو لیکن اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس کے لئے رزق میں وسعت عطا نہ ہوئی ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس معین اور لگے بندھے حق یعنی حق معلوم کی تعریف میں فرمایا ہے کہ:

۱۹۱۹: "۔۔۔ هُوَ الشَّيْءُ يَعْمَلُهُ الرَّجُلُ فِي مَالِهِ يُعْطِيهِ فِي الْيَوْمِ أَوْ فِي الْجُمُعَةِ أَوْ فِي الشَّهْرِ قَلَّ أَوْ كَثُرَ غَيْرَ أَنَّهُ يَدُومُ عَلَيْهِ۔۔۔"[۱]

یہ وہ چیز ہوتی ہے جو انسان اپنے طور پر اپنے مال میں معین کرتا ہے۔ اس کو، اپنی مرضی کے مطابق، روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ، کم یا زیادہ، اللہ جل جلالہ کی راہ میں نثار کرتا ہے۔ اس پر فخر نہیں کرتا۔ کسی سے ذکر نہیں کرتا۔ ہمیشہ ادا کرتا رہتا ہے۔

﴿۵﴾۔ ماعون:

امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ بھی زکات واجب کے علاوہ وہ اخراجات ہیں جو انسان اللہ جل جلالہ کی راہ میں صرف تقرب الٰہی کی خاطر اپنے خالص مال سے:

الف: لوگوں کو قرض الحسنہ کے طور پر دیتا ہے۔

ب۔ وہ نیکی اور بھلائی ہے جو مختلف اوقات میں لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔

ج: اپنے پڑوسیوں کو ان کی ضرورت کے موقعہ پر گھر کا سازوسامان، برتن، فرنیچر، ڈرائینگ روم وغیرہ، استعمال کے لئے دیتا ہے۔

﴿۶﴾۔ اللہ جل جلالہ کے حضور قرض الحسنہ:

یہ مختلف اوقات میں نیک کاموں کے سلسلہ میں پیش آنے والے وہ مواقع ہیں، جن کا ذکر احادیث وروایات میں بار بار آیا ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الزکاۃ : باب فی فرض الزکاۃ ومایجب فی المال من الحقوق: ج: ۳: ص: ۲۶۱، ح: ۱۹۲۲، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

﴿۷﴾۔ اطعام:

ارشاد رب العزت ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔ (الانسان:۷۶ : ۸)

"اور وہ اللہ جل جلالہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ "اطعام" واجب زکات و خمس کے علاوہ ہے۔

﴿۸﴾۔ صلہ رحم:

رشتہ داروں میں ضرورت مند یا آپ سے امید رکھنے والے لوگوں کی مالی اور اقتصادی مدد بھی مومن کے واجبات میں سے ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ زکات و خمس سے الگ ایک مستقل واجب ہے۔

﴿۹﴾۔ صدقہ:

صدقہ، ایسے تحفہ، ہدیہ یا عطا و بخشش کو کہا جاتا ہے، جو سچائی اور صدق دل کے ساتھ، مومن اپنے مالی واجبات زکات و خمس وغیرہ کی ادائیگی کے بعد اپنی خالص آمدنی اور بچت سے اللہ جل جلالہ کی خوشنودی اور رضا کی خاطر کسی کو دیتا ہے۔

﴿۱۰﴾۔ ہبہ

تعریف:

ہبہ، ایسی بخشش اور عطا کو کہتے ہیں جس میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کی نیت ہو۔

احکام:

ہبہ کرنے والے مالک کو "واہب"۔ جس کو ہبہ کیا جائے اسے "موہوب لہ" کہتے ہیں۔

ہبہ، جب تک وصول نہ کر لیا جائے محقق نہیں ہوتا۔ یعنی موہوب لہ کو جب تک اس پر مکمل اختیار حاصل نہ ہو جائے، وہ مالک یعنی واہب کی ملکیت میں باقی رہتا ہے۔

ہبہ کے تحقق کے لیے ضروری ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہ یا اس کا وکیل اپنے قبضہ میں لے لے۔

اگر کوئی چیز پہلے سے عاریتاً یا قرض یا امانت کے طور پر کسی کے پاس موجود ہو۔ مالک وہ چیز اسی شخص کو ہبہ کر دے، تو اسے نئے سرے سے مالک کو دے کر واپس لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس صورت میں مالک کی جانب سے قصد یا اعلان کرتے ہی ہبہ متحقق ہو جائے گا۔

عام طور سے واہب اپنے ہبہ سے رجوع کر کے اس وقت تک عین ہبہ یعنی موہوبہ چیز کو واپس لے سکتا ہے جب تک عین ہبہ باقی ہو۔

لیکن مندرجہ ذیل صورتوں میں واہب کا حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔ اسے عین ہبہ واپس لینے کا حق نہیں رہتا:

﴿۱﴾ عین موہوبہ استعمال کیا جا چکا ہو۔ اس کی ماہیت بدل چکی ہو۔ اسے بیچا جا چکا ہو۔ اسے کسی اور کو ہبہ کیا جا چکا ہو جیسے کپڑا سی کر پہن لیا گیا ہو چاول پکا کر کھا لیے گئے ہوں وغیرہ۔

﴿۲﴾ ہبہ کرتے وقت واہب نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے حصول کی نیت کر لی ہو۔

﴿۳﴾ ہبہ کے وقت کوئی معاوضہ لیا گیا ہو۔ خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے تحفہ کے بدلے میں تحفہ، مثلاً کسی نے زیور تحفہ میں دیا۔ اس کے بدلے میں رومال کا تحفہ قبول کر لیا۔

﴿۱۱﴾۔ وقف

وقف بھی اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر کیا جانا ضروری ہے۔ یہ ہمیشہ باقی رہنے والا صدقہ ہے۔ اس کے منافع اللہ کے راستہ میں ضرورت مند لوگوں کے کام آتے ہیں۔

وقف کیا ہے؟

وقف در حقیقت ایک قسم کی محدود ملکیت یا تملیک ہے۔ یعنی واقف اپنی مِلک کو اپنی ملکیت سے نکال کر اس قید و شرط کے ساتھ لوگوں کے ملکیت میں دے دیتا ہے کہ لوگ اس سے فیض حاصل کرتے رہیں۔ ان کو یہ چیز، دولت یا ملکیت اپنی یا کسی اور کی ملکیت قرار دینے یا بیچنے کا حق نہ ہو۔

وقف کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وقفِ عام:

وقف عام، اس وقف کو کہتے ہیں جو سب کے لیے قابلِ استفادہ ہو۔ جیسے مسجد، امام بارگاہ، مدرسہ، اسکول، کالج، اسپتال، پل، کتابیں، عام لوگوں کے کام آنے والے وسائل وغیرہ۔

سب سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو واقف کی طرف سے وقف کی گئی چیز کے مقاصد کے مطابق اس سے استفادہ کریں۔

۲۔ وقف خاص:

وقف خاص سے مراد وہ وقف ہے جس سے استفادہ کرنے والوں کیلئے کسی خاص نوعیت، خاندان، قبیلہ یا ملک وغیرہ سے تعلق رکھنا شرط ہوتا ہے۔ یہ بھی دو قسم کا ہوتا ہے:

﴿الف﴾ خاص نوعیت کے لوگوں کے لیے:

جیسے حج یا زیارت پر جانے والوں کے لیے کوئی جگہ وقف کی جائے تا کہ وہ وہاں قیام کریں۔

یا

عزاداروں کے لیے کوئی چیز وقف کی جائے کہ وہ اس کی آمدنی سے عزاداری کے انتظامات کریں۔

یا

کوئی چیز محققین، علماء وغیرہ کے لیے وقف کی جائے کہ وہ اپنی تحقیق و مطالعہ کے لیے اس سے استفادہ کریں۔

یا

کوئی ایسا وقف کیا جائے جس کے نتیجہ میں ہر سال خاص علوم و فنون میں مہارت رکھنے والوں کو انعام دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

﴿ب﴾ خاص خاندان یا قبیلہ، ملک کے لوگوں کیلئے:

کبھی وقف اس لیے کیا جاتا ہے کہ خاص خاندانوں کے لوگ اس کی آمدنی یا اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے استفادہ کریں۔

جیسے کوئی اپنے خاندان کے ذہین طلبہ کے لیے کوئی عمارت وقف کرے۔

یا سادات، یا کسی خاص ملک کے لوگوں کے استفادہ کیلئے کوئی چیز وقف کی جائے۔

احکام:

وقف میں وہ لوگ یا ادارے جن کے لیے کوئی چیز وقف کی جائے حقوقی طور پر موقوفہ کے مالک ہوتے ہیں۔

ان کے بعد یہ خود بخود آنے والی نسلوں کی حقوقی ملکیت میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔

یہ ملکیت محدود اور قائم رہنے والی ہوتی ہے۔

وقف اسی وقت لزوم اور واقعیت پیدا کرتا ہے جب وہ موقوف علیہم کے تصرف میں آجائے۔

جیسے مسجد میں نمازی نماز پڑھنے لگیں۔ مدرسہ میں بچے تعلیم حاصل کرنا شروع کردیں وغیرہ۔

اگر موقوفہ شئے یا جائیداد واقف کے مرنے سے پہلے موقوف علیہم کے تصرف میں نہ آئی ہو تو وقف باطل ہو جاتا ہے۔ اب وہ ترکہ شمار ہوتا ہے۔

کوئی چیز مسجد، امام بار گاہ، مدرسہ، اسپتال وغیرہ کیلئے وقف کی گئی ہو تو یہ ان عمارتوں یا اداروں کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ اس لیے اگر وہ مسجد وغیرہ کے لیے کار آمد نہ ہو، یا کارآمد نہ رہے تو متولی اس کو بیچ کر مسجد وغیرہ کے دوسرے کام انجام دے سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری چیزیں خرید سکتا ہے۔

اس صورت میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ اس کی قیمت واقف کے مقاصد کے مطابق کاموں میں استعمال کی جائے۔

وقف خاص یعنی اولاد یا قبیلہ وغیرہ کے لیے وقف کی جانے والی چیز اگر اس سلسلہ میں استعمال کے قابل نہ رہے یا جھگڑے کا سبب بن جائے تو متولی اسے بیچ کر متعلقہ افراد کے درمیان تقسیم کرکے معاملہ ختم کردے۔

واقف نے متولی معین نہ کیا ہو تو حاکم شرعی اس کیلئے متولی معین کرے۔

وقف کا متولی وقف نامہ کے مطابق عمل نہ کرے یا عمل نہ کر سکے تو وہ خود بخود عزل ہو جائے گا۔ حاکم شرعی کو اس پر متولی مقرر کرنا ہو گا۔

﴿۱۲﴾۔ وصیت

تعریف:

وصیت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے مرنے سے پہلے ہوش و حواس اور عقل و فکر کی سلامتی کے ساتھ اپنے اختیار سے اپنے ترکہ یعنی چھوڑ کر جانے والے اموال کو وارثوں کو خاص موارد میں استعمال کرنے کی ہدایت دے۔

احکام:

یہ ہدایت ترکہ کے ایک تہائی حصہ تک نافذ ہوتی ہیں۔ ورثاء یا مرنے والے کی جانب سے معین کیے جانے والے وصی پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ان ہدایات پر عمل کرے اور کروائے۔

وصیت سب کے لیے جائز ہے۔ خواہ وارث کے لیے کی جائے خواہ ان لوگوں کے لیے جو وارث نہ ہوں۔

اگر وارث کے لیے وصیت کی جائے تو اسے وراثت کا حق ملنے کے ساتھ ساتھ وہ مال بھی ملے گا جس کے بارے میں مرنے والے نے اس کے لیے وصیت کی تھی۔

وصیت موت سے پہلے تک منسوخ کی جاسکتی ہے۔

مرنے والا دو وقت میں دو وصیتیں کرے۔ دونوں ثلث یعنی کُل ترکہ کے تیسرے حصّہ کی حد تک ہوں تو پہلی وصیت منسوخ ہو جائے گی۔ دوسری پر عمل واجب ہو گا۔

دونوں وصیتیں مل کر ثلث کے برابر ہوں، تو دونوں پر عمل کرنا ہو گا۔

ایک ہی چیز کے بارے میں دو وصیتیں کرے تو، پہلی باطل اور دوسری واجب العمل ہو گی۔

کسی چیز کے بارے میں وصیت کرے لیکن مرنے سے پہلے وہ چیز کسی اور کو دے دے تو، وصیت باطل اور فسخ ہو جائے گی۔

کوئی مرض الموت کے عالم میں اپنے اموال میں سے کچھ کسی کو بخش دے۔ یہ اس کے ثلث میں شمار ہو گا۔ ثلث کی وصیت کی موجودگی میں بخشا ہوا مال یا اس کی قیمت، ثلث میں سے کم کر کے، جو کچھ بچے اسے وصیت کے مطابق خرچ کیا جائے گا۔

بہتر یہ ہے کہ ورثاء اس کو اپنی طرف سے بخش کر موجود میراث سے ثلث نکال کر وصیت پر عمل کریں۔ اس میں ثواب اور برکت زیادہ ہے۔ اِن شَاءَ اللہ۔

نیت:

خمس، زکات، زکات فطر، وصیت اور صدقہ وغیرہ تمام عبادات میں نیت یعنی دل کی گہرائی اور صداقت و خلوص کے ساتھ یہ ارادہ کرنا ضروری ہے کہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خوشنودی، رضا اور تقرب کے حصول کی خاطر انجام دے رہا / رہی ہوں۔

﴿۱۳﴾۔ نذر

تعریف:

نذر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر کسی کام کی انجام دہی کو لازم قرار دے۔

احکام:

نذر میں اگر درج ذیل شرطیں موجود ہوں تو اس کا ادا کرنا نذر کرنے والے پر واجب ہو جاتا ہے:

ا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا:

نذر کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ یعنی کہے:

"نَذَرْتُ لِلّٰهِ"

"میں اللہ کے لیے نذر کرتا ہوں کہ فلاں کام انجام دوں گا۔"

البتہ،

ضروری نہیں ہے کہ عربی ہی میں کہے۔ کسی بھی زبان میں کہا جا سکتا ہے۔

لیکن،

زبان سے الفاظ کا ادا کرنا ضروری ہے۔ صرف دل میں نیت کر لینا کافی نہیں ہے۔

انبیاء کرام وائمہ اہلبیت علیہم السلام یا اولیاء اللہ، مسجد النبیؐ، مسجد الحرام، عام مساجد یا امام بار گاہوں کے لیے نذر کی جا سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ نذر فقط اللہ کے لیے ہو۔ ان شخصیات یا مقامات پر خرچ کرنے کی نیت اور اس عمل کا ثواب ان پاکیزہ ارواح کی خدمت میں تحفہ وہدیہ کے طور پر پہنچانا مقصود ہو۔

مثلاً یہ کہے کہ:

میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے نذر کرتا ہوں کہ ایک جانور امام حسین علیہ السلام یا حضرت عباس علیہ السلام کیلئے ذبح کروں گا۔ اس کا ثواب ان کی ارواحِ طیبہ کو ملے۔

یا

میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نذر کرتا ہوں کہ مسجد میں ائیر کنڈیشنر لگواؤں گا تاکہ اس کا ثواب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔

یا

میں اللہ تعالیٰ کی خاطر نذر کرتا ہوں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی طرف سے یا ان کے نام پر ایک یا کئی طلاب علوم کی یونیورسٹی کی فیس اور اخراجات کی کفالت کروں گا وغیرہ وغیرہ

۲۔ قصدِ قربت:

نذر کرنے والے کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی بارگاہ میں تقرب کا حصول ہو۔

۳۔ رجحان شرعی:

جس کام کی نذر کی جائے وہ شرع مقدس کی نظر میں پسندیدہ اور محترم یعنی مستحب یا واجب ہو۔ مستحب عمل نذر کے سبب واجب ہو جاتا ہے۔

۴۔ نذر کی جانے والی چیز یا عمل:

ضروری ہے کہ جس چیز یا کام کے بارے میں نذر کی گئی ہو، نذر کی انجام دہی کے وقت اس کام کا انجام دینا ممکن ہو۔

کوئی شخص نذر کرے۔ ادائیگی کے وقت ممکن نہ رہے۔ یہ عدم امکان اس کی مالی یا جسمانی ناتوانی کے سبب ہو یا شرعی مخالفت کے سبب۔ دونوں صورتوں میں نذر باطل ہو جائے گی۔

مثلاً نذر کی۔ شوال کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھے گا۔ شوال کی پہلی جمعرات کو عید کا دن پڑ گیا۔ نذر باطل ہو جائے گی۔

مثلاً نذر کی کہ اگر بچہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گا۔ تو اسی مہینے ہزار روپے مسجد کی تعمیر کیلئے دے گا۔ لیکن اس وقت اس کی مالی حالت ایسی ہوئی کہ قرض لینا بھی ممکن نہ رہا۔ اب یہ نذر باطل ہو جائے گی۔

بنیادی طور پر ایسی نذریں جو کسی شرعی ممانعت سے ٹکراتی ہوں پہلے دن ہی سے باطل ہوتی ہیں۔

روایات میں ان نذروں کو ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا گیا ہے جن میں تکرار یا استمرار یعنی کسی عمل کے باقاعدگی سے انجام دینے کا ارادہ کیا گیا ہو۔

جیسے یہ کہ ہر ماہ کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھے گا۔

یا

ہر سال روز عرفہ زیارت امام حسین علیہ السلام کو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔[۱]

ایسی نذریں تکلیف اور دشواری کا باعث ہوتی ہیں۔

۵۔ نذر کی انجام دہی:

ضروری ہے کہ ایسے کام کی نذر کی جائے جو خود نذر کرنے والے کو انجام دینا ہو۔ مثلاً نذر کرے کہ حج یا زیارت کو جائے گا یا فلاں دعا یا نماز پڑھے گا۔

اس لیے یہ نذر صحیح نہیں ہوگی کہ اگر فلاں یونیورسٹی میں بیٹے یا بیٹی کا داخلہ ہو گیا تو وہ بیٹی یا بیٹا شکرانہ کے طور پر فلاں کام انجام دے گا۔

اگر یہی نذر خود بیٹا اپنے لیے کرے کہ اگر اس کا داخلہ ہو گیا تو وہ شکرانہ کے طور پر فلاں کام انجام دے گا تو صحیح ہے۔

باپ کی یہ نذر صحیح نہیں ہوگی کہ اگر اس کی بیٹی شفایاب ہوگئی تو وہ فلاں شخص سے اس کی شادی کر دے گا۔ خواہ باپ کو بیٹی کی شادی کے بارے میں ولایت کا حق ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ شادی دراصل بیٹی کا حق ہے۔

بعض روایات کے مطابق اگر یہ معلوم نہ ہو کہ جس کام کے لیے نذر کی تھی وہ نذر سے پہلے ہی پورا ہو چکا ہو تو اس نذر پر عمل واجب نہیں ہے۔[۲]

مثلاً:

۱۔ کلینی: الکافی: کتاب الایمان والنذور : باب النذور: ج: ۷: ص: ۵۸۷، ح: ۱۱۹۲۶، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: کتاب الایمان والنذور : باب النذور: ج: ۷: ص: ۵۸۷، ح: ۱۱۹۲۶، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

اگر کسی نے سفر میں نذر کی کہ اگر اس کے بچہ کو شفا حاصل ہو گئی تو وہ تین دن روزے رکھے گا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا بچہ اس کے نذر کرنے سے پہلے ہی شفایاب ہو چکا تھا تو اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ نذر پوری کرے۔

البتہ،

بہتر ہے کہ نعمتِ الٰہی کے شکرانہ کے طور پر تین روزے رکھ لے۔

۶۔ نذر کی ادائیگی:

ضروری نہیں ہے کہ نذر کی ادائیگی مقصد یا دعا پوری ہونے کے بعد ہی کی جائے۔

مقصد یا دعا کے پورا ہونے سے پہلے نذر پر عمل زیادہ بہتر ہے۔ اس صورت میں واجب ادا ہو جاتا ہے۔

مقصد یا دعا کے پورا ہونے کے بعد اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مثلاً اگر نذر کرے کہ بچہ کی صحت یابی کے بعد تین دن روزہ رکھے گا۔ تین روزے اسی نیت سے بچہ کے شفایاب ہونے سے پہلے رکھ لے۔ اب بچہ کی صحت یابی کے بعد ان روزوں کو رکھنا ضروری نہیں ہے۔ مقصد یا دعا پورا ہونے سے پہلے نذر کا انجام دینا خدا کو زیادہ پسند ہے۔ اس صورت میں حاجت جلدی پوری ہو جانے کا امکان بھی زیادہ ہے۔

کیونکہ مقصد کے پورا ہونے سے پہلے نذر پر عمل کرنیکا مطلب یہ ہے کہ نذر کرنے والے نے اپنے مقصد کو پورا ہونے سے پہلے ہی مکمل طور پر حاصل ہو جانے کا خیال کر لیا۔ اس نے الطافِ الٰہیہ پر اپنے مکمل اطمینان نیز خدا کے وعدہ پر بھرپور بھروسہ کا اظہار کر دیا۔

یہی اطمینان اور بھروسہ دعا کی قبولیت کی ایک اہم نشانی ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ:

دعا یا حاجت طلب کرتے وقت حسنِ نیت، اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن نیز قبولیت پر یقین حاجت بر آری میں تعجیل اور دعا کی جلد قبولیت کا سبب ہوتی ہے۔ دعا کرتے وقت توجہ، خلوص نیت، تڑپ اور دعا کی قبولیت کے سلسلہ میں اللہ جل جلالہ، کے وعدہ پر یقین دعا کی جلد قبولیت کا سبب ہوتی ہے۔[1]

۷۔ دوسروں کے حقوق کا احترام:

ضروری ہے کہ ایسے عمل کے لیے نذر نہ کی جائے جس سے کسی کا حق ضایع ہو یا کسی کو تکلیف ہو۔

اگر کسی ایسے عمل کی نذر کی جائے جس سے کسی دوسرے کا حق بھی وابستہ ہو تو اس شخص کی اجازت لی جائے۔ اجازت دینے کی صورت میں متعلقہ فرد کو اس نذر کی تکمیل میں تعاون کرنا ہو گا۔

مثلاً بچہ ابھی ماں باپ کے خرچ پر زندگی بسر کر رہا ہے۔

وہ نذر کرے کہ اگر اس کی ماں صحت یاب ہو گئی تو وہ ہزار روپے صدقہ دے گا۔

چونکہ اس نذر میں اسے ہزار روپے اپنے باپ سے لینا ہوں گے اس لیے اسے اس سلسلہ میں باپ سے اجازت لینا ضروری ہے اگر اس نذر کے موقعہ پر اس نے باپ سے اجازت نہ لی۔ باپ نے ایفائے نذر کے لیے پیسے دینے سے انکار کیا تو نذر ساقط ہو جائے گی۔

اگر اس نے باپ کی اجازت لے کر نذر کی۔ تو ماں کے شفا یاب ہونے پر باپ کو ایفائے نذر کے لیے اسے ہزار روپے دینا ہوں گے۔

۸۔ والدین کا حق:

اگر بیٹا یا بیٹی ایسی نذر کرے جو ماں باپ کی نظر میں اس کے لیے مشکل یا مشقت آور ہو، تو ماں باپ اس کی نذر تڑوا سکتے ہیں۔

ا۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الایمان والکفر: باب الیقین فی الدعاء، باب الاقبال علی الدعاء، باب الحاح فی الدعاء: ج:۲: ص: ۵۷۱ - ۵۷۲، ح: ۳۰۹۸ — ۳۱۰۹: ط: الامیرة: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

نذر کی قضاو کفارہ

﴿۱﴾ اگر کوئی نذر کرے کہ سال بھر تک معین دن روزہ رکھے گا۔ مثلاً سال بھر ہر جمعہ۔ کسی جمعہ اسے سفر کرنا پڑ جائے تو وہ سفر کر سکتا ہے۔ خواہ وہ سفر اختیاری ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں اسے بعد میں اس دن کا روزہ قضا کرنا ہو گا۔

اسی طرح اگر اس دن مرض یا عذرِ شرعی پیدا ہو جائے مثلاً اس دن مریض ہو جائے، یا مہینے کی پہلی جمعرات کو عید پڑ جائے تو اس دن کا روزہ قضا کرنا ہو گا۔

﴿۲﴾ اگر کوئی عمداً اور بغیر کسی سبب یا عذر شرعی کے نذر پوری نہ کرے اور اس نذر کے انجام دینے کا وقت گذر جائے تو کفارہ دینا ہو گا۔

﴿۳﴾ غصہ کی حالت میں نذر کرنا نذر کو باطل کر دیتا ہے۔ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔

نذر کا کفارہ:

نذر کی خلاف ورزی کرنے کا کفارہ یہ ہے:

☆ نذر کا کفارہ دس ضرورت مندوں (مسکینوں) کو کھانا کھلانا ہے۔

☆ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ممکن نہ ہو۔ تین روزے رکھنا ہوں گے۔

☆ یہ بھی ممکن نہ ہو۔ استغفار کرے۔

﴿۱۴﴾۔ قسم

تعریف:

قسم کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کسی کام کی انجام دہی کے لیے قسم کھائی جائے۔

احکام:

قسم کے لیے ضروری نہیں ہے کہ لفظ جلالہ یعنی "اللہ" ہی ادا کیا جائے۔ کسی بھی زبان میں اللہ کا کوئی بھی نام لے کر قسم کھانے سے قسم واقع ہو جائے گی۔

اسی طرح قسم کے لیے ضروری نہیں ہے کہ کسی مستحب کام ہی کے لیے قسم کھائی جائے۔ قسم مباح کام کے لیے بھی کھائی جا سکتی ہے۔

قسم کے لیے جو الفاظ فقہاء کی نظر میں معتبر ہیں وہ

"بِاللہ، تَاللہ، وَاللہ"

ہیں۔ عربی زبان میں "باء" "تاء" اور "واو" حروف قسم کہلاتے ہیں۔

مثلاً یہ کہا جائے کہ:

واللہ! میں اللہ تعالیٰ کی خاطر لاوارث لوگوں کے لئے چند مکان تعمیر کرواؤں گا۔

یا

تاللہ! میں اللہ جل جلالہ کی خاطر ایک مقروض کا قرضہ ادا کروں گا۔

یا

باللہ! میں ایک یتیم بچی کی شادی کے تمام اخراجات ادا کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ

قسم کا کفارہ:

قسم کی خلاف ورزی کرنے کا کفارہ یہ ہے:

☆ امکان کی صورت میں دس مسکینوں کو اس معیار کا کھانا کھلائے یا لباس پہنائے جو عام طور سے اپنے گھر والوں کو کھلاتا اور پہناتا ہے۔

☆ یا تحریر رقبۃ" کرے۔

☆ ان دونوں میں سے کچھ نہ کر سکے تو تین دن روزے رکھے۔

☆ یہ بھی ممکن نہ ہو تو استغفار کرے۔

ارشادرب العزت ہے:

لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُواْ أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (المائدہ:۵: ۸۹)

تم لوگ عام طور سے عادتاجو الٹی سیدھی قسمیں کھاتے ہو، اللہ عزوجل ان پر تمہاری پکڑ نہیں فرماتا۔

البتہ، جو قسمیں با قائدہ ارادہ کے ساتھ کھاتے ہو، اس کی خلاف ورزی پر تمہاری پکڑ ہے۔

ایسی صورت میں تمہارا کفارہ یہ ہے:

☆ دس مسکینوں کو اس طرح کا کھانا کھلاؤ یا لباس پہناؤ جیسا عام طور سے اپنے گھر والوں کو پہناتے ہو

☆ تحریر رقبۃ کرو (کسی انسان کی گردن کو ایسے بوجھ سے آزاد کر دو جس نے اسے غلامی جیسے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہو) اگر ان میں سے کچھ نہ کر سکو تو:

☆ تین دن روزے رکھو۔

یہ تمہاری ان قسموں کا کفارہ ہے جو تم نے اپنے ارادہ سے حلف اٹھا کر کھائی ہیں۔

اپنی قسموں کی حفاظت کرو اور ان کا پاس رکھو۔

اللہ عزوجل یہ باتیں تمہیں اس لئے صاف اور واضح انداز میں بتادیتا ہے کہ تم اللہ عزوجل کا شکر ادا کر سکو یا دوسری لفظوں میں یہ کہ تم زندگی کی لذتوں کا اچھی طرح لطف اٹھا سکو۔

صاحب حیثیت اور دولتمند مومنین کرام کو ان نکات پر بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ علماء اعلام کا بھی فریضہ ہے کہ وہ صاحبان ثروت و دولت مند کو اس طرح تربیت فرمائیں کہ وہ ان واجبات کو ادا کرنے میں ذوق و شوق سے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں، تاکہ یہ ہماری تہذیب کا ایک حصہ اور امتیاز بن جائے۔

آمین بحق محمد و آلہ الطاهرین و برحمتك یا ارحم الراحمین۔

روحانی، جسمانی ومالی عبادتیں

حج

تعریف:

ماہ ذی الحجہ میں معین آداب کے ساتھ اللہ کی اطاعت کی خاطر خانہ کعبہ کی زیارت بجالانے کے عمل کو حج کہتے ہیں۔

اہمیت:

اللہ کے گھر یعنی خانہ کعبہ کا حج، اسلام کے اہم واجبات میں سے ہے۔ مستطیع مسلمان کا ارادتاً حج نہ کرنا کفر کے برابر ہے۔

خداوند بزرگ و برتر نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (آل عمران: ۳: ۹۷)

"لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جس شخص میں استطاعت و قدرت ہو، وہ بیت اللہ کا حج (قصد) کرے۔ اور جو بھی اس (حج) سے انکار کرے، وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت کریمہ میں حج سے پہلو تہی کیلئے کفر کا لفظ آیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی شخص کا شرعی عذر کے بغیر اور استطاعت کے باوجود حج کا ترک کرنا، اللہ تعالیٰ کے اہم حکم کی خلاف ورزی ہے۔

حدیث سلسلۃ الذھب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"استطاعت کے باوجود حج کو ترک کرنے والا کافر ہے۔"[۱]

۱۔ صدوق: من لایحضرہ الفقیہ: کتاب الصوم: باب النوادر وھو آخر ابواب الکتاب: ج: ۴: ص: ۳۶۷: ح ۵۷۶۴، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان: ۱۴۹۲ھ/۲۰۰۸ء
یَا عَلِیُّ علیہ السلام!
كَفَرَ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَشَرَةٌ: .... وَمَنْ وَجَدَ سَعَةً فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

" جو شخص حَجَّۃُ الإسلام (واجب حج) ادا نہ کرے۔ جبکہ نہ تو کوئی ایسی ضرورت ہو جو اس کے لیے حج میں رکاوٹ بنے ۔ نہ ہی اسے کوئی ایسا مرض ہو جس کے سبب وہ حج سے معذور ہو اور نہ ہی حکومت وقت کی طرف سے کسی رکاوٹ کا سامنا ہو ، تو اگر ایسی حالت میں حج ادا کیے بغیر مرے تو وہ یہودی یا عیسائی مرے گا۔۔"[۱]

استطاعت :

حج، استطاعت کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ استطاعت سے مراد ہے کہ:

﴿الف﴾: راستہ کھلا ہو، یعنی ویزہ وغیرہ کی سہولتیں موجود ہوں۔

﴿ب﴾: مالی امکانات فراہم ہوں، یعنی اپنے، نیز اپنے اہل وعیال کیلئے سختی اور دباؤ کے بغیر سفر حج کے لیے تمام ضروری وسائل وامکانات فراہم کر سکتا ہو۔

☆ کوئی شخص بغیر احسان جتائے کسی مکلف کے لیے حج کے مخارج کا انتظام کر دے تو اس مکلف پر حج واجب ہو جاتا ہے۔

☆ حاجی کسی شخص کو اپنے کاموں کے لیے اجرت پر ساتھ لے جائے۔ اگر یہ کام ایسے نہ ہوں جو اعمالِ حج میں رکاوٹ بنیں، تو اس شخص پر حج واجب ہو جائے گا۔ اس کا یہی حج، حج استطاعت ہو گا۔ جیسے قافلوں کے ساتھ جانے والے علماء۔

☆ کوئی شخص مشکلیں اور سختیاں جھیل کر کسی نہ کسی طرح میقات تک پہنچ جائے۔ وہاں پہنچ کر حج کے باقی مخارج اور واپسی کے وسائل، اس کے لیے مشکل نہ رہیں۔ اس کا حج، حجِ واجب ہو گا۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الحج: بَابُ من سَوَّفَ حج وھو مستطیع: ج۴: ص: ۴۴۱: ح: ۳۱۰۸: ط: الامیرۃ: بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

☆جس کی زندگی کے مخارج شرعی وجوہات جیسے خمس وزکات وغیرہ سے پورے ہوتے ہوں یا اس کی زندگی کے اخراجات کوئی دوسرا شخص مثلاً شوہر، ماں، باپ یا کوئی دوست یا عزیز پورے کرتا ہو۔ ایسا شخص اگر کسی ذریعہ سے کسی سختی اور احسانمندی کے بغیر حج کے اخراجات نکال سکتا ہو تو اس پر بھی حج واجب ہو جاتا ہے۔

☆جو شخص قرض لے کر حج کر سکتا ہو اس کے لیے قرض کی ادائیگی مشکل نہ ہو۔ اس پر بھی حج واجب ہو جاتا ہے۔

☆مقروض شخص خواہ کسی بھی وجہ سے اگر قرضہ ادا کیے بغیر حج کو چلا جائے۔ یا ایسا شخص جس پر خمس وزکات وغیرہ واجب ہوں۔ ان کو ادا کیے بغیر حج پر چلا جائے۔ اس قسم کے لوگوں کا حج درست ہو گا۔

البتہ وہ اپنے فرائض میں کوتاہی یعنی قرض یا خمس وزکات کی ادائیگی میں تاخیر پر گناہگار ہوں گے۔

حج نیابتی:

تعریف:

کسی شخص کا کسی اور شخص کی طرف سے کوئی حج انجام دینا، حج نیابتی کہلاتا ہے۔

احکام:

مستطیع شخص اگر کسی بھی سبب یا عذر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے حج ادا نہ کرے، بعد میں بڑھاپے یا سنگین مرض کے سبب اس کے لئے حج ممکن نہ رہے تو اس پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے کسی اور کو حج پر بھیجے۔

مستطیع شخص، خواہ کسی سبب سے حج ادا نہ کرے، حج کی ادائیگی سے پہلے مر جائے تو اس کے اصل ترکہ میں سے اس کے لیے نائب کو حج پر بھیجنا ضروری ہے۔

نائب کو اگر میقات سے بھی اجیر کیا جائے تو کافی ہے۔

اگر میت کے ورثاء میں سب کے سب نابالغ ہوں یا کوئی ایک نابالغ بچہ موجود ہو تو ترکہ سے فقط میقات سے حج کا خرچہ نکالا جاسکتا ہے۔ میقات سے پہلے حج کے مخارج ترکہ سے نہیں نکالے جاسکتے۔

نائب کے لیے ضروری ہے کہ فقط نیت میں اس شخص کا ذکر اور ارادہ کرے جس کی نیابت میں حج انجام دے رہا ہے۔ باقی تمام اعمال میں نائب کا اپنے فریضہ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر نائب مرد ہے اور عورت کی طرف سے حج بجالا رہا ہے تو خود مرد ہونے کے سبب مرد کے واجبات پر عمل کرے یا اس کے برعکس۔ اسی طرح نائب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فتویٰ یا اپنے مرجعِ تقلید کے فتوی کے مطابق حج انجام دے۔

اگر نائب نے اپنا واجب حج انجام نہ دیا ہو لیکن انجام دینے کے قابل ہو، پھر بھی کسی کی نیابت میں حج کرے، تو اس کا نیابی حج صحیح ہو گا۔ نیز جس کی طرف سے اس نے نیابی حج کیا ہے اس کا واجب ادا ہو جائے گا۔ البتہ اپنا واجب حج ادا نہ کرنے پر یہ شخص گنہگار ہو گا۔

واجب حج میں کسی زندہ شخص کی نیابت صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس کے لیے حج کرنا ممکن نہ رہا ہو۔

مستحب حج میں ضروری نہیں ہے کہ جس کی طرف سے حج کیا جائے وہ حج کرنے کے قابل نہ رہا ہو۔

اگر نائب، حج کے دوران ایسا عمل بجالائے جس پر کفارہ ضروری ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ کفارہ اپنے مال سے ادا کرے۔

البتہ،

اگر نیابت قبول کرتے وقت شرط کرلے کہ کفارہ منوب عنہ یا اس کے وارث کے ذمہ ہو گا تو یہ شرط درست ہو گی۔ کفارہ منوب عنہ یا اس کے وارث کو دینا ہو گا۔

واجب حج میں صرف ایک ہی شخص کی نیابت جائز ہے۔ مستحب حج میں کئی اشخاص کی نیابت جائز ہے۔

واجب حج میں ایک ہی سال کئی افراد ایک شخص کی طرف سے نیابتاً حج کر سکتے ہیں۔

نیابتاً حج کرنے والا اپنے لیے خود مستحب طواف کر سکتا ہے۔ اسی طرح مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد اپنے لیے یا کسی اور کے لیے نیابتاً عمرہ بجالا سکتا ہے۔

حج کی قسمیں:

حج کی تین قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ ______________ تمتع

﴿۲﴾ ______________ اِفراد

﴿۳﴾ ______________ قِرآن

﴿۱﴾ حجِ تمتع:

حج تمتع، عمرہ کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ اس میں پہلے عمرہ کیا جاتا ہے پھر مناسکِ حج ادا کیے جاتے ہیں۔

حج تمتع میں قربانی واجب ہے۔

﴿۲﴾ حجِ اِفراد:

حج افراد میں فقط حج کے مناسک ادا کیے جاتے ہیں۔ لیکن حج کے بعد سال بھر کے اندر کسی بھی وقت عمرہ انجام دیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ عمرہ جتنی جلدی ادا کیا جائے بہتر ہے۔

حج افرادِ میں قربانی واجب نہیں ہے۔

﴿۳﴾ حج قِران:

حج افراد ہی کی طرح ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حج قِران میں احرام باندھنے کے ساتھ قربانی کو ساتھ ساتھ لے کر منیٰ تک جانا ہوتا ہے تاکہ دس ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کی جائے۔

آج کل حج قِران ممکن نہیں ہے۔ چونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کوئی انجام بھی نہیں دیتا۔

واجب حج میں، "قِرَآن "اور "اِفْرَاد "فقط ان لوگوں کا فریضہ ہے جو مکہ کے رہنے والے ہوں یعنی خانہ کعبہ سے 85/ کیلو میٹر کے اندر اندر رہتے ہوں۔

مستحب حج میں اِفراد یا قِران انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

حج تمتع ان لوگوں کا فریضہ ہے جو خانہ کعبہ سے 85/ کیلو میٹر سے زیادہ فاصلہ پر رہتے ہوں۔

عمرہ کی قسمیں:

عمرہ کی دو قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ ________________ تمتع

﴿۲﴾ ________________ مفردہ

﴿۱﴾ عمرہ تمتع:

عمرۂ تمتع وہی عمرہ ہے جو حج تمتع میں حج سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔

﴿۲﴾ عمرہ مفردہ:

عمرۂ مفردہ سال کے کسی بھی حصہ میں بجالایا جاسکتا ہے۔ البتہ ماہِ رجب میں فضیلت رکھتا ہے۔

عمرۂ مفردہ اور عمرۂ تمتع کے تمام مناسک ایک جیسے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ عمرۂ تمتع میں طوافِ نساء نہیں ہے جبکہ عمرۂ مفردہ میں تقصیر کے بعد طواف نساء واجب ہے۔

عمرہ مفردہ کے اعمال:

﴿۱﴾ احرام:

جو لوگ مکہ سے باہر سے آئیں ان کے لیے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔

جو لوگ مکہ میں ہوں خواہ مسافر و زائر ہوں یا مقیم، وہ حرم کے باہر، نزدیک ترین جگہ مثلاً مسجدِ تنعیم سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں۔

﴿۲﴾ خانہ کعبہ کا طواف:

خانہ کعبہ کے گرد سات چکر (شوط) لگانا۔

﴿۳﴾ نمازِ طواف:

طواف کے بعد مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے دو رکعت نماز ادا کرنا۔یعنی خانہ کعبہ کی اس سمت کی جانب رخ کر کے طواف کی نماز پڑھی جائے جس سمت مقام ابراہیم علیہ السلام نصب ہے۔ گویا طواف کی نماز "رکن عراقی" کی جانب رخ کر کے پڑھنا چاہیے ۔ اس کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے بالکل پیچھے سے پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ مقام ابراہیم علیہ السلام کا ذکر "رکن عراقی" کی طرف اشارہ کے طور پر کیا گیا ہے۔

﴿۴﴾ سعی:

صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑنا۔

﴿۵﴾ تقصیر:

سعی کے بعد سر، مونچھوں یا داڑھی کے بالوں کو تراشنا۔

﴿۶﴾ طوافِ نساء:

تقصیر کے بعد طوافِ نساء کی نیت سے خانہ کعبہ کے سات مرتبہ چکر (شوط) لگانا۔

﴿۷﴾ نمازِ طوافِ نساء:

طواف نساء کے بعد دو رکعت نماز طواف نساء پڑھنا۔ ان تمام مناسک کی تفصیل حج کے ذیل میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

مُحرِم، طواف نساء اور نماز طواف کے بعد احرام سے باہر آجاتا ہے۔ اب اس پر وہ تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جو احرام کی وجہ سے حرام ہوئی تھیں۔

عمرہ مفردہ سال کے کسی بھی حصہ میں مستحب ہے۔

عمرہ مفردہ ہر مہینے ایک مرتبہ، ہر دس دن میں ایک مرتبہ بلکہ ایک ہی دن میں کئی مرتبہ بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ ظواہر ادلّہ یعنی روایات، اس فتویٰ کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً:

عن عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مَرَّارٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الْحَسَنِ عليه السلام عَنْ رَجُلٍ يَدْخُلُ مَكَّةَ فِي السَّنَةِ الْمَرَّةَ أَوِ الْمَرَّتَيْنِ أَوِ الْأَرْبَعَةَ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ قَالَ عليه السلام: إِذَا دَخَلَ فَلْيَدْخُلْ مُلَبِّياً وَ إِذَا خَرَجَ فَلْيَخْرُجْ مُحِلًّا، قَالَ: وَلِكُلِّ شَهْرٍ عُمْرَةٌ فَقُلْتُ يَكُونُ أَقَلَّ ،قَالَ: لِكُلِّ عَشَرَةِ أَيَّامٍ عُمْرَةٌ ثُمَّ قَالَ: وَ حَقِّكَ لَقَدْ كَانَ فِي عَامِي هَذِهِ السَّنَةِ سِتُّ عُمَرٍ قُلْتُ لِمَ ذَاكَ فَقَالَ كُنْتُ مَعَ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بِالطَّائِفِ فَكَانَ كُلَّمَا دَخَلَ دَخَلْتُ مَعَهُ۔

علی بن حمزۃ (سالم البطائنی) کہتے ہیں: میں نے امام ابوالحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جو سال میں ایک، دو یا چار مرتبہ مکہ جاتا ہے۔ وہ کیا کرے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: جب جائے تو تلبیہ پڑھتا ہوا جائے (عمرہ کرے) اور جب واپس ہو تو مُحِلّ ہو کر آئے۔ امام علیہ السلام نے مزید فرمایا: ہر مہینے عمرہ ہے۔ میں نے عرض کی: اس سے کم بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہر دس دن میں ایک عمرہ۔ پھر فرمایا: سچی بات تو یہ ہے کہ اس سال خود میں نے چھ عمرے ادا کئے ہیں۔ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں طائف میں محمد بن ابراہیم کے ساتھ تھا۔ جب بھی وہ مکہ گئے میں بھی ان کے ساتھ مکہ گیا۔ [۱]

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الحج: باب العمرۃ المبتولۃ: ج: ۴: ص: ۵۷۵: ح: ۴۲۰۰: ط: الامیرۃ: بیروت: ۱۴۲۹ھ: ۲۰۰۸ء:

اگر کوئی شخص ایک ہی دن میں کئی عمرے کئی افراد مثلاً ماں باپ وغیرہ کی جانب سے بجالانا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔حج کے مناسک انجام دینے کے فوراً بعد عمرۂ مفردہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

لیکن عمرہ تمتع کے انجام دینے اور حج کے مناسک ادا کرنے سے پہلے عمرہ مفردہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔

اگر کوئی شخص نادانستہ طور پر ایسا کرے تو پہلا عمرہ باطل ہو جائے گا۔ اس لیے اب اسے ،اس عمرہ کو عمرۂ تمتع کے طور پر انجام دینا ہوگا۔ اس میں عمرۂ تمتع کی تمام شرطوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس عمرہ میں وہ طوافِ نساء انجام نہیں دے گا۔

مکہ میں داخلہ :

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کیلئے خواہ سال کے کسی بھی حصہ میں کیوں نہ ہو،واجب ہے کہ احرام کی حالت میں داخل ہو۔ طواف و سعی و تقصیر و طوافِ نساء کرے یعنی عمرہ بجالائے۔

اگر عمرۂ مفردہ ہو تو طوافِ نساء بھی بجالائے۔ اگر عمرہ تمتع ہو تو طوافِ نساء انجام نہ دے۔

البتہ، اگر ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں احرام کے ساتھ داخل ہو چکا ہو تو ایک مہینہ کے اندر اندر دوبارہ بغیر احرام کے داخل ہو سکتا ہے۔

ایک مہینہ کے گذرنے کے بعد دوبارہ داخلہ کی صورت میں، حالتِ احرام میں داخل ہونا اور عمرہ بجالانا ضروری ہے۔

میقات :

میقات یا مواقیت ان مقامات کو کہا جاتا ہے جہاں پر مکہ میں داخلہ سے پہلے احرام کا باندھنا ضروری ہے۔

میقات نو(۹) ہیں:

﴿۱﴾ ذوالحلیفہ :

مدینہ منورہ کے نزدیک ایک آبادی کا نام ہے۔ اسی نام کا ایک بیابان بھی ہے جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس میقات کا نام شجرہ ہے۔ اسی نام سے وہاں ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔

ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے جو بھی اس راستہ سے حج یا عمرہ کا ارادہ کرے اسے یہیں سے احرام باندھنا چاہیے۔

اس پوری سرزمین یعنی "دشتِ شجرہ"[۱] میں کسی بھی جگہ سے احرام باندھنا جائز ہے۔ افضل "مسجدِ شجرہ" ہے۔ آنحضرت ﷺ مسجدِ شجرہ ہی میں احرام کا لباس پہن کر نیت فرماتے تھے۔ لیکن عقدِ احرام جو تلبیہ سے شروع ہوتا ہے، آنحضرت ﷺ وادی بیداء پر پہنچ کر انجام دیتے تھے۔ یہ مسجد سے 7/ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اس مقام سے تلبیہ کہنا سنت ہے۔ استحباب کی حیثیت رکھتا ہے۔

﴿۲﴾ وادی عتیق:

عراق سے اس زمانہ میں سفر کرنے والے حاجیوں کا میقات ہے جو جنگلوں اور بیابانوں کے راستہ سے آتے تھے۔

﴿۳﴾ جحفہ:

شام، مصر اور مغرب سے آنے والوں کا میقات جو آج کل جدہ کے قریب ہے۔ عام طور سے حجاج وہاں سے احرام باندھتے ہیں۔

﴿۴﴾ یَلَمْلَم:

ایک جگہ کا نام ہے جو اہل یمن یا یمن کی جانب سے آنے والے حاجیوں کے لیے میقات معین کیا گیا ہے۔

﴿۵﴾ قرنُ المُنَازِل:

یہ وہ جگہ ہے جو طائف کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات معین ہوا ہے۔

آج کل ان میقات کی حدیں اچھی طرح معین اور معلوم ہیں۔ جو شخص جس سمت سے حج یا عمرہ کے لیے آئے وہ اپنے راستہ کے میقات پر احرام باندھ سکتا ہے۔

۱۔ اس بیابان میں ایک خاردار درخت اگتا ہے جس کا نام "سُمَرَہ" ہے اس کی پتیاں باریک اور پھل زرد رنگ کا، کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ اس درخت کی لکڑی چھت بنانے کے لیے بہت عمدہ ہے۔ مدینہ کے لوگ گھر بنانے میں اس لکڑی کو استعمال کرتے ہیں۔ اسماء بنت ابی بکر اسی درخت کے نزدیک پیدا ہوئی تھیں۔ بعض اکابر اسی جگہ کی نسبت سے "شجری" کہلاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی جگہ پر احرام باندھا تھا نیز اسی جگہ احرام باندھنے کی تشویق فرمائی تھی۔

ان مقامات پر جو مسجدیں بنائی گئی ہیں وہ بعد میں تعمیر کی گئی ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ مسجد میں احرام باندھا جائے۔

﴿۶﴾ محاذات:

محاذات یعنی کسی میقات کے برابر کی جگہ۔ جو لوگ جدید راستوں کے سبب ان میقات سے نہ گذر سکیں، ان کے لیے ہر وہ جگہ میقات کی حیثیت رکھتی ہے جو ان کے راستہ کے میقات کے محاذات میں یعنی برابر ہو۔

﴿۷﴾ حرمِ مکہ کے باہر:

جو لوگ حرمِ مکہ سے باہر رہتے ہیں وہ اسی جگہ سے احرام باندھ سکتے ہیں۔

﴿۸﴾ مکہ کی حدود سے باہر:

جو لوگ عمرۂ مفردہ کے لیے شہر مکہ سے باہر جا کر احرام باندھنے کا ارادہ کریں، ان کے لیے حُدَیْبِیَّه، جُعرَانَه اور تَنْعِیْم کے مقامات، میقات کے طور پر معین ہیں۔ یہاں بھی مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔

﴿۹﴾ شہر مکہ:

حج تمتع کے لیے مکہ کا پورا شہر حتی کہ اس میں شامل کئے گئے نئے علاقے میقات کا حکم رکھتے ہیں۔ حج تمتع کا احرام شہر مکہ میں کہیں پر بھی باندھا جا سکتا ہے۔

البتہ، مسجد الحرام خصوصاً حجرِ اسماعیل کے مقامات حج تمتع کے احرام کے لیے سب سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔

میقات سے پہلے احرام

دو صورتوں میں میقات پہنچنے سے پہلے احرام باندھا جا سکتا ہے:

﴿۱﴾ عہد و نذر:

اگر کوئی شخص اللہ کی کسی نعمت کے شکرانہ یا کسی بلا سے نجات کی خاطر اللہ تعالیٰ سے نذر یا عہد کرے کہ کسی خاص جگہ سے یا اپنے وطن یا اقامت کی جگہ مثلاً پاکستان، ہندوستان، کراچی، لاہور، پشاور،

کوئٹہ، اسلام آباد، نئی دلّی، ممبئی، لکھنؤ وغیرہ سے احرام باندھے گا، تو اس کا یہ عہد و نذر صحیح اور نافذ ہے نیز اس کی وفا ضروری ہے۔

﴿۲﴾ ماہِ رجب گذر جانے کا خوف:

اگر کوئی شخص ماہِ رجب میں عمرۂ مفردہ بجالانے کا ارادہ کرے لیکن اسے خوف ہو کہ کسی سبب میقات پہنچنے سے پہلے ماہِ رجب ختم ہو جائے گا۔

ایسی صورت میں اسے ماہِ رجب کے اختتام اور میقات پہنچنے سے پہلے احرام باندھ لینا چاہیے۔

جو شخص میقات سے پہلے احرام باندھنے کی نذر کرے، وہ اگر اپنی نذر کی وفا نہ کرے تو اس کا احرام درست ہو گا۔

البتہ، نذر یا عہد سے تخلف کا گنہگار ہو گا۔ اس لیے اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہو گا۔

جو شخص میقات پر احرام باندھنا بھول جائے یا جہالت و نادانی کے سبب نہ باندھے، اسے چاہیے کہ وہ میقات پر واپس جائے اور احرام باندھ کر دوبارہ حرم آئے۔

البتہ، اگر وقت تنگ ہو [یا میقات پر جانا ممکن نہ] تو حرم سے باہر نکل کر ممکن حد تک دور جائے اور احرام باندھے۔

احرام کے واجبات:

﴿۱﴾ قصدِ قُربت کے ساتھ نیت:

مُحرِم کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانے اور اس کی خوشنودی کے حصول کی خاطر احرام باندھنے کی نیت کرے۔

یعنی،

دل میں ارادہ کرے کہ

اس کام یا عبادت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فقط اللہ تعالیٰ ہی کے لئے انجام دے رہا ہے۔

نیز،

اس میں کسی قسم کے دکھاوے یا خودنمائی کو دخل نہیں ہے۔
اسی طرح ضروری ہے کہ ارادہ میں معین کرے کہ یہ احرام:
حج کے لیے ہے یا عمرہ کے لیے؟

نیز،
کس حج یا عمرہ کے لیے؟
یعنی حجِ تمتع، واجب، مستحب، نیابتی وغیرہ

یا
عمرۂ تمتع، واجب، مستحب، نیابتی وغیرہ

یا
حجِ افراد یا قِران، واجب، مستحب، نیابتی وغیرہ

یا
عمرۂ مفردہ، واجب، مستحب، نیابتی وغیرہ۔
البتہ، ضروری نہیں ہے کہ ان سب باتوں کو الگ الگ اور تفصیل کے ساتھ دل میں گذارے۔
بلکہ اجمالی طور پر ان تمام باتوں کا ارادہ کافی ہے۔
نیت کا زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔
بلکہ، ارادہ کا دل میں موجود ہونا کافی ہے۔

﴿۲﴾ احرام کے کپڑے پہننا:

نیت کے ساتھ یا اس سے پہلے مرد پر واجب ہے کہ وہ احرام کے دو کپڑے یعنی ردا اور لنگ پہنے۔
خواتین اپنے عام لباس میں ہی مُحرِم ہو سکتی ہیں۔

احرام کا لباس:

مردوں کے لیے احرام کا لباس دو چیزوں پر مشتمل ہونا چاہیے:

﴿الف﴾ لُنگ:

ایسا کپڑا جو کمر پر باندھا جائے اور زانو کے نیچے تک کے حصہ کو ڈھانپ لے۔

﴿ب﴾ چادر:

ایسا کپڑا جو کندھے پر ڈالا جائے اور کمر تک کے حصہ کو چھپا سکے۔ بہتر ہے کہ زانو تک پہنچے۔ جسم کے اگلے حصہ کو بھی چھپائے۔

عورتیں اپنے عام لباس میں مُحرِم ہو سکتی ہیں۔ یہ لباس:

☆ غصبی نہ ہو۔

☆ بدن نما نہ ہو۔

☆ پاک ہو۔

☆ مُردار کی کھال یا اجزاء سے نہ بنا ہو۔

☆ حتی الامکان خالص ریشم کا نہ ہو۔

☆ منہ اور ہاتھوں کو نہ چھپائے۔ یعنی نقاب اور دستانے نہ پہنے جائیں۔

لباسِ احرام کی شرطیں:

جو شرطیں نماز کے لباس کے لیے ضروری ہیں وہی احرام کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔ یعنی:

﴿۱﴾ خالص ریشم کا نہ ہو:

احرام کے سلسلہ میں اس شرط میں مرد و زن دونوں مساوی ہیں۔

البتہ،

شدید ضرورت کے موقع پر خواتین احرام میں خالص ریشم کا لباس پہن سکتی ہیں۔

﴿۲﴾ ان جانوروں کی کھال سے نہ ہو جن کا گوشت کھانا حرام ہے۔

﴿۳﴾ ہر قسم کی نجاست سے پاک ہو۔

﴿۴﴾ بدن نما نہ ہو:

ضروری ہے کہ احرام کا لباس خصوصاً مردوں کا لنگ اور خواتین کا لباس اتنا نازک نہ ہو کہ اس کے نیچے سے جسم جھلکے۔

﴿۵﴾ سفید اور کاٹن (سوتی) کا ہو:

ضروری نہیں مگر، بہتر ہے کہ احرام کا لباس سفید اور کاٹن کا ہو۔

☆ ردا کے ایک یا دونوں سروں کو اپنے اوپر ڈالے۔

☆ ہمیان (جس میں پیسے رکھنے کی جگہ ہوتی ہے) کا کمر میں باندھنا جائز ہے۔

☆ اگر کسی سبب احرام کا لباس نجس ہو جائے تو اس کو پاک کرنے یا عام حالات میں میلا ہو جانے کی صورت میں دھونے کے لیے اس کا اتارنا یا بدلنا جائز ہے۔

احرام کے متروکات:

احرام باندھنے کے بعد محرم کو جن کاموں سے پرہیز کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہیں:

﴿۱﴾ شکار:

جنگلی جانوروں کا شکار، ان کو آزار اور تکلیف پہنچانا، یہاں تک کہ:

☆ شکاری کی مدد، خواہ فقط اشارہ ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔

اسی طرح:

☆ شکار کیے ہوئے جانور کو رکھنا یا اس کا گوشت کھانا ممنوع ہے۔

لیکن،

☆ مچھلی کا شکار اور اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔

﴿۲﴾ جنسی امور:

بیوی، شوہر یا کسی سے بھی جنسی بہرہ برداری خواہ کسی بھی طرح سے کیوں نہ ہو، حتی کہ ایک دوسرے کی طرف جنسی لذت کی نگاہ سے دیکھنا بھی ممنوع ہے۔

اپنے آپ یا کسی اور کے ساتھ ایسا کام، ملاعبہ یا بوس و کنار کرنا جو منی نکلنے کا سبب بنے خواہ ارادتاً گفتگو یا نگاہ ہی کیوں نہ ہو، ممنوع ہے۔

حالتِ احرام میں جنسی امور اس حد تک ممنوع ہیں کہ:

☆خود اپنے لیے عقدِ نکاح پڑھنا

☆یا کسی اور کے لیے عقدِ نکاح پڑھنا

☆یہاں تک کہ عقد کی محفل میں شرکت

☆یا عقدِ نکاح کی شہادت دینا بھی ممنوع ہے۔

﴿۳﴾ آرائش:

زیورات کا پہننا۔

سرمہ یا اس جیسی دوسرے لوازم آرائش مثلاً سرخی پاؤڈر وغیرہ لگانا۔

﴿۴﴾ خوشبو کا استعمال:

یہاں تک کہ:

عمدہ خوشبو کا سونگھنا (خواہ عطر کی صورت میں ہو یا تیل کی صورت میں) بھی ممنوع ہے۔

البتہ، اگر راستہ میں خوشبو پھیلی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

﴿۵﴾ آئینہ دیکھنا:

آرائش کیلئے آئینہ دیکھنا ممنوع ہے۔

لیکن،

اگر ضروری امور کے لیے مثلاً:

ڈرائیور کا آئینہ دیکھنا جو ڈرائیونگ کے لیے ضروری ہو،

یا

چہرہ سے موانعِ وضو دور کرنے کے لیے

یا

اس جیسے ضروری کاموں مثلاً علاج معالجہ وغیرہ کے لیے آئینہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص انجانے میں آرائش یعنی کنگھی وغیرہ کے لیے آئینہ دیکھ لے تو فوراً تلبیہ کہے۔

﴿۶﴾ ممنوع لباس:

عورتوں کے لیے،

* دستانے اور نقاب

مردوں کیلئے،

* سلا ہوا لباس پہننا

ممنوع ہے۔

سلے ہوئے لباس سے مراد:

شلوار قمیص، پینٹ کوٹ وغیرہ یا ایسا لباس جس میں بٹن لگے ہوئے ہوں ——— ہے۔

لیکن وہ بیلٹ جس میں پیسے رکھنے کی جگہ ہوتی ہے اور جسے اصطلاحاً "ہمیان" کہا جاتا ہے یا جوتے یا ہرنیہ کی بیلٹ وغیرہ جو بیماری کے سبب ضروری ہو اس میں شامل نہیں ہیں۔

﴿۷﴾ پیروں کے اوپر کا حصہ چھپانا:

مردوں کیلئے موزے یا ایسے جوتے پہننا جس سے پیروں کے اوپر کا حصہ چھپے، ممنوع ہے۔

﴿۸﴾ سر چھپانا:

مردوں کے لیے حالتِ احرام میں سر چھپانا ممنوع ہے یہاں تک کہ اگر پانی میں ڈبکی لگانے سے بھی سر پانی میں ڈوب جائے تو ایسا نہ کرے۔

اس لیے،

اگر کسی مرد سے سہواً کوئی ایسا کام انجام پائے جس کے سبب سر چھپ جائے تو فوراً تلبیہ کہے۔

اور اگر عمداً ہو ——— تو ایک مُد (680 / گرام) گندم، چاول وغیرہ فدیہ کے طور پر دے۔

﴿۹﴾ سایہ میں جانا:

مرد کے لیے سفر کے دوران ایسے سایہ کے نیچے رہنا، سونا یا سفر کرنا جو اس کے ساتھ رہے جیسے گاڑی یا جہاز وغیرہ کی چھت یا چھتری کے نیچے رہنا ممنوع ہے۔

البتہ،

وہ سایہ یا چھتیں جو راستہ میں آتی ہیں جیسے سرنگ، زینے، پل وغیرہ۔ ان کے نیچے سے گذرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح اگر سواری سے اترنے کے بعد طواف میں راستہ چلتے ہوئے، بازار یا کسی چھت یا سرنگ کے سایہ سے گذرنا پڑے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ،

چھتری وغیرہ سے سر پر سایہ کرنا ممنوع ہے۔

مختصر یہ کہ سایہ میں چلنے کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ سایہ ڈالنے والی چیز اس کے سر پر ہو لیکن اگر کسی ایسی چیز کے قریب سے گذر ہو جس کا سایہ سر پر پڑے تو اس سایہ میں رکنے یا چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسی طرح اگر ہاتھ سے دھوپ کی گرمی کو روکے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سایہ کے نیچے چلنا خواہ دھوپ سے بچاؤ کیلئے ہو یا بارش، سردی یا گرمی سے بچاؤ کی خاطر فقط دن میں ممنوع ہے۔ رات میں جائز ہے۔

دن میں ممنوع طریقوں سے حالت احرام میں سایہ کے نیچے چلنے کے سبب خواہ وہ ایک ہی احرام میں ایک مرتبہ ہو یا کئی مرتبہ، ایک بکرے کا فدیہ دینا ضروری ہے۔

﴿۱۰﴾ بال یا ناخن کاٹنا یا نوچنا:

مُحرِم کے لیے اپنے یا کسی دوسرے کے جسم سے خواہ وہ دوسرا شخص مُحرِم نہ بھی ہو، ناخن یا بالوں کا کاٹنا یا نوچنا ممنوع ہے۔

اگر سہواً ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ، اگر عمداً ایسا کرے تو ایک بکرا کفارہ دے۔

﴿۱۱﴾ فصد کھلوانا یا دانت نکلوانا:

مُحرِمُ کے لیے فصد کھلوانا یا دانت نکلوانا یا جسم پر کوئی بھی ایسی خراش لگوانا یا لگانا ممنوع ہے جو خون نکلنے کا باعث ہو۔

﴿۱۲﴾ اسلحہ رکھنا:

محرم کے لیے شدید ضرورت کے علاوہ اسلحہ رکھنا بھی ممنوع ہے۔

﴿۱۳﴾ گھاس کا نوچنا:

حاجی کے لیے مکہ و منی نیز عرفات و مشعر میں معمولی گھاس کا نوچنا ممنوع ہے۔

البتہ،

اگر قربانی کا جانور ساتھ ہو اور وہ گھاس نوچ کر کھائے تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح،

بعض خوشبودار گھاس یا ان کی پتیوں کے نوچنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

البتہ،

یہ حکم فقط حرم یعنی مکہ و منٰی و عرفات و مشعر سے متعلق ہے۔ اس کا خود احرام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿۱۴﴾ جدال و فسوق:

☆ جدال یعنی اپنے حق کے ثابت کرنے یا دوسرے کی بات کی نفی کرنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا، حرام ہے۔

خواہ یہ قسم جھوٹی ہو یا سچی ——————— عربی میں ہو جیسے:

"واللہ یا بَلٰی واللہ"

یا کسی اور زبان میں اس کا ترجمہ ہی کیوں نہ ہو۔

مختصر یہ کہ، باہمی تکرار کو اس حد تک لے جانا حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام درمیان میں آئے۔

☆کسی کی توہین کی خاطر برے الفاظ کا استعمال یا گالم گلوچ فسوق کہلاتا ہے۔ فسوق اگرچہ عام حالات میں بھی حرام ہے لیکن حالتِ احرام میں خاص طور سے اس کی حرمت کا حکم آیا ہے۔

﴿۱۵﴾ اللہ جل جلالہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز ائمہ علیہم السلام پر جھوٹ باندھنا:

حالتِ احرام میں مطلقاً جھوٹ بولنا حرام ہے۔ خاص طور پر اللہ جل جلالہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اہلبیت اطہار علیہم السلام کے حوالے سے کوئی جھوٹی بات بیان کرنا، حدیث گھڑنا یا من گھڑت حدیثیں بیان کرنا حرام ہے۔

اگر ان میں سے کوئی کام انجام دے تو فوراً استغفار کرے۔

متروکاتِ احرام کے کفارے:

﴿۱﴾ شکار کا کفارہ:

شکار کا کفارہ یہ ہے کہ:

﴿الف﴾ جو حیوان شکار کیا ہو اس جیسا کوئی اہلی حیوان کفارہ کے عنوان سے ذبح کرے۔ مثلاً ہرن کے بجائے بھیڑ یا بکری، وحشی گائے کے بجائے ایک اہلی گائے وغیرہ۔

﴿ب﴾ اگر متبادل جانور کی قربانی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

﴿ج﴾ اگر ساٹھ مسکینوں کو کھانا بھی نہ کھلا سکے تو 18/ روزے رکھے۔

﴿د﴾ شکار اگر پرندہ ہو اور چڑیا سے بڑا ہو تو اس کا کفارہ بکری یا بھیڑ کا اتنا بڑا بچہ ہے جس نے ابھی ابھی دودھ پینا چھوڑا ہو۔

﴿ہ﴾ اگر پرندہ چڑیا کے برابر یا اس سے چھوٹا ہو تو ایک مد طعام یعنی 680/ گرام گندم۔

﴿و﴾ شکار کا گوشت کھانے کا کفارہ شکار کے کفارے کے برابر ہے۔

﴿ز﴾ اگر کوئی خود ہی شکار کر کے خود ہی اس کا گوشت بھی کھا لے تو دو کفارے دے۔

﴿ح﴾ شکار کے کفارہ میں عمد و سہو و جہل کا حکم ایک ہی ہے۔

﴿۲﴾ ازدواجی روابط کا کفارہ:

﴿الف﴾ عمرہ تمتع کے احرام میں:

اگر عمرہ کے اختتام اور تقصیر سے پہلے زن و شوہر، ازدواجی روابط قائم کرلیں تو، عمرہ باطل نہیں ہو گا۔ لیکن احتیاطاً، ایک اونٹ یا گائے کفارہ کے طور پر ذبح کریں۔

اگر عمرۂ تمتع کے درمیان زن و شوہر، ازدواجی تعلقات قائم کرلیں تو، عمرہ کو مکمل کریں۔ اس کے بعد دوبارہ جاکر احرام تمتع اور عمرۂ تمتع بجالائیں۔

البتہ، اگر دوبارہ احرام تمتع کی فرصت نہ ہو تو اس عمرہ کو تمام کریں۔ حجِ افراد بجالائیں۔ اگلے برس حج و عمرہ کا اعادہ کریں۔

﴿ب﴾: حج کے احرام میں:

اگر وقوفِ عرفات سے پہلے زن و شوہر ازدواجی روابط قائم کریں تو حج باطل ہے۔

البتہ، حج کو مکمل کریں۔ اگلے برس دوبارہ قضا حج بجالائیں۔

لیکن، اگر حج کے اختتام کے بعد، طوافِ نساء سے پہلے ازدواجی روابط انجام دیں تو حج صحیح ہے۔ فقط کفارہ واجب ہے۔

اگر ازدواجی روابط دونوں کی باہمی رضامندی سے انجام پائے تو بطلان کی صورت میں دونوں کا حج باطل ہے۔ دونوں پر کفارہ واجب ہے۔

لیکن اگر ازدواجی روابط کسی ایک کی طرف سے زبردستی انجام پائے۔ دوسرا فریق راضی نہ ہو۔ تو زبردستی کرنے والے فریق کا حج باطل ہو گا۔ دونوں کا کفارہ اسی کی گردن پر ہو گا۔

دوسرے فریق کا حج صحیح ہو گا۔ خواہ وہ شوہر ہو یا بیوی۔

﴿ج﴾: عمرۂ مفردہ کے احرام میں:

اگر سعی سے پہلے ازدواجی روابط قائم کئے جائیں تو عمرہ بھی باطل ہے۔ کفارہ بھی واجب ہے۔

احرام کی تمام حالتوں میں شہوت کی نگاہ ڈالنے، یا ایسی شہوانی لذتوں کا کوئی کفارہ نہیں ہے جن سے منی نہ نکلے۔

﴿۳﴾ خوشبو کے استعمال کا کفارہ:

عطر وغیرہ یعنی خوشبو لگانے اور استعمال کرنے کا کفارہ ایک بھیڑ یا بکری ہے۔

البتہ، فقط خوشبو سونگھنے وغیرہ کے موقع پر استغفار کافی ہے۔

﴿۴﴾ آئینہ دیکھنے کا کفارہ:

بناؤ سنگھار کے لیے آئینہ دیکھنے کا کفارہ نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ تلبیہ کا اعادہ کرے۔

﴿۵﴾ سلا ہوا لباس پہننے کا کفارہ:

مرد خواہ ضرورت ہی کے سبب سلا ہوا لباس کیوں نہ پہنے، اس پر ایک بھیڑ یا بکری کا کفارہ واجب ہے۔

﴿۶﴾ خواتین کے لیے دستانوں اور نقاب کا کفارہ:

خواتین اگر نقاب یا دستانے پہنیں تو ان پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ ضروری ہے فوراً استغفار کریں۔

﴿۷﴾ جوتے یا موزے پہننے کا کفارہ:

ایسے جوتے جو پاؤں کے اوپر کے حصوں کو چھپالیں یا موزے پہننے پر کفارہ واجب نہیں۔ ضروری ہے فوراً استغفار کریں۔

﴿۸﴾ سر چھپانے کا کفارہ:

مرد کے لیے سر چھپانے کا کفارہ ایک بھیڑ یا بکری ہے خواہ ضرورت ہی کے سبب کیوں نہ چھپایا ہو۔

﴿۹﴾ سایہ میں سفر کا کفارہ:

عمرہ اور حج کے احرام میں خواہ ایک مرتبہ سایہ میں سفر کریں یا متعدد مرتبہ، ایک ہی کفارہ واجب ہوتا ہے۔ یہ کفارہ ایک بھیڑ یا بکری ہے۔

﴿۱۰﴾ بال نوچنے کا کفارہ:

اپنے بال نوچنے کا کفارہ ایک بھیڑ یا بکری ہے۔

کسی اور کے بال نوچنے کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

﴿۱۱﴾ دانت نکالنے کا کفارہ:

دانت نکالنے کا کفارہ ایک بھیڑ یا بکری ہے۔ احتیاطاً فصد کھلوانے کا کفارہ بھی ایک بھیڑ یا بکری ہے۔

﴿۱۲﴾ اسلحہ ساتھ رکھنے کا کفارہ:

بلاضرورت اسلحہ ساتھ رکھنے کا کفارہ بطور احتیاط ایک بھیڑ یا بکری ہے۔

﴿۱۳﴾ حرم کی گھاس نوچنے کا کفارہ:

حرم کی گھاس نوچنے کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

﴿۱۴﴾ جدال و فسوق و کذب کا کفارہ:

جدال و فسوق و کذب کا کفارہ بطور احتیاط ایک بھیڑ یا بکری ہے۔

متفرق مسائل:

☆ محرماتِ احرام کے تکرار کی صورت میں کفارہ بھی تکرار ہوگا سوائے سایہ میں سفر کی صورت میں۔ جس کا ذکر آچکا ہے۔

☆ عمرۂ مفردہ میں شکار کے کفارہ کو مکہ میں،

نیز، حج اور عمرۂ تمتع میں شکار کے کفارہ کو منیٰ میں ذبح کرنا چاہیے۔

مجبوری کی صورت میں کہیں بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔

☆ دوسرے کفاروں کے جانوروں کو کسی بھی جگہ ذبح کیا جاسکتا ہے۔

☆ شکار کے علاوہ باقی تمام محرمات میں کفارہ صرف ایسی صورت میں ہے جب فعل عمداً انجام دیا جائے۔ بھول (نسیان)، لاعلمی (جہالت) یا غیر ارادی طور پر فعل کے انجام پا جانے پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔

☆ کفارہ کا مصرف فقراء ہیں۔

طواف:

عمرہ میں دوسرا واجب عمل خانہ خدا کا طواف ہے۔ اس میں طوافِ حج اور طوافِ نساء دونوں شامل ہیں۔

تعریف:

طواف سے مراد خانہ خدا کے چاروں طرف سات چکر لگانا ہے۔ ہر چکر ایک شوط کہلاتا ہے۔

احکام:

طواف کے لیے ضروری ہے کہ:

﴿الف﴾ نیت اور

﴿ب﴾ طہارت (یعنی وضو) کے ساتھ

﴿ج﴾ حجر الاسود کے سامنے سے اس طرح شروع کیا جائے کہ حجر الاسود اور خانہ خدا، طواف کرنے والے کے بائیں (الٹے) ہاتھ کی طرف ہو۔

﴿د﴾ ہر مرتبہ حجر الاسود کے سامنے پہنچنے پر ایک شوط شمار ہو گا۔

﴿ہ﴾ یہ عمل (یعنی شوط مکمل کرنا) سات مرتبہ انجام دینا ہوتا ہے۔

﴿و﴾ سات شوط (چکر) مکمل ہونے پر طواف پورا ہو جاتا ہے۔

طہارت یعنی وضو ہونا، واجب طواف میں صحت کی شرط ہے۔ مستحب طواف میں اسکی فضیلت کا سبب ہے۔

اگر اژدہام یا ہجوم اتنا زیادہ ہو کہ دوسروں کو یا اپنی ذات کو نقصان پہنچے، کچلے جانے، دم گھٹنے یا دھکم پیل کے سبب دوسروں کی اذیت و آزار کا اندیشہ ہو تو ایسے ہجوم سے باہر نکل کر ایسی جگہ سے طواف کرنا ضروری ہے جہاں یہ اندیشہ یا تو نہ ہو یا کم سے کم ہو۔

واجب طواف کے چکر یا شوط پے در پے انجام پانا چاہیے ہیں۔

لیکن،

اگر کسی عذر (مثلاً تجدید وضو کے لیے) کے سبب طواف کے درمیان طواف سے نکلے اور واپس آئے،

تو اگر چوتھے شوط کے بعد نکلا ہو تو جہاں سے طواف توڑ کر نکلا ہو وہیں سے شروع کر کے باقی طواف کو پورا کر سکتا ہے۔ چاہے خانہ کعبہ سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو جائے۔

لیکن،

اگر چوتھے شوط سے پہلے نکلا ہو تو طواف باطل ہو جائے گا۔ نئے سرے سے طواف کرنا ہو گا۔

البتہ،

﴿الف﴾: اگر نماز واجب کو فضیلت کے وقت ادا کرنے یا جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے طواف کو ترک کرنا پڑے تو کسی شوط (چکر) میں۔

خواہ پہلا چکر ہی کیوں نہ ہو۔ ترک کر دے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد اسی جگہ سے شروع کر سکتا ہے۔

اس صورت میں طواف صحیح ہو گا۔

﴿ب﴾: اگر واجب طواف کو کسی ضرورت مثلاً تکان کے سبب استراحت کے لیے اتنے مختصر وقت کیلئے رکنا پڑے جس کے سبب موالات یعنی (تسلسل) نہ ٹوٹے تب بھی کسی بھی چکر میں ایسا کرنے سے طواف نہیں ٹوٹے گا۔

مستحب طواف کو کسی بھی چکر کے دوران ترک کر کے دوبارہ اسی جگہ سے شروع کیا جا سکتا ہے۔

ضروری ہے کہ حجرِ اسماعیل علیہ السلام کو خانہ کعبہ کے ساتھ طواف میں شامل رکھا جائے۔

اگر کوئی شخص طواف کے دوران حجرِ اسماعیل علیہ السلام کے اندر چلا جائے تو اس کا طواف ٹوٹ جائے گا۔ اسے دوبارہ اسی جگہ سے طواف شروع کرنا ہو گا جہاں سے اس کا طواف ٹوٹا ہے۔

شوط میں کمی:

اگر بھولے سے کچھ چکر کم لگا کر طواف کو مکمل کرے، بعد میں یاد آئے، اس صورت میں اگر ایک، دو یا تین شوط کی کمی ہو یا کسی شوط کا ایک حصہ کم رہ گیا ہو تو یاد آتے ہی باقی شوط پورا کرے۔

اسی طرح؛

اگر تین سے زیادہ چکر کم ہو گئے ہوں، ابھی زیادہ وقت نہ گذرا ہو تب بھی باقی شوط فوراً انجام دینے سے طواف صحیح ہو گا۔

البتہ،

تین سے زیادہ شوط بھولنے کی صورت میں طواف مکمل کرنے اور یاد آنے کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو چکا ہو تو طواف باطل ہو جائے گا۔ نئے سرے سے طواف کرنا ہو گا۔

شوط میں اضافہ:

اگر غلطی سے سات سے زیادہ شوط انجام دے یعنی ساتویں شوط کے مکمل کرنے کے بعد سہواً طواف کی نیت سے بڑھتا رہے۔ اس صورت میں اگر رکنِ عراقی تک پہنچنے سے پہلے یاد آجائے تو وہیں پر طواف ختم کر دے۔ طواف صحیح ہو گا۔

اگر رکنِ عراقی سے آگے بڑھنے کے بعد یاد آئے تو ضروری ہے کہ ایک مکمل طواف یعنی سات شوط اور انجام دے۔

اس کے بعد دو طوافوں کے لیے دو نمازِ طواف بجالائے۔

طواف میں شک:

طواف کے درست انجام دینے یا نہ دینے میں اگر وقت گذرنے کے بعد شک ہو، تو یہ شک بے بنیاد ہے۔ اس پر توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ طواف صحیح ہے۔

اگر، اسی موقع پر شک ہو تو اسی وقت اصلاح کرے۔

مثلاً، اگر طواف مکمل کرنے کے بعد شک ہو کہ طواف کے دوران پشت یا منہ خانہ کعبہ کی طرف تھا تو اس شک پر توجہ نہ دے۔ طواف صحیح ہے۔

لیکن،

اگر، طواف کے دوران شک ہو کہ پشت یا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہے تو فوراً توجہ دے کر اپنا رخ درست کرے۔

اسی طرح، اگر ساتویں شوط کے مکمل ہونے کے بعد شک ہو کہ طواف کے دوران طواف کی تمام شرطوں پر عمل کیا یا نہیں؟ تو اس شک پر توجہ نہ دے۔ طواف صحیح ہے۔

واجب طواف میں خواہ کسی بھی شوط میں شک پیدا ہو، طواف باطل ہو جائے گا۔ نئے سرے سے طواف کرنا ہو گا۔ خواہ یہ شک پہلے اور دوسرے کے درمیان ہو یا چھٹے اور ساتویں کے درمیان۔

لیکن،

اگر ساتویں شوط کے مکمل کرنے پر یہ شک ہو کہ ساتواں ہے یا آٹھواں؟ تو شک پر توجہ نہ دے۔ طواف مکمل اور صحیح ہے۔

مستحب طواف میں اگر شوط کے عدد میں شک ہو تو کم یا زیادہ جس پر دل چاہے بِنا کر کے طواف مکمل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً، اگر پہلے اور دوسرے میں شک ہو تو اختیار ہے کہ پہلے پر بِناء کر کے باقی چھ شوط انجام دے یا دوسرے پر بناء کر کے باقی پانچ شوط انجام دے۔ طواف صحیح ہو گا۔

نمازِ طواف:

طواف مکمل کرنے کے بعد واجب ہے کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے دو رکعت نماز بجالائے۔ اس نماز کی ہر رکعت میں حمد کے بعد کوئی ایک سورہ پڑھے۔

واجب طواف میں، نمازِ طواف مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے پڑھنا ضروری ہے۔

مقام ابراہیم علیہ السلام سے پیچھے یا اس کی جانب سے نماز پڑھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ نماز بالکل مقام ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یا اس کے قریب ہی پڑھی جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نماز مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے حرم میں کسی بھی جگہ پڑھی جا سکتی ہے۔ خاص طور پر اژدہام اور ہجوم کے موقعہ پر حتی الامکان اتنا پیچھے ہٹ کر پڑھی جائے کہ نہ طواف کرنے والوں کو زحمت ہو نہ نمازی کو کچلے جانے یا دھکم پیل کے سبب نماز کے ٹوٹ جانے کا خوف ہو۔

مستحب طواف میں نمازِ طواف مسجد الحرام میں کسی بھی جگہ پڑھی جا سکتی ہے۔

نمازِ طواف بھول جانے کی صورت میں:

☆ اگر سعی کے دوران یاد آئے تو سعی روک کر (واجب طواف کی صورت میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے) نمازِ طواف بجالائے۔ پھر واپس آکر وہیں سے سعی کو مکمل کرے جہاں چھوڑ کر نماز پڑھنے گیا تھا۔

☆ اگر اعمالِ حج کے بعد یاد آئے تو فوراً بجالائے۔

☆ اگر مکہ سے نکلنے کے بعد یاد آئے اور مکہ واپسی ممکن نہ ہو تو جہاں بھی ہو وہاں بجالائے۔

نمازِ طواف میں قرأت کا حکم وہی ہے جو روزانہ کی نمازوں میں ہے۔

یعنی،

جس حد تک ممکن ہو صحیح انجام دی جائے۔ ہر حاجی کے لیے اس کی روزانہ نمازوں جیسی قرأت کافی ہے۔ اس نماز کے لیے کسی کو نائب بنا کر نماز پڑھوانے کی ضرورت نہیں ہے۔

سعی:

تعریف:

سعی سے مراد ہے: عمرہ یا حج کے طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ گذرنا۔

احکام:

سعی، صفا سے مروہ کی طرف شروع ہوتی ہے۔ سعی میں صفا سے مروہ کی طرف جانا ایک شوط۔ نیز مروہ سے صفا کی طرف واپسی دوسرا شوط حساب ہوتا ہے۔ اس لیے سعی مروہ سے شروع ہو کر صفا پر ختم ہوتی ہے۔

سعی سواری پر بیٹھ کر بھی انجام دی جاسکتی ہے۔

سعی کے ساتوں شوط کا پے در پے انجام پانا ضروری ہے۔ سعی کے شوط کے درمیان نماز کا وقفہ کیا جاسکتا ہے۔ نماز ختم ہوتے ہی دوبارہ شروع کرنا ضروری ہے۔

سعی میں شوط کے اختتام پر مروہ یا صفا پر استراحت کی جاسکتی ہے۔

اگر بھولے سے ایک شوط زیادہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن بہتر ہے کہ اس صورت میں سات شوط مکمل کئے جائیں۔ البتہ اس وقفہ کا ساتواں شوط صفا پر ختم ہو گا۔

اگر بھولے سے ایک یا زیادہ شوط کم ہو جائیں تو جب بھی یاد آئے مکمل کئے جائیں۔

سعی کے درمیان شوط کی گنتی میں شک سے سعی باطل ہو جاتی ہے۔

صرف اگر شک ساتویں یا نویں شوط کے درمیان ہو تو اس شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ سعی صحیح ہو گی۔

تقصیر:

عمرۂ تمتع اور عمرۂ مفردہ میں سعی کے بعد تقصیر ضروری ہے۔

تعریف:

تقصیر سے مراد تھوڑے سے بال یا ناخن کاٹنا ہے۔ البتہ بال کا کاٹنا افضل ہے۔

احکام:

سعی کے بعد بال یا ناخن کاٹنے کے بعد مُحرِم عمرہ کے احرام سے باہر آجاتا ہے۔

عمرۂ مفردہ میں مُحِل ہونے کیلئے تقصیر کے بجائے سر منڈایا جاسکتا ہے۔

اگر محرم حج انجام دینے تک تقصیر بھول جائے تو ایک گوسفند کفارہ واجب ہے لیکن اس کا عمرہ اور حج صحیح ہے۔

حج کا احرام:

حج تمتع میں عمرہ بجالانے کے بعد ضروری ہے کہ حج کیلئے دوبارہ مکہ مکرمہ سے احرام باندھا جائے۔

حج کے احرام کے لیے افضل یہ ہے کہ احرام مسجد الحرام سے اور سب سے افضل یہ ہے کہ حجرِ اسماعیل علیہ السلام سے باندھا جائے۔

بہتر ہے کہ حج کا احرام روز ترویہ یعنی ۸ ، ذی الحجہ کو قبل از ظہر باندھا جائے۔ اس کے بعد عرفات روانہ ہوں۔ رات عرفات میں بسر کریں۔

عرفات میں وقوف:

حج کے دوران ۹ ، ذی الحجہ کو ظہر سے غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا (وقوف) واجب ہے۔

عرفات میں فقط رکنا، رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔ باقی معین وقت یعنی ظہر سے غروب تک عرفات میں ٹھہرنا صرف واجب ہے۔ رکن نہیں ہے۔

مشعر کی طرف روانگی:

غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے مشعر کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔ پھر طلوعِ آفتاب تک مشعر میں رہنا چاہیے البتہ مشعر میں قیام کا وقت طلوع فجر صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان کا وقت ہے۔ اس دوران کسی بھی وقت مشعر میں قیام کافی ہے۔

مناسب ہے کہ رات کو رمی جمرات کے لیے پتھر جمع کر کے ساتھ رکھ لیے جائیں۔

منٰی سے روانگی:

دسویں ذی الحجہ کی صبح طلوعِ آفتاب کے بعد رمی جمرات اور قربانی کے لیے منٰی کی طرف کوچ کرنا چاہیے۔

خواتین، کمزور اور بوڑھے لوگ رات کو یا طلوعِ آفتاب سے پہلے منٰی کی طرف جاسکتے ہیں۔

منٰی کے مراسم:

منٰی میں چار کام انجام دینا ہوتے ہیں:

﴿۱﴾ ____________ رمی جمرات

﴿۲﴾ ____________ قربانی

﴿۳﴾ ____________ حلق یا تقصیر

﴿۴﴾ ____________ قیام

﴿۱﴾ رمی جمرات:

تعریف:

جمرات ان تین مقامات کو کہتے ہیں جو منٰی کے آخر میں ہیں۔

رمی سے مراد ہے ______ پھینکنا۔

رمی جمرات، یعنی تین مشہور مقامات کی جگہ پر کنکر پھینکنا۔

جمرات کے تینوں مقامات کی حدود شریعت کی طرف سے معین نہیں کی گئی ہیں۔

البتہ یہ بات معین کی گئی ہے کہ یہ تین مقامات ہیں جن کے درمیان مختصر فاصلہ ہے۔اس لیے اس کی حد بندی میں اگر مختلف ادوار میں کوئی تبدیلی لائی گئی ہے یا حسب ضرورت لائی جائے تو اس سے رمی جمرات میں کوئی شرعی مشکل یا قباحت پیدا نہیں ہوتی۔

احکام:

مناسکِ منٰی کے پہلے دن یعنی ۱۰ ء ذی الحجہ کی صبح کو سب سے آخری جگہ یعنی جمرۂ عقبٰی پر سات کنکر پھینکنا ضروری ہے۔

ساتوں کنکریوں کا مشہور جگہ پر جاکر گرنا ضروری ہے۔اگر شک ہو کہ کوئی کنکر اس جگہ پر گرایا نہیں تو اس کی جگہ دوبارہ پھینکا جائے۔

دوسرے اور تیسرے دن بالترتیب پہلے، دوسرے پھر تیسرے یعنی پچھلے مکان پر جسے جمرۂ عقبیٰ کہا جاتا ہے۔ سات سات کنکریاں پھینکی جائیں۔

وقت:

رمی جمرات کا وقت پورا دن یعنی طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ہے۔

لیکن، بہترین وقت ظہر کے نزدیک ہے۔

جو لوگ کسی بھی سبب طلوعِ آفتاب سے پہلے منیٰ پہنچیں وہ رات ہی کو رمی کر سکتے ہیں۔

﴿۲﴾ قربانی:

تعریف:

اللہ تعالیٰ کے نام پر اس کے حکم کے مطابق بھیڑ، بکری، گائے یا اونٹ وغیرہ منیٰ میں ذبح یا نحر کرنا۔

احکام:

دس ذی الحجہ یعنی عیدِ قربان کے دن منیٰ میں قربانی واجب ہے۔ ضروری ہے کہ جمرۂ عقبیٰ کی رمی کے بعد منیٰ میں اونٹ، گائے، بھیڑ یا بکری میں سے کوئی جانور جو قربانی کے قابل ہو، اللہ کی راہ میں قربان کیا جائے۔

قربانی کے جانور کا سالم ہونا ضروری ہے۔

اگر اونٹ، گائے، بھیڑ یا بکری کے بجائے ان کے بچے نحر یا ذبح کیے جائیں تو ان کا چھ ماہ کا ہونا ضروری ہے۔

قربانی کا گوشت ممکنہ حد تک فقراء میں تقسیم کیا جانا چاہیے۔ خواہ اس کے لیے گوشت کو منیٰ سے باہر ہی کیوں نہ لے جانا پڑے۔

جو شخص قربانی دینے کے قابل نہ ہو اسے قربانی کے بجائے روزے رکھنا ہوں گے۔ ان روزوں کا طریقہ یہ ہے:

☆ اگر ذی الحجہ میں مکہ میں روزہ رکھے تو تین دن مسلسل بغیر وقفہ کے روزہ رکھے۔

☆ اگر ذی الحجہ کے بعد اور مکہ سے باہر یا وطن پہنچ کر روزہ رکھے تو سات روزے رکھے۔

لیکن ان کا مسلسل رکھنا ضروری نہیں ہے۔

﴿۳﴾ حلق یا تقصیر:

عید قربان کے دن منٰی میں تیسرا واجب عمل، حلق یا تقصیر ہے۔

تعریف:

حلق: اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر قربانی کے بعد سر منڈانا۔

تقصیر: اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر قربانی کے بعد سر کے بال یا ناخن کاٹنا۔

احکام:

قربانی کے بعد حاجی کے لیے اسی دن حلق یا تقصیر کرنا ضروری ہے۔ جو مرد حضرات پہلی دفعہ حج پر آئے ہوں ان کے لیے حلق یعنی سر کا منڈانا ضروری ہے۔ وہ تقصیر نہیں کر سکتے۔ خواہ ان کا حج نیابتی ہو یا واجب۔

خواتین کو حلق کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تقصیر ہی کریں۔ خواہ ان کا حج پہلا ہی کیوں نہ ہو۔

جو لوگ دوسری مرتبہ حج کے لیے مشرف ہو رہے ہوں یا کئی بار مشرف ہو چکے ہوں، ان کو اختیار ہے چاہے تقصیر کریں یا حلق۔

حلق یا تقصیر کے بعد حاجی مُحِل ہو جاتا ہے۔

طوافِ نساء سے پہلے اس پر مرد و زن (یعنی مرد پر عورت اور عورت پر مرد) کے علاوہ سب حلال ہو جاتا ہے۔

بہتر ہے کہ تقصیر کے بعد حاجی عید ہی کے دن مکہ مکرمہ جا کر حج کا طواف اور سعی بجالائے۔ پھر منٰی واپس آئے۔

البتہ حج کا طواف و سعی منٰی میں قیام کے بعد انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد طوافِ نساء انجام دیا جائے۔

﴿۴﴾ منٰی میں قیام:

گیارہویں اور بارہویں شب، منٰی میں رکنا۔ گیارہویں اور بارہویں دن تینوں جمروں پر رمی کرنا واجب ہے۔

بارہویں دن رمی جمرات کے بعد غروب آفتاب سے پہلے منٰی سے نکل جانا ضروری ہے۔

قیامِ منٰی کے بعد بارہویں کو منٰی سے نکل کر مکہ آئے۔ اسی دن یا اس کے بعد کسی دن اگر ابھی تک حج کا طواف و سعی انجام نہ دیا ہو تو وہ بجالائے ورنہ طوافِ نساء بجالائے۔

گیارہویں اور بارہویں شب کو منٰی میں قیام واجب ہے۔ منیٰ کے قیام کے لیے آدھی رات بھر قیام کافی ہے۔ اس لیے اگر طواف و سعی کیلئے مکہ جائے تو نصفِ شب سے پہلے منٰی واپس آنا ضروری ہے۔

حج کا طواف و سعی اور طوافِ نساء:

مناسکِ حج میں اہم عبادت، حج کا طواف اور سعی نیز طوافِ نساء ہے۔ جسے اہل سنت طوافِ زیارت کے نام سے انجام دیتے ہیں۔

حج کا طواف اور سعی عام طور سے عید قربان کے دن مناسک کی انجام دہی یعنی رمی جمرہ عقبیٰ، قربانی اور حلق یا تقصیر کے بعد انجام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح طوافِ نساء بھی حج کے طواف و سعی کے بعد انجام دیا جاتا ہے۔

البتہ عذر کی صورت میں:

☆ بوڑھے اور مریض،

جن لوگوں کو یہ خوف ہو کہ منی کے بعد حرم کعبہ میں ہجوم کے سبب طواف یا ناممکن ہو گا یا بہت مشکل ہو جائے گا۔

☆ عورت جس کو یہ خوف ہو کہ اس کی ماہانہ عادت کے دن شروع ہو جائیں گے۔ جس کے سبب وہ طواف سے محروم رہ جائے گی۔ وغیرہ

یہ لوگ عرفات روانگی سے پہلے حج کا طواف و سعی نیز طوافِ نساء انجام دے سکتے ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

تعریف:

مسلمانوں سے اسلام کا ایک اہم مطالبہ یہ بھی ہے کہ وہ انسانی معاشرہ میں اچھائیوں کو عام کرنے اور برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

اس اسلامی فریضہ کو "نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا" کہا جاتا ہے۔

یہ کوشش ہر سطح کے مسلمان کا فریضہ ہے۔

شرائط:

قرآن حکیم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے یہ قانون بنایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿الصّف:۶۱: ۲ - ۳﴾

اے مومنو! جو تم خود نہیں کرتے، دوسروں کو اس کی ترغیب کیوں دیتے ہو۔

یاد رکھو!

اللہ اس بات سے سخت ناراض ہوتا ہے کہ جو تم خود نہ کرو، دوسروں سے اس کام کے کرنے کے لئے کہو۔

اس آیۂ کریمہ کی وضاحت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یوں بیان فرمائی ہے:

كُونُوا دُعَاةً لِلنَّاسِ بِالْخَيْرِ بِغَيْرِ أَلْسِنَتِكُمْ لِيَرَوْا مِنْكُمُ الْاِجْتِهَادَ وَالصِّدْقَ وَالْوَرَعَ.[1]

☆...لوگوں کو بھلائی، نیکی، اچھائی اور دین کی طرف اپنی زبان یعنی تقریر، وعظ و نصیحت، تنبیہ اور ڈرائے دھمکائے بغیر اپنے عمل سے دعوت دو۔

۱۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الایمان والکفر: باب الصدق وأداء الامانۃ: ج:۲ : ص:۳۹۷ : حدیث:۹:۱۷۷۹: ط: الامیرۃ: بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

☆تم ان کے درمیان اس طرح سے زندگی بسر کرو کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ تم:
دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں سچی نیت کے ساتھ اجتہاد اور کوشش کرتے ہو۔
☆تمہاری گفتگو میں انہیں ہر قیمت پر سچائی ہی نظر آئے۔

اور

☆تمہارے ہر عمل اور عبادت میں ان کو تم میں اللہ تعالیٰ کی پر خلوص، بے لوث اور بے پناہ اطاعت وعبادت جھلکتی دکھائی دے۔

گویا

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے افراد میں انفرادی طور پر اور معاشرہ نیز حکومت میں مجموعی اور اجتماعی طور پر، ان صفات کا ہونا ضروری ہے:

۱... ایمان۔ اللہ پر ایسا مضبوط ایمان جو کسی حالت میں متزلزل نہ ہو۔
۲... توکل۔ تمام معاملات میں صرف اور صرف اللہ جل جلالہ پر اعتماد۔
۳... خلوص نیت۔ زندگی کا ہر کام صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی خوشی کی خاطر انجام دینا۔
۴... تقویٰ۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی خوشی کا خیال اور اس کی ناراضگی سے محفوظ رہنے کا خیال رکھنا۔
۵... ورع۔ یعنی زیادہ سے زیادہ نیکی کرنا اور اس کے راستے کی مشکلات سے نہ گھبرانا۔
۶... شجاعت۔ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے نیز اللہ جل جلالہ کی اطاعت کے کاموں میں لوگوں کے طعن وتشنیع، اعتراضات کھڑی کی جانے والی رکاوٹوں، الزامات اور گالم گلوچ کی پرواہ نہ کرنا۔
۷... صداقت۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سچ اور سچائی پر ثابت قدم رہنا اور قول وعمل میں یکسانیت پیدا کرنا۔
۸... اجتہاد۔ دین کو سمجھنے اور اس پر سمجھ کر عمل کرنے کی کوشش کرتے رہنا۔
۹... مکارم اخلاق۔ دوست، دشمن عزیز وغیر، اپنے پرائے، مسلمان کافر ہر انسان کے ساتھ نیکی اور خوش اخلاقی کے ساتھ میل جول برقرار کرنا اور ان کے ساتھ اچھے اخلاق، سخاوت اور درگذر کے ساتھ پیش آنا۔
۱۰... عزیزوں اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھے روابط برقرار رکھنا۔

۱۱... امانت داری۔ لوگوں کی زندگی کے راز اور امانتوں کی حفاظت اور ان کو وقت پر لوٹانا۔
۱۲... عبادت۔ نماز، روزہ، حج، زکات، خمس وصدقات کی پابندی کے ساتھ ادائیگی۔
۱۳... نوافل و نماز شب کی پابندی نیز سجدوں کو طول دینا۔
۱۴... معاشرہ کے رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔

یہ اور اس جیسی بہت سی چیزیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط ہیں۔
یعنی
جن افراد، اداروں یا حکومتوں میں یہ شرائط موجود نہ ہوں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

احکام:

ان صفات سے متصف ہونے اور ان شرائط پر پورا اترنے کے بعد:
☆مسلمان حکمرانوں کا فریضہ ہے کہ وہ ملک میں ایسا تعلیمی و تربیتی نظام رائج کریں، ایسے معاشرہ کی تشکیل، نیز ایسے قوانین نافذ کریں جو معاشرہ میں اچھائیوں کے فروغ اور برائیوں کے ختم ہونے کا سبب بنیں۔
☆علماء کا فریضہ ہے کہ اپنے مدرسوں میں ایسے شاگرد تیار کریں جو اتنے تربیت یافتہ اور پاکیزہ نفس ہوں جن کے وجود اور معاشرہ میں ان کی سرگرمیاں خود بخود اچھائیوں کے فروغ اور برائیوں کے ختم ہونے کا سبب بنیں۔ اس کے ساتھ وہ خود بھی اپنے عمل، زبان نیز اپنی سرگرمیوں کے ذریعہ، اچھائیوں سے بھرپور اور برائیوں سے پاک معاشرہ تشکیل دے سکیں۔
☆عام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ خود بھی اچھائیوں کو اپنائیں، برائیوں سے پرہیز کریں اور اپنے دوستوں، عزیزوں اور محلے والوں نیز اپنے حلقہ اثر میں لوگوں کو اچھائیوں کی طرف ترغیب دیں اور برائیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔
اس سلسلہ میں،

اخلاقی اور زبانی باتیں کافی نہیں ہیں۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے عملی نمونہ پیش کرنا نیز لوگوں کے ساتھ مالی اور اقتصادی تعاون بھی ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو مسجد جانے کے لیے کرایہ کے پیسے فراہم کرے یا اسکوٹر یا گاڑی خرید کردے دے۔ یا بھیک سے روکنے کیلئے کسی کو دوکان کھلوادے۔ یا غلط اور بیہودہ سرگرمیوں سے روکنے کے لیے کسی جوان کے تعلیمی وظیفہ کا اہتمام کردے تو یہ سب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذیل میں آتا ہے۔ اس کا بے پناہ ثواب اور اجر ہے۔

جہاد

جہاد کی دو قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ ______ جہاد بالنفس

﴿۲﴾ ______ جہاد بالعمل

تعریف:

مسلمانوں کا اپنی فکری اور عملی تربیت، اپنی فکر کو شیطانی وسوسوں اور خیالات سے پاک کرنے اور اپنے عمل کو اللہ جل جلالہ کے لیے خالص رکھنے کی مسلسل اور انتھک کوشش۔

شرائط:

﴿۱﴾ ______ ایمان

﴿۲﴾ ______ اخلاص

احکام:

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ:

☆ اپنی زندگی پر مستقل نظر رکھے۔

☆ روزانہ کم از کم ایک مرتبہ اپنے افکار و اعمال کا محاسبہ کرے۔

☆ اپنے افکار کو شیطانی وسوسوں، بے ہودہ خیالات، پست افکار اور گمراہی کی طرف لے جانے والے خیالات سے پاک رکھنے کی کوشش کرتا رہے۔

☆ اپنے افکار میں اللہ جل جلالہ کی عظمت و رحمت و مغفرت، قرآنی افکار، تعلیمات حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام کو اس طرح سمونے کی کوشش میں اس طرح سرگرم رہے کہ یہ نورانی افکار اس کے شعور و لاشعور کا حصہ بن جائیں۔

☆ اپنے افکار و اعمال کی اصلاح، تربیت اور تکامل کے ہر لمحہ اللہ جل جلالہ سے مدد و نصرت طلب کرتا رہے اور اس سلسلہ میں حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام کو وسیلہ قرار دے۔

☆ کوشش کرتا رہے کہ اس کا ہر عمل اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق ہو۔

☆ سخت کوشش کرے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ جل جلالہ کی نافرمانی اور گناہ کا شکار نہ ہونے پائے۔

مسلسل:

☆ واجبات و مستحباب کو ادا کرے۔

☆ تسبیح و تہلیل و ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔

☆ بہت زیادہ استغفار کرے۔

☆ حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام پر بہت زیادہ صلوٰۃ پڑھے۔

☆ طولانی سجدے کرے۔

☆ جو دعا اپنے لیے کرے وہی تمام مسلمانوں اور تمام انسانوں کے لیے کرے۔

☆ اپنے سے پہلے دوسروں کے لیے دعا کرے۔

☆ نماز شب اور نوافل ترک نہ کرے۔

☆ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور میں تعجیل کے لیے کثرت سے دعا کرے۔

جہاد :

جہاد کا مطلب ہے اسلام کی سربلندی کے لیے مستقل اور انتھک کوشش۔

فقہ اسلامی میں جہاد کے معانی ہیں، اسلام کے فروغ اور انسانیت کی ہدایت و سربلندی کیلئے مسلسل اور ان تھک جدوجہد۔ ایسی مسلسل جدوجہد جس کا خاتمہ اگر جان، مال، عزت و آبرو فدا کرنے پر بھی ہو جائے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔

جہاد دراصل انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اسلام کا ایک رفاحی اور فلاحی پروگرام ہے۔ اس پروگرام کے ذریعہ اسلام انسانوں کو اپنے ہی جیسے انسانوں کی غلامی اور ان کے ظلم و ستم، استعمار و استثمار سے آزاد کروانا چاہتا ہے۔

شرائط:

جہاد بالعمل کے شرائط وہی ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

البتہ جہاد بالعمل میں داخل ہونے کے لیے مرد مومن، ادارہ یا حکومت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی چودہ (۱۴) شرطوں کے علاوہ:

﴿۱﴾ صبر
﴿۲﴾ استقامت
﴿۳﴾ خود گذشتگی

بھی ضروری ہے۔

احکام:

یہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرح حکومتوں، علماء اور عام مسلمانوں پر الگ الگ فریضہ عائد کرتا ہے۔

حکومتوں کا فریضہ ہے کہ حکومتی سطح پر اسلام کے پیغام کو عام کریں۔ اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ اور سربلندی کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ اس کے لیے قوم کو علمی، سائنسی، فنی اور فوجی لحاظ سے مضبوط اور آمادہ کریں۔ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کیلئے ہر وقت تیار رہیں۔ انسانوں کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کی بھرپور کوشش کرتے رہیں۔ ضرورت پڑنے پر ظلم کی بیخ کنی کیلئے جنگ سے بھی گریز نہ کریں۔

علماء کا فریضہ ہے کہ انسانوں کو ان کی فلاح اور تکامل کے واقعی مفاہیم سے آگاہ کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کی طرف دعوت دیں۔ ان کو کفر و شرک و ظلم سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔ ان کو شجاعت کا درس دیں۔ اللہ کے راستہ میں ہر طرح کی قربانی، ایثار اور شہادت کیلئے آمادہ کریں۔

عوام کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کے معاشروں اور لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ مختلف دین و مذہب کے لوگوں کے درمیان اخوت و محبت کے رشتے برقرار کریں۔ لادین نیز دین دشمن قوموں کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر اصلاح کے قابل نہ ہوں تو ان کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کریں۔ انسانی معاشرہ کو ان کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

فریضہ جہاد کی ادائیگی کیلئے بھی حکومت، علماء اور عوام کی سطح پر ہر قسم کی انسانی، علمی، فنی، جنگی اور مالی توانائیوں کو جمع کرنا نیز منظّم منصوبہ بندی کے ساتھ بروئے کار لانا ضروری ہے۔

تجارتی معاملات

☆ تجارت
☆ بینکنگ
☆ لاٹری
☆ حوالہ
☆ رہن
☆ جعالہ
☆ مضاربہ
☆ لقطہ
☆ ضمانت
☆ وکالت ونیابت

☆ ربا
☆ تنزیل
☆ بیمہ
☆ شرکت
☆ اجارہ
☆ عاریہ
☆ مزارعہ
☆ مصالحہ
☆ کفالت
☆ امانت

تجارتی معاملات

شریعت کی نظر میں، بنیادی طور پر ہر لین دین (معاملہ) درست ہے۔

شرط یہ ہے کہ وہ عام انسانی معاشرہ میں ناپسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا جاتا ہو (یعنی جنبۂ عقلانی رکھتا ہو)۔

جب دو افراد اس طرح کا لین دین انجام دیں تو اس پر عمل واجب ہے۔

قرآن حکیم نے باہمی معاہدوں کو پورا کرنے سے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح حکم:

"اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ" [۱]

بیان کیا ہے۔

ہر طرح کا لین دین اس آیۂ کریمہ کے دائرہ میں داخل ہے۔

اس لیے اگر کسی تجارتی معاملہ اور لین دین کے باطل، غلط یا حرام ہونے کے سلسلہ میں کوئی مضبوط اور محکم شرعی دلیل نہ ہو تو وہ صحیح ہوگا۔

کیونکہ تجارتی امور اور روزمرہ کے لین دین میں شریعت نے "صحت" کو بنیاد اور اصل قرار دیا ہے۔

فقہی اصطلاح میں ہم اسے "اِصَالَۃُ الصِّحۃ" کہتے ہیں۔

اس لیے،

لین دین اور روزمرہ کے معاملات کے صحیح ہونے کی دو اہم شرطیں ہیں:

۱۔ سورۂ مائدہ (۵) کی پہلی آیۂ کریمہ میں ارشاد رب العزت ہے:

یَاۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ۔

(اے صاحبان ایمان! باہمی معاہدوں کو پورا کرو)

آیت کریمہ کا خطاب عمومی ہے۔ یہ عموم ان تمام معاہدوں پر مشتمل ہے جو پہلے سے چلے آرہے ہیں یا بعد میں منعقد ہوئے ہیں یا ہوں گے۔ ان کی شرط صرف ان کا عام طور پر قابلِ قبول اور پسندیدہ ہونا ہے اور بس۔

﴿۱﴾ عقلانی ہو، یعنی عام طور سے لوگوں کی نظر میں ناپسندیدہ اور منفور نہ ہو۔ اس میں بے وقوفی، جہالت اور بیہودگی کا پہلو نہ ہو۔

﴿۲﴾ معاملہ دونوں طرف یعنی لینے اور دینے والوں کی باہمی رضامندی اور خوشی سے انجام پایا ہو۔ اس میں کسی قسم کی زبردستی، دباؤ یا بے چارگی کا عمل دخل نہ ہو۔

ان دونوں شرطوں کو واضح طور پر بیان فرما دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء کی انتیسویں آیت میں ارشاد رب العزت ہے:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"۔

"اے صاحبان ایمان!

اپنے اموال کو:

آپس میں بیہودہ، فضول اور جاہلانہ انداز میں ردوبدل اور لین دین نہ کرو۔

اس کے بجائے:

ان معاملات کو تجارتی اصول وضوابط کے مطابق باہمی رضامندی سے انجام دو۔"

یہاں تجارتی اصول وضوابط سے مراد پسندیدہ اور معین قیمت کے مقابلہ میں متداول (مروجہ طریق کار کے مطابق) لین دین ہے۔

گویا ہماری نظر میں تجارت کی تعریف یہ ہے:

"ایسا معاملہ یا لین دین جو متعارف تجارتی اصول وضوابط کے مطابق یا متفقہ قیمت کے مقابلہ میں باہمی رضامندی کے ساتھ انجام پائے۔"

تجارت

دو حقیقی یا حقوقی اشخاص یعنی دو افراد یا دو اداروں، یا ایک فرد اور ادارہ، یا ایک ادارہ اور فرد کے درمیان تجارتی لین دین عام طور سے مندرجہ ذیل طریقوں سے انجام پاتا ہے:

﴿۱﴾ نقد: جنس فوراً دے کر قیمت فوراً لے لی جاتی ہے۔

﴿۲﴾ نسیہ (ادھار): جنس دے دی جاتی ہے۔ قیمت تاخیر کے ساتھ معین مدت کے بعد لی جاتی ہے۔

﴿۳﴾ سلف: قیمت فوراً نقد لے لی جاتی ہے۔ جنس معین مدت کے بعد تحویل دی جاتی ہے۔

﴿۴﴾ وعدہ: قیمت اور جنس کا تعین کر لیا جاتا ہے۔ قیمت کی ادائیگی جنس اور تحویل کا طریقہ معین کر لیا جاتا ہے۔ پھر معاہدہ کے مطابق دونوں اپنی اپنی ذمہ داری کے مطابق قیمت ادا کرتے اور جنس تحویل دیتے ہیں۔

﴿۵﴾ قسطی: جنس تحویل دے دی جاتی ہے۔ قیمت مقررہ مدت کے اندر بالاقساط لی یا ادا کی جاتی ہے۔

﴿۶﴾ نقد بہ وعدہ: قیمت ادا کر دی جاتی ہے، لیکن جنس تحویل نہیں لی جاتی بلکہ جنس اصل مالک ہی کے پاس رہتی ہے یہاں تک کہ کسی اور خریدار کے ہاتھ فروخت کر دی جاتی ہے۔ اب اگر دوسرا خریدار چاہتا ہے تو وہ اصل مالک سے جنس لے لیتا ہے ورنہ وہ بھی کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ اسی طرح کئی افراد کے ہاتھ بکنے کے بعد آخری خریدار پہلے مالک سے جنس حاصل کر لیتا ہے۔

﴿۷﴾ واسطہ: مالک اور خریدار کے درمیان ایک ماہر واسطہ کا کام کرتا ہے۔ وہ فنی نکات کو بہتر جانتا ہے، نقصان سے حفاظت اور فائدہ کی ضمانت کرتا ہے۔ خریدار اور بیچنے والا دونوں اس پر اعتماد کر کے معاملہ انجام دیتے ہیں۔ یہ درمیانی شخص اس معاملہ کی اہمیت اور قیمت کے مطابق اپنا فی صد کمیشن، حصہ یا قیمت وصول کرتا ہے۔

تجارتی معاملات کی صحت کے شرائط:

ان تمام صورتوں میں اگرچہ متداول قوانین کی مراعات شرعاً ضروری ہے، اس کے باوجود بعض شرطیں شرعی لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہیں:

﴿۱﴾ قیمت اور جنس میں مناسب نسبت:

قیمت (ثَمَن) اور جنس (مُثْمَن) کے درمیان نسبی معادلہ یعنی مناسب نسبت ہو۔ اگر یہ نسبت مناسب نہ ہو، اور کسی ایک طرف یعنی یا جنس یا قیمت میں اتنا فرق ہو جو عام رواج سے زیادہ ہو نیز لینے یا دینے والے کے علم میں نہ ہو، تو جس شخص کو فریب دیا گیا ہو، اسے خیار غبن حاصل ہوگا۔ گویا وہ معاملہ کو یکطرفہ طور پر ختم اور فسخ کر سکتا ہے۔

﴿۲﴾ آگاہی:

طرفین یعنی بیچنے اور خریدنے والا، عوضین یعنی جنس اور قیمت میں موجود قابل توجہ صفات اور خصوصیتوں سے پورے طور پر آگاہ ہوں۔ مثلاً اگر جنس تولی، ناپی یا گنی جاتی ہو تو وزن، پیمانہ یا ناپ معین ہو۔

جنس اور قیمت دونوں کی سلامتی، عیب سے پاک ہونا، نیز معین اوصاف دونوں کو اچھی طرح معلوم ہوں۔

تاکہ بیچنے یا خریدنے والے میں کسی کی طرف سے وعدہ خلافی کی صورت میں طرفِ مقابل کو خیار عیب یا خیار تخلف حاصل رہے۔

معاملہ انجام پاتے وقت کوئی ایک چیز نامعلوم یا نامشخص ہو یعنی یا قیمت معین نہ کی گئی ہو یا جنس معین نہ کی گئی ہو تو معاملہ باطل ہے۔

﴿۳﴾ اختیار و رضایت:

عام طور سے تجارتی معاملات میں ضروری ہے کہ معاملات کسی دباؤ، زبردستی اور ناپسندیدگی کے ساتھ انجام نہ پائیں۔ تمام معاملات کا طرفین کے مکمل اختیار، پسندیدگی اور رضایت کے ساتھ انجام پانا ضروری ہے۔

یہ شرط صرف ایک صورت میں قابلِ حذف ہے، وہ یہ کہ حاکم شرع شرعی ضوابط کے مطابق دَین، غصب وغیرہ جیسے امور کی خاطر کسی کو اس کی مِلک بیچنے کا حکم دے۔

ایسی صورت میں حاکم شرع، خرید و فروخت کا ذمہ دار قرار پائے گا۔ مالک کی رضایت شرط نہیں ہوگی۔

﴿۴﴾ ملکیت یا اجازت:

خریدنے یا بیچنے والا خود مالک یا خریدار ہو۔ ورنہ اسے مالک یا اصل خریدار کی اجازت حاصل ہو۔

کوئی شخص کسی کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر فضولتاً بیچ دے یا کسی کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے خرید لے۔ دونوں صورتوں میں یہ خرید و فروخت باطل ہوگی۔

﴿۵﴾ عقل و رشد:

طرفین یعنی بیچنے اور خریدنے والا دونوں عاقل، بالغ اور رشید ہوں۔ دیوانے یا احمق نہ ہوں۔ وہ بچے جو سوجھ بوجھ رکھتے ہوں، ان کی روزمرہ کی خرید و فروخت درست ہے۔

قیمت کے بیان کے لحاظ سے تجارت کی قسمیں:

قیمت کے بیان یا ذکر کے لحاظ سے تجارت یا بیع کی پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ سب شرعاً درست ہیں۔

﴿۱﴾ مساومہ:

اس قسم میں قیمت خرید بیان نہیں کی جاتی۔ بیچنے والا فقط وہ قیمت بتاتا ہے جس قیمت پر اسے چیز بیچنا ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ مرابحہ:

اس قسم میں بیچنے والا اپنی قیمت خرید اور معین منافع بیان کرتا ہے۔ گویا وہ بتاتا ہے کہ میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے اور اتنے نفع پر بیچ رہا ہوں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

﴿الف﴾ کبھی بیچنے والا معین نفع بتاتا ہے مثلاً کہتا ہے میں نے اٹھارہ روپے میں خریدی ہے۔ اب بیس یا اکیس روپے میں بیچ رہا ہوں۔

﴿ب﴾ کبھی بیچنے والا کہتا ہے: میں نے دس روپے میں خریدی ہے۔ اب بیس فیصد یا تیس فیصد نفع پر بیچ رہا ہوں۔ یہ صورت آج کل رائج ہے۔ شرعاً درست ہے۔ ÷

﴿۳﴾ تولیہ:

تاجر، اپنا رکا ہوا سرمایہ نکالنے کے لئے۔ پرانا اسٹاک نکالنے کے لئے۔ یا کسی اور تجارتی سبب سے کسی چیز کو اپنی قیمت خرید ہی پر بیچتا ہے۔ اسے آج کل کی اصطلاح میں "سیل" کہتے ہیں۔

﴿۴﴾ مواضعہ:

سیل کی ایک قسم ہے جس میں تاجر بعض تجارتی مصلحتوں کی خاطر اپنا مال اپنی قیمت خرید سے کچھ کم پر بیچ دیتا ہے۔

﴿۵﴾ محابات:

یہ بھی سیل ہی کی ایک قسم ہے۔ اس قسم میں تاجرانہ مصلحت اس بات کی تقاضہ کرتی ہے کہ وہ اپنا مال بظاہر بہت زیادہ نقصان پر بیچ دیتا ہے۔ مثلاً سو روپے میں خریدی ہوئی چیز کو دس روپے میں بیچتا ہے۔

نقد تجارت:

اس میں جنس اور قیمت دونوں معاملہ کے انجام پاتے ہی قابل رد و بدل ہوتے ہیں۔ طرفین فوراً ہی ایک دوسرے سے چیز اور قیمت کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

معاملہ کے انجام پانے کے فوراً بعد بیچنے والا بیچی ہوئی چیز کو دیکر قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

خریدار بھی قیمت دے کر خریدی ہوئی چیز کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ یہ حق دونوں کیلئے برابر سے ثابت ہوتا ہے۔

نقد تجارت میں کبھی کبھی بیچنے والا قیمت کے مطالبہ میں نرمی کرتا ہے۔ وہ خریدار کو مہلت دے دیتا ہے کہ وہ قیمت بعد میں ادا کر دے۔ اس صورت میں معمولاً دکاندار اپنے کھاتوں میں لکھ لیتے ہیں۔ اس طرح مہلت دینے کے سبب یہ معاملہ نقد کی صورت سے نسیہ کی صورت میں نہیں آتا۔

معاملہ کی اصل صورت کے مطابق دکاندار یا بیچنے والا کسی بھی وقت قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

وہ چاہے تو قیمت نہ ملنے کے سبب چیز کے دینے سے انکار کر سکتا ہے۔

نسیہ تجارت:

نسیہ میں بنیادی طور پر معاملہ کی انجام دہی کے موقعہ ہی پر قیمت میں تاخیر کی مدت طے کر لی جاتی ہے۔ اس صورت میں بیچنے والا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وہ بیچی ہوئی چیز اسی وقت خریدار کو دے دے۔ لیکن وہ معین مدت سے پہلے خریدار سے قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

اس لیے نسیہ کے موقعہ پر معاملہ کی انجام دہی کے مرحلہ میں قیمت کی ادائیگی کے لیے مدت معین کرنا ضروری ہے۔ نقد اور نسیہ کے موقعہ پر ایک ہی شئے کی قیمت میں فرق رکھا جا سکتا ہے۔

ایک ہی چیز نقد سو روپے میں لیکن:

ایک مہینہ کے نسیہ پر ——— ایک سو پانچ،

دو مہینہ کے نسیہ پر ——— ایک سو دس روپے

سال بھر کے نسیہ پر ——— ایک سو بیس روپے میں بیچی جا سکتی ہے۔

ضروری ہے کہ مدت اور قیمت دونوں معین ہوں۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ خریدار کہے کہ میں خریدتا ہوں لیکن جتنی مدت کے بعد قیمت ادا کروں گا۔ اس مدت کے حساب سے قیمت ادا کر دوں گا۔ بیچنے والا کہے کہ میں نسیہ بیچتا ہوں لیکن مدت یا قیمت یا مدت اور قیمت بعد میں معین کروں گا۔

سلف تجارت:

سلف، نسیہ کے برعکس ہے۔ اس میں معین قیمت پہلے ادا کر دی جاتی ہے۔ خریدی ہوئی چیز معین مدت کے بعد لی جاتی ہے۔

خواہ یہ چیز وہ خود بناتا ہو یا کہیں سے خرید کر مہیا کرے۔

سلف میں ضروری ہے کہ:

﴿الف﴾ بیچنے والا چیز کو معین وقت پر تحویل دینے پر قدرت رکھتا ہو۔

﴿ب﴾ چیز ان تمام اوصاف کے مطابق تحویل دے جو معاملہ کے وقت بتائے گئے یا معین کئے گئے ہوں۔

وعدہ (نسیہ بہ نسیہ) کی تجارت:

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چیز کے مشخصات اور قیمت معین کرلی جاتی ہے۔ طے کرلیا جاتا ہے کہ چیز کب تحویل دی جائے گی؟ قیمت کب ادا کی جائے گی؟

اس میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ چیز اور قیمت ایک ہی وقت ردوبدل ہو۔ کبھی قیمت بعد میں لی جاتی ہے۔ کبھی چیز بعد میں لی جاتی ہے۔

ایسے معاملہ کے وقت نہ چیز موجود ہوتی ہے نہ قیمت۔ اس قسم کے معاملات میں کبھی کبھی ایک طرف یا دونوں طرف زرِ ضمانت رکھواتے ہیں۔ کبھی کبھی زرِ ضمانت نہیں رکھوایا جاتا بلکہ کوئی ادارہ، بینک یا بیمہ کمپنی ضامن ہوتے ہیں۔

عام طور پر بڑی بڑی تجارتیں اسی طرح انجام پاتی ہیں۔ خصوصاً وہ تجارتیں جو حکومتوں یا بڑے بین الاقوامی سطح کے اداروں کے درمیان ہوتی ہیں۔

اس قسم کی تجارت کو فقہی اصطلاح میں "بیعِ نسیہ بہ نسیہ" کہا جاتا ہے۔

ہماری نظر میں اس کی ممنوعیت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کسی زمانے میں عام طور سے اس قسم کی تجارت کا رواج نہ ہو۔ اس قسم کے تجارتی معاملات درست ہیں۔ انہیں مروجہ بین الاقوامی ملکی قوانین کے مطابق انجام پانا چاہیے۔

شرائطِ ضمن عقد:

عقد کی تعریف:

دو افراد، اداروں یا فرد اور ادارہ کے درمیان مختلف نوعیت کے معاہدے انجام پاتے ہیں۔ یہ معاہدے تجارتی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں، اجتماعی اور اخلاقی نوعیت کے بھی۔ ان کو فقہی اصطلاح میں عقد یعنی معاہدہ یا قرارداد کہا جاتا ہے

شرائطِ ضمن عقد کی تعریف:

شرائطِ ضِمنِ عقد، سے مراد:

وہ شرطیں ہیں جو کسی بھی اجتماعی یا تجارتی معاملہ کے قت اس معاملہ کی قرارداد کے لازمی حصہ کے طور پر طرفین کی رضایت سے لکھی یا طے کی جائیں۔

احکام:

☆ معاملہ کی انجام دہی یعنی عقد کے موقع پر جو شرطیں طرفین ایک دوسرے پر عائد کریں یا ایک دوسرے کے لئے قبول کریں ان پر عمل ضروری ہے۔ یعنی، معاملہ کا متفقہ شرائط کے مطابق انجام پانا ضروری ہے۔

☆ شرط چیز یا قیمت کے اوصاف کے بارے میں بھی ہو سکتی ہے۔ شرط کی جائے کہ فلاں کمپنی کے فلاں مارک اور فلاں رنگ کا کپڑا یا فلاں کرنسی کے فلاں نوٹ، یا فلاں بینک کا فلاں تاریخ کا چیک وغیرہ۔

☆ شرط، عمل کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔ شرط ہو کہ، کپڑا یا گاڑی فلاں شہر میں تحویل دی جائے یا قیمت فلاں جگہ یا فلاں بینک میں ادا کی جائے۔

☆ اگر شرطِ وصف ایسی ہو جو خریدی جانے والی چیز کی اصلیت، حقیقت اور ماہیت سے تعلق رکھتی ہو تو اس پر عمل ضروری ہے۔ جیسے یہ کہا جائے کہ ہاتھ کا بنا ہوا قالین خرید یا بیچ رہا ہوں یا کھڈی پر بنا ہوا کھدر کا کپڑا بیچ یا خرید رہا ہوں۔ ایسی صورت میں اگر مشین کا بنا ہوا قالین یا عام مشینی کاٹن دے دے نیز قیمت بھی لے لے تو بیچنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ غلط دی ہوئی چیز واپس لے کر خریدار کو وہی چیز دے جو اس نے شرط کی تھی۔

☆ اگر معاملہ کسی خاص چیز پر انجام پائے مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ گاڑی جو سامنے کھڑی ہے اس شرط پر بیچ رہا ہوں کہ یہ جاپان کی بنی ہوئی ہے اور وہ جاپان کی بنی ہوئی نہ ہو تو اساساً معاملہ باطل ہے۔

☆ شرطِ وصفی خریدی یا بیچی جانے والی چیز کی ماہیت و حقیقت میں دخل نہ رکھتی ہو۔ خریدار کی پسند ناپسند سے تعلق ہو۔

﴿۱﴾ معاملہ کلی ہو جیسے سو یا دس گاڑیاں سفید رنگ کی خریدی گئی ہوں اور سیاہ یا رنگ برنگی گاڑیاں دی جائیں، تو چیز کو بدلنا ہو گا۔

﴿۲﴾ معاملہ شخصی ہو۔ جیسے ایک گاڑی اپنے استعمال کے لیے لی تھی۔ خریدار کو معاملہ فسخ کرنے یعنی توڑنے کا حق حاصل ہو گا۔

شرطِ عمل بھی دو طرح کی ہے:

﴿۱﴾ کبھی شرط کی جاتی ہے کہ فلاں کام انجام پائے مثلاً گھر خریدتے وقت یہ شرط کی جائے کہ گھر کی مرمت کروائی جائے۔ رنگ و روغن کیا جائے یا ٹیکس و بل وغیرہ ادا کر دیئے جائیں۔

اس قسم کی شرط کے انجام نہ پانے کی صورت میں خریدار کو حق فسخ حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو خریداری سے منصرف ہو کر، دیا ہوا بیعانہ یا قیمت واپس لے سکتا ہے۔ اگر خریدنے والا واپسی کا تقاضا کرے تو بیچنے والے کو خریدنے والے کی مرضی کے مطابق واپس کرنا ہو گا۔

﴿۲﴾ کبھی شرط ہوتی ہے کہ یہ معاملہ انجام دینے سے پہلے فلاں کام انجام پائے۔ مثلاً یہ کہ مکان کی سند کے نقل و انتقال کی وکالت خریدار کو حاصل ہو یا شادی کے وقت عورت شرط کرے کہ نان و نفقہ یا ازدواجی معاملات میں عدم تمکن یا تخلف کی صورت میں عورت کو مرد کی طرف سے طلاق کا حق حاصل ہے۔

ان صورتوں میں خواہ تحریری یا ملکی قانون کے مطابق کوئی سند نہ بھی لکھی گئی ہو، عقد یا معاملہ کے انجام پاتے ہی یہ وکالت محقق ہو جاتی ہے۔ اب نہ ہی اس سے تخلف جائز ہے نہ ہی یہ وکالت قابل عزل ہے۔ یعنی معاملہ یا نکاح کے درمیان شرط کی جانے والی وکالت سے وکیل کو معزول نہیں کیا جاسکتا۔

اقالہ:

تعریف:

اگر معاملہ انجام پانے کے بعد خریدار اور بیچنے والا دونوں باہمی رضامندی سے معاملہ ختم کر دیں۔یعنی چیز اور قیمت کے ایک دوسرے کو واپس کرنے پر راضی ہو جائیں تو اسے فقہی اصطلاح میں "اقالہ" کہا جاتا ہے۔

فسخ:

تعریف:

معاملہ انجام پانے کے بعد خریدار یا بیچنے والاے کا یکطرفہ طور پر معاملہ ختم کرنے کو فقہی اصطلاح میں "فسخ" کہتے ہیں۔

فسخ کا اختیار:

بعض موقعوں پر خریدار یا بیچنے والے کو فقہی لحاظ سے راپنے طور پر معاملہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔اس اختیار کو فقہی اصطلاح میں "اختیارِ فسق" کہا جاتا ہے۔اسے آسان لفظوں میں "فسق کا اختیار" یا"یکطرفہ طور پر مالمہ توڑنے کا حق" کہ سکتے ہیں۔

احکام:

☆جن موقعوں پر خریدار یا بیچنے والے کو فقہی لحاظ سے معاملہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

﴿۱﴾ خیار مجلس:

خریدار اور بیچنے والے دونوں کو حق حاصل ہے کہ معاملہ انجام پانے کے بعد جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں، یک طرفہ طور پر معاملہ فسخ کر دیں۔اس صورت میں ضروری نہیں ہے کہ وہ دوکان یا اسی جگہ پر ہوں جہاں معاملہ طے پایا تھا۔اس لیے اگر وہ دونوں ساتھ ساتھ کسی دوسری جگہ

بھی چلے گئے ہوں تو جدا ہونے سے پہلے وہ اپنا یہ حق استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ اختیار فقہی اصطلاح میں " خیار مجلس" کہلاتا ہے۔

اس صورت میں ایک فریق کی جانب سے معاملہ فسخ کیے جانے کی صورت میں دوسرے فریق کو اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

﴿۲﴾ خیارِ شرط:

اگر معاملہ کے دوران شرط کی جائے کہ دونوں (یعنی خریدنے اور بیچنے والے) یافقط کسی ایک کو ایک خاص مدت تک معاملہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہو گا، تو اس شرط کے مطابق عمل ضروری ہو گا۔

مثلاً شرط کرے کہ ایک سال تک دونوں یا کسی ایک کو حق فسخ حاصل ہو گا تو اس شرط کے مطابق اگر خریدار یا بیچنے والا کوئی معاملہ فسخ کر دے تو دوسرے فریق کو قیمت یا خریدی ہوئی چیز واپس کرنا ہو گی۔

﴿۳﴾ خیارِ عیب:

اگر قیمت ادا کرنے اور چیز لے لینے کے بعد معلوم ہو کہ جو چیز بیچی اور خریدی گئی ہے اس میں کوئی عیب ہے تو اگر معاملہ کلی طور پر انجام پایا ہو تو چیز کو بدلنا ہو گا لیکن اگر معاملہ ایک معین اور مشخص چیز پر انجام پایا ہو تو خریدار کو فسخ کا حق حاصل ہوتا ہے یعنی چیز واپس کر کے قیمت واپس لے سکتا ہے۔

اس صورت میں چند شرطوں کا لحاظ ضروری ہے:

﴿الف﴾ خریداری سے پہلے اس عیب کا علم نہ ہو۔

﴿ب﴾ عام طور سے اسے عیب سمجھا جاتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ فقط خریدار کی رائے میں وہ عیب ہو۔ عام طور سے وہ عیب نہ سمجھا جاتا ہو۔

ضروری نہیں کہ یہ عیب چیز کی قیمت میں کمی کا سبب بھی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ بعض عیب کسی چیز کی قیمت میں کمی کا سبب نہ ہوں بلکہ زیادتی ہی کا سبب ہوں، لیکن خریدار کی ضرورت کے لحاظ سے وہ عمومی طور پر عیب شمار ہوتے ہوں۔ جیسے شیرین بادام کے بجائے تلخ بادام دے دیئے جائیں۔ اگرچہ تلخ بادام کی قیمت زیادہ ہو۔ لیکن یہ گھریلو استعمال کے قابل نہیں ہوتے۔ دوا وغیرہ میں کام آتے ہیں۔

﴿ج﴾ عیب کے علم میں آتے ہی فوراً معاملہ فسخ کرلے۔ اگر بیچنے والے تک فوری رسائی نہ ہو تو دو گواہوں کے سامنے فسخ کا اعلان کرے۔ نیز عیب پر مطلع ہونے کے بعد سے اس پر کسی قسم کا تصرف نہ کرے۔ ورنہ حقِ فسخ ساقط ہو جائے گا۔

﴿۴﴾ خیارِ غَبَن :

فقہی اصطلاح میں "غبن" اس دھوکہ کو کہا جاتا ہے جو قیمت کے سلسلہ میں کسی فریق کی لاعلمی کے سبب انجام پائے۔ دھوکہ یعنی غبن خریدار کی لاعلمی اور جہالت کے سبب اس سے زیادہ قیمت وصول کرنا۔ بیچنے والے کی لاعلمی اور جہالت کے سبب اصل قیمت سے کم میں خریدنا۔

یہ کمی اور زیادتی غیر معمولی ہو۔ معاملہ کے وقت دھوکا کھانے والے کی طرف سے حد سے زیادہ اصرار نہ کیا گیا ہو۔

خریدار نے یہ نہ کہا ہو کہ جس قیمت پر بھی دوگے لے لوں گا۔ ایسی صورت میں دھوکا کھانے والے فریق کو معاملہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ دوسرے فریق کو قیمت یا چیز واپس کرنا ہو گی۔

تَدْلِیس: تعریف: تدلیس فقہی اصطلاح میں اس دھوکے کو کہا جاتا ہے جس میں کسی چیز کی اصل حالت اور برائی کو چھپا کر اس کو بہتر انداز میں دکھایا جاتا ہے۔ خریدار اس کو اچھی جنس سمجھ کر اچھی قیمت پر خرید لیتا ہے۔

خواستگاری یعنی شادی کے لئے رشتہ دینے یا لینے کے موقعہ پر مرد یا عورت کا اپنے آپ کو بہت زیادہ بناؤ سنگھار کے ساتھ پیش کرنا بھی "تدلیس" کہلاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی عمر سے بہت کم اور اپنی اصل صورت سے بہت زیادہ حسین یا وجیہ معلوم ہوتا یا ہوتی ہے۔ اسی کم سنی یا حُسن کے سبب دھوکہ میں رشتہ قبول ہو جاتا ہے۔

﴿۵﴾ خیارِ تدلیس :

اگر خریداری کے بعد واضح ہو کہ تجارتی جنس جس طرح دکھائی گئی تھی اس کے مقابلہ میں متوسط یا پست درجہ کی ہے تو خریدار کو خیار تدلیس حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس بنیاد پر معاملہ فسخ کر کے دی ہوئی قیمت واپس لے سکتا ہے۔

اسی طرح اگر شادی کے بعد معلوم ہو کہ لڑکے یا لڑکی نے جیسا اپنے آپ کو ظاہر کیا تھا اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ عمر والا یا والی ہے یا بہت زیادہ بد صورت ہے تو فریقِ ثانی کو نکاح فسخ کرنے کے سلسلہ میں "حقِ تدلیس" حاصل ہوتا ہے۔

﴿۶﴾ خیارِ تاخیر:

اگر چیز تحویل دینے یا قیمت ادا کرنے میں طرفین کی رضایت کے بغیر حد سے زیادہ تاخیر ہو تو دوسرے فریق کو معاملہ فسخ کرنے کے لیے "خیار تاخیر" حاصل ہوتا ہے۔

﴿۷﴾ خیارِ تَخَلُّفِ شرط:

اگر خریدار یا بیچنے والا کسی ایسی شرط پر عمل نہ کرے جو معاملہ کے موقعہ پر رکھی اور قبول کی گئی ہو تو دوسرے فریق کو معاملہ توڑنے کا حق حاصل ہوتا ہے جو "خیار تخلف شرط" کہلاتا ہے۔

﴿۸﴾ خیارِ حَیَوان:

حیوانات کی خرید و فروخت کے موقعہ پر فقہاء کی نظر میں خریدار کو تین دن تک اپنی مرضی کے مطابق معاملہ کو توڑنے اور حیوان کو واپس کرنے یا بدل لینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسے "خیار حیوان" کہتے ہیں۔

﴿۹﴾ اسقاطِ خیارات:

تعریف:

معاملہ کی انجام دہی کے موقعہ پر تمام خیارات کے ساقط ہونے کی شرط کی جائے۔ خریدار اس بات پر راضی ہو جائے یا یہ شرط مان لے کہ:

" میں یہ معاملہ اس شرط پر انجام دے رہا ہوں کہ معاملہ فسخ کرنے کے سلسلہ میں اپنے تمام اختیارات سے صرفِ نظر کرتا یا ان کو ساقط کرتا ہوں یعنی استعمال نہیں کروں گا"۔

اسے فقہی اصطلاح میں "اسقاطِ خیارات" یعنی کسی قانونی سبب کے باوجود معاملہ توڑنے کے قانونی حق سے دستبردار ہونے کو کہتے ہیں۔

احکام:

ایسی صورت میں "خیار شرط"، "خیار تخلف شرط" اور "خیار تاخیر" کے علاوہ فسخ کے تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے۔

گویا اسقاط خیارات کی شرط سے صرف "خیار مجلس"، "خیار عیب"، "خیار غبن"، "خیار تدلیس" اور "خیار حیوان" ہی ساقط ہوتے ہیں۔

شفعہ:

تعریف:

حق شفعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی ملکیت میں دو افراد شریک ہوں۔ ان میں سے کوئی ایک اس چیز کو بیچ دے تو دوسرا شریک اس معاملہ کو فسخ کر کے اپنے نفع کے مطابق انجام دے سکتا ہے۔

احکام:

دو شریکوں میں سے کوئی ایک دوسرے شریک کی اطلاع کے بغیر اپنا حصہ بیچ دے۔ دوسرے شریک کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ اطلاع ملتے ہی اس معاملہ کو فسخ کر دے۔ مندرجہ ذیل شرائط کے مطابق اس حصہ کو اسی قیمت پر اپنے نفع میں حاصل کرے؛

﴿۱﴾ مشترک مال میں دو سے زیادہ شریک نہ ہوں۔ اگر شریک دو سے زیادہ ہوں تو حق شفعہ نہیں ہوتا۔ جیسے حصہ دار کمپنیاں اور کارخانے وغیرہ جن میں ہر حصہ دار اپنے حصہ کو جس وقت اور جسے چاہے بیچ سکتا ہے۔ اسے دوسرے حصہ داروں سے اجازت لینے یا اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

﴿۲﴾ حق شفعہ ہر مشترک مال میں ہوتا ہے خواہ منقول ہو یا غیر منقول، زراعت، تجارت، گھر، باغ، دوکان، کارخانہ، مشینوں وغیرہ سب میں۔

﴿۳﴾ شرکت کا مشاع ہونا شرط ہے۔ شرکت جوار یعنی ہمسائیگی شرط نہیں ہے یعنی اگر ایک کئی طبقہ کی عمارت میں مختلف طبقوں کے مالک الگ الگ ہیں تو یہ مشاع نہیں ہوں گے۔

ان کے صحن اور رفت و آمد کا راستہ ایک ہو تو مشاع ہو گا اور حق شفعہ ثابت ہو گا۔

رستے الگ الگ کر دیئے جائیں تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

﴿۴﴾ مشترک شئے کے بیچے جانے کے وقت شریک کو خبر نہ ہو۔ اگر شریک کو خبر کر دی گئی ہو اور وہ کسی بھی سبب خریدنے سے انکار کر دے تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

لیکن اگر شریک رقم مہیا کرنے کے لیے آمادہ ہو تو ضروری ہے کہ اسے معقول حد تک مہلت دی جائے۔ پھر اگر وہ خواہ اپنی مشکلات ہی کے سبب رقم مہیا نہ کر سکے تو دوسرا شریک بیچ سکتا ہے۔ اب حق شفعہ خود بخود ساقط ہو جائے گا۔

﴿۵﴾ حق شفعہ فوریت رکھتا ہے۔ یعنی جیسے ہی چیز کے بکنے کی اطلاع ملے اسی وقت کسی غیر معمولی تاخیر کے بغیر اقدام کیا جائے۔ معاملہ فسخ کر دیا جائے یا معاملہ کو روک کر مہلت لی جائے۔ اگر بغیر مہلت لیے تاخیر کی جائے تو حق شفعہ خود بخود ساقط ہو جائے گا۔

یہاں فوریت سے مراد متعارف فوریت ہے مختصر مدت کے فاصلہ سے اس پر اثر نہیں پڑے گا۔

قرض و دَین

ضرورتمند کو ادھار دینا ایک اہم معاشرتی خدمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے اس کے ثواب سے متعلق بہت زیادہ روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ یہ زندگی میں برکت اور خوش قسمتی کا باعث ہوتا ہے۔

قرآن مجید کے حکم کے مطابق ضروری ہے کہ دَین طرفین (یعنی ادھار دینے اور لینے والے) کے درمیان معاہدہ کی صورت میں انجام پائے۔ اس کی مدت معین ہو اور تحریری وثیقہ کے ساتھ یا دو عادل گواہوں کی موجودگی میں انجام پائے۔

اس صورت میں ادھار لی جانے والی چیز یا رقم قبض واقباض یعنی دینے اور وصول کر لینے کے بعد ادھار لینے والے کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ نیز ضروری ہو جاتا ہے کہ ادھار لینے والا مدت ختم ہونے پر ادھار دینے والے کو اس جیسی چیز یا (معاہدہ کے مطابق) اس کی قیمت واپس کرے۔

ادھار کی ادائیگی کے سلسلے میں کسی بھی قسم کے بلاعوض اضافہ کی شرط "ربا" شمار ہوتی ہے۔

البتہ مستحب ہے کہ ادھار لینے والا خود سے (نہ کہ مجبوری یا زبردستی کے سبب) ادھار دینے والے کو اصل رقم کی واپسی کے علاوہ تشویق کے طور پر کچھ نہ کچھ ہدیہ یا تحفہ دے۔

ادھار لینے والے کے لیے ضروری ہے کہ مدت پوری ہونے پر ادھار کی ادائیگی کا انتظام کرے۔ اس میں کوتاہی یا حیل وحجت نہ کرے۔ ادھار کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی یا حیل وحجت گناہِ کبیرہ ہے۔ ایسا شخص غاصب کے حکم میں شمار ہوتا ہے کیونکہ وہ نیکی کا راستہ بند کرنے کا سبب بنتا ہے۔

رِبا

ربا کی حرمت:

تعریف، حدود اور شبہات کا ازالہ

پیچیدگی یہ نہیں ہے کہ ربا حرام ہے یا نہیں۔ نہ حرمت میں شک ہے اور نہ ہم کسی حیلے کے قائل ہیں پیچیدگی یہ ہے کہ ہم اچھی طرح سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کریں کہ ربائے محرم کیا ہے؟ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعض تجارتی معاملات بھی "ربا المحرم یا حرام ربا" کے ذیل میں آتے ہیں اس بات کا تجزیہ ضروری ہے اور قرض کے باب میں جس ربا کو حرام قرار دیا جاتا ہے اسکو حلال کرنے کے لئے جن حیلوں کو بیان کیا جاتا ہے ان پر توجہ اور منطقی تحلیل کی ضرورت ہے.

عموما احادیث میں "ربا المحرم" یعنی حرام ربا یا حرام سود کی واضح تعریف نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام ابھی تک حرام ربا کی تفہیم و تشریح میں مشکلات کا شکار ہیں اور یہ بات اس حد تک پھیل گئی ہے کہ قرآن حکیم نے ربا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اس دور کے یہود کا یہ قول بیان تھا کہ احل اللہ البیع و حرم الربا اور اب ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ہم نے بیع کو بھی حرام قرار دے دیا اور خالص تجارتی معاملات کو شبہ ربوی کی بنیاد پر حرام قرار دیکر معاشرہ کی اقتصادی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے.

قرآن حکیم میں ربا کی حرمت:

قرآن حکیم میں چار مقامات پر "ربا" پر گفتگو ہوئی ہے۔ وہ چار مقامات یہ ہیں:

۱۔ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ

مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهى فَلَهُ ما سَلَفَ وَ أَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَ مَنْ عادَ فَأُولئِكَ أَصْحابُ النَّارِ هُمْ فيها خالِدُونَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبا وَ يُرْبِي الصَّدَقاتِ وَ اللَّهُ لا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثيمٍ ﴿۲۷۶﴾ إِنَّ الَّذينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحاتِ وَ أَقامُوا الصَّلاةَ وَ آتَوُا الزَّكاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۷﴾ يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ ذَرُوا ما بَقِيَ مِنَ الرِّبا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنينَ ﴿۲۷۸﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَ رَسُولِهِ وَ إِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُسُ أَمْوالِكُمْ لا تَظْلِمُونَ وَ لا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۹﴾ وَ إِنْ كانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلى مَيْسَرَةٍ وَ أَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۰﴾ وَ اتَّقُوا يَوْماً تُرْجَعُونَ فيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ ما كَسَبَتْ وَ هُمْ لا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۱﴾ (بقرہ:۲: ۲۷۷ -۲۸۱)

جو لوگ ربا کھاتے ہیں ان کو قیامت کے دن ان لوگوں کی طرح سے اٹھایا جائے جنہیں شیطان نے جنون میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں" تجارت ، "ربا" ہی کی طرح ہے ۔ اللہ جل جلالہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔

اب اگر کسی کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ (رباسے) رک جائے۔ تو اب تک وہ جو کچھ لے چکا ہے وہ اسی کا ہے۔ اس کا معاملہ اللہ جل جلالہ کی طرف ہے۔ جو اس کے باوجود

دوبارہ (ربا) لے تو اس قسم کے لوگ جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

اللہ جل جلالہ ربا کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے ۔ اللہ جل جلالہ کسی بھی کافر اور نافرمان سے محبت نہیں فرماتا۔

جو لوگ ایمان لائے، انہوں نے نیک کام انجام دیئے، نماز قائم کی اور زکات ادا کی ان کے رب کے پاس ان کا اجر محفوظ ہے انہیں نہ ڈرنے کی ضرورت ہے نہ غم واندوہ کی۔

اے صاحبان ایمان!

اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور اگر غم واقعی مومن ہو تو ربا میں سے جو باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔

اگر تم ایسا نہیں کروگے تو پھر اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اگر تم توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال (رأس المال) تمہارا ہی ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے گا۔

اگر قرض لینے والا واقعی مشکل میں ہو تو تم اس کی آسانی کا خیال کرو

یاد رکھو!

اگر تم اس کو صدقہ دو (اس کو آسانی سے مہلت دے دو) تو اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے۔

تم کو اس دن کا خیال رکھنا چاہیے جب تم اللہ کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔ ہر نفس کو اس نے جو کچھ کمایا ہے اس کا پورا حساب ملے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ (آل عمران:۳: ۱۳۰-۱۳۱)

اے صاحبان ایمان!

ربا کو بڑھا چڑھا کر یعنی کئی گنا کرے نہ کھاؤ۔ اللہ جل جلالہ کا پاس ادب کرو یقیناً تم فلاح پاؤ گے۔

اس آگ سے بچنے کی کوشش کرتے رہو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

۳۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾

(النساء۴: ۱۶۰ - ۱۶۱)

جو لوگ یہود کہلاتے ہیں ان کے ظلم نیز لوگوں کو کثرت سے اللہ کے راستے سے روکنے کے سبب نیز ربا لینے کے سبب جس سے ہم

نے انہیں منع کیا ہے اور لوگوں کے مال کو ناحق اور باطل کے ساتھ کھانے کے سبب ہم نے ان پر ان پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام کر دیا جو ہم نے ان پر حلال کر دی تھیں اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لئے بہت دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

۴۔ وَ ما آتَيْتُمْ مِنْ رِباً لِيَرْبُوَا في أَمْوالِ النَّاسِ فَلا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ وَ ما آتَيْتُمْ مِنْ زَكاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ (الروم:۳۰: ۳۹)

تم جو کچھ ربا کے عنوان سے اس لئے دیتے ہو کہ لوگوں کی دولت بڑھے تو یہ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں نہیں بڑھتا لیکن وہ زکوۃ جو تم اللہ جل جلالہ کی خاطر دیتے ہو در حقیقت انہیں لوگوں کا مال بڑھتا ہے۔

حدیث میں ربا کی حرمت:

یہاں ربا کی حرمت اور قباحت کے سلسلہ میں چند حدیثوں کا ذکر کیا جارہا ہے:

شیخ صدوق نے دو طولانی حدیثیں سلسلہ ذھبیہ سے روایت کی ہیں۔

سلسلہ ذھبیہ اس سلسلہ کو کہتے ہیں جس میں کسی امام علیہ السلام نے اپنے آباؤاجداد علیہم السلام سے اپنے سلسلہ روایت کو ذکر کیا ہو۔

یوں تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجموعی طور پر یہ بات فرمادی ہے کہ ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ اپنے آباؤاجداد سے روایت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمان الٰہی بیان فرماتے ہیں۔

بعض مقامات ایسے ہیں جہاں پر ائمہ علیہم السلام نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ پوری سند بیان کی جائے۔

حدیث میں ہے:

عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ وَ حَمَّادِ بْنِ عُثْمَانَ وَغَيْرِهِ قَالُوا:
سَمِعْنَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ علیہ السلام يَقُولُ:
حَدِيثِي حَدِيثُ أَبِي وَ حَدِيثُ أَبِي حَدِيثُ جَدِّي علیہ السلام وَحَدِيثُ جَدِّي علیہ السلام حَدِيثُ الْحُسَيْنِ علیہ السلام وَ حَدِيثُ الْحُسَيْنِ علیہ السلام حَدِيثُ الْحَسَنِ علیہ السلام وَحَدِيثُ الْحَسَنِ علیہ السلام حَدِيثُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ علیہ السلام وَ حَدِيثُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ علیہ السلام حَدِيثُ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ حَدِيثُ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ [1]

ہشام بن سالم اور حماد بن عثمان وغیرہ نے کہا: ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

میری حدیث، میرے والد ماجد کی حدیث ہے۔
میرے والد ماجد کی حدیث، میرے دادا کی حدیث ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب العقل والجہل: باب روایۃ الکتب والحدیث وفضل الکتابۃ والتمسک بالکتب: ج:۱: ص: ۳۴: ح: ۱۵۳، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

میرے دادا کی حدیث، امام حسین علیہ السلام کی حدیث ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی حدیث، امام حسن علیہ السلام کی حدیث ہے۔

امام حسن علیہ السلام کی حدیث، امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث، رسول اللہ کی حدیث ہے۔

نیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

یہ روایت اسی طرح کی روایت ہے۔

اس لئے یہ سلسلہ ذھبیہ والی روایت کہی جاتی ہے۔

رُوِيَ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ وَاقِدٍ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ آبَائِهِ عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ علیهم السلام قَالَ: وَ نَهَى عَنْ أَكْلِ الرِّبَا وَ شَهَادَةِ الزُّورِ وَ كِتَابَةِ الرِّبَا وَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَ مُؤْكِلَهُ وَ كَاتِبَهُ وَ شَاهِدَيْهِ[۱]

اس طولانی روایت میں جسے امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤاجداد علیہم السلام کے سلسلہ سے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"رباخوری، جھوٹی گواہی اور ربا کی کتابت سے منع فرمایا ہے۔"

۱۔ صدوق، من لایحضر: باب ذکر جمل من مناہی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آغاز جلد ۴) : ج: ۴: ص: ۵۸۲: ح: ۵۷۴۶ : ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

اور ارشاد فرمایا ہے:

"بے شک اللہ عز و جل ربا کھانے اور کھلانے والے، ربا کے کاتب اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرماتا ہے۔"

رَوَى حَمَّادُ بْنُ عَمْرٍو وَ أَنَسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ جَمِيعاً عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ علیہم السلام عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنَّهُ قَالَ لَهُ:

يَا عَلِيُّ:

أُوصِيكَ بِوَصِيَّةٍ فَاحْفَظْهَا فَلَا تَزَالُ بِخَيْرٍ مَا حَفِظْتَ وَصِيَّتِي:.....

يَا عَلِيُّ!

الرِّبَا سَبْعُونَ جُزْءاً فَأَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ فِي بَيْتِ اللَّهِ الْحَرَامِ

يَا عَلِيُّ:

دِرْهَمٌ رِبًا أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ سَبْعِينَ زَنْيَةً كُلُّهَا بِذَاتِ مَحْرَمٍ فِي بَيْتِ اللَّهِ الْحَرَام.......الی آخر الحدیث [۱]

اس طولانی حدیث میں جو حدیث سلسلۃ الذھب ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک وصیت کی ہے۔اس وصیت میں ایک مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ صدوق، من لایحضر: باب النوادر وھو آخر ابواب الکتاب: ج: ۴: ص: ۳۷۱: ح: ۵۷۶۲: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

اے علیؑ!

ربا کے ستر حصے ہیں۔ اس کا سب سے کمتر حصہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص خانۂ کعبہ میں (نعوذ باللہ) اپنی ماں کے ساتھ بد فعلی کرے۔

اے علیؑ!

ایک درہم ربا کا کھانا اللہ عزوجل کے نزدیک ایک شخص کے ان ستر (۷۰) زناؤں سے زیادہ بڑا گناہ ہے جو کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر انجام دے۔

قرآن حکیم کی ان آیتوں اور ان احادیث اور اس طرح کی بہت سی دوسری حدیثوں کی موجودگی میں ربا کی حرمت اور اس حرمت کی سنگینی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن ربا کیا ہے؟ اس کی حدیں کیا ہیں؟ اور کیا مشتبہ مقامات میں پرہیز ضروری ہے؟

ربا کیا ہے؟

اصولی طور پر سب پر یہ بات عیاں ہے کہ جب بھی قرآن حکیم میں کوئی ایسا حکم آیا ہے جس کی وضاحت ضروری تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ جن احکام کی وضاحت نہ قرآن حکیم میں موجود ہے نہ ہی احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں۔ یہ احکام عقلی یا عقلائی کہلاتے ہیں۔ یہ وہ احکام ہیں جو معاشرہ میں اجنبی نہیں تھے اور عام طور سے لوگ ان کے بارے میں اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ ان میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی، ربا اسی قسم کا حکم ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء اسلام نے بھی ربا کی تعریف پر کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ ان کی نظر میں یہ بدیہیات میں سے تھا۔

ربا، ایک ایسی برائی ہے جو صدیوں سے چلی آرہی ہے تمام انبیاء اس کی حرمت کا حکم لے کر آئے اور دنیا کے تمام بڑے فلسفی اس لعنت کی بیخ کنی میں پیش پیش رہے۔ ارسطو کی ربا سے مخالفت اور اس کے خلاف ارسطو کی تحریک تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

لیکن نامعلوم اسباب کی بناء پر بیسویں صدی عیسوی سے مسلمانوں کے درمیان ربا کے بارے میں بہت سے شبہات پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ یہ الجھنیں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔ اس لئے آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ربا کی تعریف معین کی جائے۔

ربا کی تعریف:

"ربا" کے لغوی معنی ہیں: ایسا اضافہ جو کسی خدمت کے بغیر لیا یا دیا جائے۔

شریعت میں "ربا المحرم" سے مراد وہ زیادہ رقم یا چیز ہے جو "دین" یعنی ایسے قرض پر جس کو تحریری طور پر لیا یا دیا گیا ہو، دیتے وقت یا دینے کے بعد شرط کر کے یا مطالبہ کر کے قرض خواہ قرض لینے والے سے لے جبکہ اس زیادتی کے مقابلہ میں اس نے قرض لینے والے کے لئے کوئی ایسا کام یا خدمت انجام نہ دی ہو جس کے مقابلہ میں یہ اضافہ طلب کر رہا ہو۔

یہ ربا جس طرح مسلمان اور مسلمان کے درمیان حرام ہے اسی طرح مسلمان اور مشرک کے درمیان بھی حرام ہے۔[۱]

وضاحت:

یہ اضافہ اگر کسی خدمت کے عوض یعنی بدلے یا معاوضہ میں ہو تو جائز ہے۔

مستحب ہے کہ قرض لینے والا قرض کی ادائیگی کے موقعہ پر حتی الامکان قرض دینے والے کے احسان کے بدلہ کے طور پر خود سے کچھ اضافی رقم یا چیز اس کو دے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب انہ لیس بین الرجل و بین ولدہ ومایملکہ ربا: ج: ۵: ص: ۶۸۵ - ۶۸۷، ح: ۴۸۴۹، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

بلاعوض اضافہ ادھار دینے والے کی طرف سے طلب نہ کیا گیا ہو یا ادھار کے معاملہ کی شرط نہ ہو۔ ادھار لینے والا ادھار کی ادائیگی کے موقعہ پر دے۔ اس کا دینا اور لینا دونوں مستحب ہے۔

یہ وہ "ربا" ہے جو نہ صرف عہد نبوی ﷺ اور عہد ائمہ علیہم السلام میں عام تھا، بلکہ یہ عہد نبوی ﷺ سے پہلے بھی رائج تھا اور آج بھی دنیا کے مختلف علاقوں میں رائج ہے۔

حرام ربا کی شرطیں:

اگر اس "ربا" کی تاریخی اور عقلی تحلیل کی جائے تو ہمیں اس ربا میں چند صفات یا چند شرطیں نظر آتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱. "ربا" ایسی رقم یا چیز سے دیئے ہوئے "دین" پر ہوگا جو جمع کی ہوئی بیکار رکھی ہو۔ نہ وہ ذاتی تجارت میں لگی ہو نہ ہی وہ ملّی، ملکی یا اجتماعی تجارت کا حصہ ہو۔ یعنی "ربا المحرم" کا تعلق ایسی رقم یا چیز سے دیئے جانے والے "دین" پر اضافہ کی طلب پر ہوگا جو "احتکار" کی گئی ہو۔

۲. قرض دینے والا شخص براہ راست اس رقم یا چیز کا مالک ہو۔ یہ رقم یا چیز کسی اور کی ملکیت نہ ہو۔ اس کے پاس عاریہ یا کسی اور عنوان سے نہ رکھوائی گئی ہو۔

۳. "دین" مدت دار ہو اور اس کی مدت ایک سال سے زیادہ نہ ہو۔

۴. احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "ربا المحرم" کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ قرض یا دَین دینے اور لینے والے کے درمیان قریبی رشتہ داری نہ ہو یعنی وہ آپس میں باپ، بیٹے یا میاں، بیوی نہ ہوں۔

۵. یہ اضافہ ایسا ہو جس کے بدلے یا مقابلہ میں قرض یا دَین دینے والے نے کوئی ایسی خدمت انجام نہ دی ہو جس کے بدلے اسے اضافہ لینے کا حق حاصل ہو۔

"ربا المحرم" کی اس تعریف اور شرائط کے بعد بہت سے ایسی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں جس کے سبب عام مسلمان مشکلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

مثلاً یہ جو کہا جاتا ہے کہ تجارتی معاملات میں یا فکس ڈیپازٹ fix depost یا بینک میں بچت اکاونٹس میں جو معین فی صد منافع دیا جاتا ہے وہ اس لیے " ربا المحرم " یا حرام سود یا سود ہے کہ وہ پہلے سے معین کر دیا جاتا ہے۔ اس سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک تجارتی معاملہ ہے اس میں شراکت کا عنصر شامل ہوتا ہے اور چونکہ فکس ڈیپارٹ رکھنے والا غیر عامل شریک sleeping partner ہوتا ہے اس لیے عامل شریک active partner اس کی رضایت سے تجارت میں حاصل ہونے والے نفع میں سے اس کی دی ہوئی رقم کی فی صد کے مطابق نفع ادا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

یہ ضمانت اس تعہد کے ساتھ دی جاتی ہے کہ تجارت میں ہونے والے نقصان میں عامل شریک غیر عامل شریک کو شامل نہیں کرے گا۔

اس لیے وہ تجارت کے اتار چڑھاؤ کے اصولوں کے مطابق ایسا فی صد معین کرتا ہے کہ اگر اسے نقصان اٹھانا پڑے تو ایسا نہ ہو کہ وہ اس نقصان میں بہت زیادہ گھاٹے میں رہے۔ وہ اس طرح حساب کر کے فی صد معین کرتا ہے کہ نفع کے دوران نقصان کے موقعہ کا حق اپنے پاس محفوظ کر سکے۔

یہ چونکہ ایک تجارتی عمل کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے یہ "ربا المحرم" یا حرام سود" کی تعریف سے خارج ہے۔

پھر یہ کہ اس قسم کی رقم قرض یا دین کے طور پر نہ تو دی جاتی ہے نہ ہی لی جاتی ہے۔ بلکہ اس کا تعہد تجارتی ہی ہوتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل اس تعریف پر غور کرنے اور توجہ کرنے سے حل ہو جاتے ہیں۔

لا علمی یعنی جہل و شک کی صورت میں ربا کا حکم:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَأْكُلُ الرِّبَا وَ هُوَ يَرَى أَنَّهُ لَهُ حَرَامٌ

قَالَ: لَا يَضُرُّهُ حَتَّى يُصِيبَهُ مُتَعَمِّداً فَإِذَا أَصَابَهُ مُتَعَمِّداً فَهُوَ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِي قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿۱﴾

امام علیہ السلام سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو رباخوار ہے۔ اسے اب پتہ چلا کہ ربا حرام ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:
جب تک کوئی ارادتاً ربا کو ربا سمجھ کر نہ کھائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر ارادتاً کھائے تو محارب ہے.

أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْوَشَّاءِ، عَنْ أَبِي الْمَغْرَاءِ، عَنِ الْحَلَبِيِّ، قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ علیہ السلام:
كُلُّ رِبًا أَكَلَهُ النَّاسُ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا، فَإِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُمْ إِذَا عُرِفَ مِنْهُمُ التوبہ۔

وَ قَالَ: «لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَرِثَ مِنْ أَبِيهِ مَالًا وَ قَدْ عَرَفَ أَنَّ فِي ذٰلِكَ الْمَالِ رِبًا وَ لٰكِنْ قَدِ اخْتَلَطَ فِي التِّجَارَةِ بِغَيْرِهِ حَلَالٍ، كَانَ حَلَالًا طَيِّباً، فَلْيَأْكُلْهُ، وَ إِنْ عَرَفَ مِنْهُ شَيْئاً أَنَّهُ رِبًا، فَلْيَأْخُذْ رَأْسَ مَالِهِ، وَلْيَرُدَّ الرِّبَا؛ وَ أَيُّمَا رَجُلٍ أَفَادَ مَالًا كَثِيراً قَدْ أَكْثَرَ فِيهِ مِنَ الرِّبَا، فَجَهِلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ عَرَفَهُ بَعْدُ، فَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ فِيمَا مَضَى، فَلَهُ، وَ يَدَعُهُ فِيمَا يَسْتَأْنِفُ۔ ﴿۲﴾

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

۱۔ کلینی: الکافی: کتاب المعیشہ: باب الربا: ج: ۵: ص: ۶۸۴، ح: ۴۸۳۷، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء
۲۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب الربا: ج: ۵: ص: ۶۸۴، ح: ۴۸۳۸، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

ہر وہ ربا جو لوگ جہالت اور لا علمی کے سبب کھا لیں۔ (علم آجانے کے) بعد توبہ کر لیں۔ اگر اللہ جل جلالہ کے نظر میں انکی توبہ سچی ہو گی تو، یہ توبہ، ضرور قبول ہو جائے گی۔

نیز فرمایا:

کسی کو اپنے باپ سے وراثت میں مال ملے۔ اسے معلوم کہ اس مال میں ربا ہے۔ لیکن یہ ربا اس کے حلال تجارتی اموال کے ساتھ مل (مخلوط ہو) گیا ہو۔ (اس کا الگ کرنا ممکن نہ ہو یا اس کی مقدار معلوم نہ ہو)۔ یہ اس کے لئے حلال وطیب ہے۔ وہ اسے اپنے استعمال میں لائے۔ اسے کھائے پیئے۔

اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں سے ایک معین رقم یا کسی معین چیز میں ربا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کے مالک کو پہنچائے۔ فقط اصل یعنی راس المال کو اپنے استعمال میں لائے۔

کسی شخص نے بہت زیادہ دولت کمائی ہو، اس میں بہت زیادہ ربا ہو، اسے معلوم نہ ہو کہ یہ ربا ہے۔ پھر اسے معلوم ہو جائے کہ وہ ربا کماتا اور کھاتا رہا ہے۔ اب وہ اپنے ماضی سے نجات چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آئندہ اس سے پرہیز کرے۔ (ماضی میں جو کچھ کر چکا ہے وہ اس کے لئے حلال اور معاف ہے.)

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الْحَلَبِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام قَالَ:

أَتَى رَجُلٌ أَبِي عليه السلام، فَقَالَ: إِنِّي وَرِثْتُ مَالًا وَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ صَاحِبَهُ الَّذِي وَرِثْتُهُ مِنْهُ قَدْ كَانَ يَرْبُو وَ قَدْ أَعْرِفُ أَنَّ فِيهِ رِبًا وَ أَسْتَيْقِنُ ذَلِكَ وَ لَيْسَ يَطِيبُ لِي حَلَالُهُ لِحَالِ عِلْمِي فِيهِ وَ قَدْ سَأَلْتُ فُقَهَاءَ أَهْلِ الْعِرَاقِ وَ أَهْلِ الْحِجَازِ فَقَالُوا لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ

فَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ عليه السلام:

إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ بِأَنَّ فِيهِ مَالًا مَعْرُوفاً رِبًا وَ تَعْرِفُ أَهْلَهُ فَخُذْ رَأْسَ مَالِكَ رُدَّ مَا سِوَى ذَلِكَ وَ إِنْ كَانَ مُخْتَلِطاً فَكُلْهُ هَنِيئاً مَرِيئاً فَإِنَّ الْمَالَ مَالُكَ وَ اجْتَنِبْ مَا يَصْنَعُ صَاحِبُهُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَدْ وَضَعَ مَا مَضَى مِنَ الرِّبَا وَ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ مَا بَقِيَ فَمَنْ جَهِلَهُ وَسِعَ لَهُ جَهْلُهُ حَتَّى يَعْرِفَهُ فَإِذَا عَرَفَ تَحْرِيمَهُ حَرُمَ عَلَيْهِ وَ وَجَبَتْ عَلَيْهِ فِيهِ الْعُقُوبَةُ إِذَا رَكِبَهُ كَمَا يَجِبُ عَلَى مَنْ يَأْكُلُ الربا۔ [1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک شخص میرے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی: مجھے وراثت میں مال ملا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جس شخص سے یہ وراثت مجھ تک پہنچی ہے وہ حرام ربا لیا کرتا تھا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ اس کا حلال اور پاکیزہ مال بھی میرے لئے پاکیزہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے عراق اور

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب الربا: ج: ۵: ص: ۱۸۴، ح: ۴۸۳۹، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

حجاز کے فقہا سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا تمہارے لئے اس کا استعمال حرام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اگر تمہیں معلوم ہے، کونسا یا کتنا مال ربا سے متعلق ہے اور تم اس مال کے مالک کو بھی جانتے ہو، تو راس المال رکھ لو اور باقی مال اصل مال کے مالکوں کو پہنچا دو۔ اگر یہ مال ایک دوسرے سے مل چکا ہو (اس کی مقدار معلوم نہ ہو یا اسے الگ نہ کیا جا سکتا ہو) تو اسے اطمینان کے ساتھ پاک و پاکیزہ سمجھ کر کھاؤ یا استعمال کرو۔ یہ مال تمہارا ہے۔ البتہ آئندہ اس کام سے بچو، جو اس مال کا پرانا مالک کرتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربا میں سے ماضی میں لئے ہوئے کو معاف فرما دیا تھا۔ باقی رہ جانے والے (بعد میں لئے جانے والے) کو حرام قرار فرمایا تھا۔

اس لئے جس کو علم نہ ہو اس کو اپنی اس لاعلمی کے سبب اس وقت تک مہلت ہے جب تک اسے اس کی حرمت کا یقین نہیں ہو جاتا۔ (یعنی جہاں شبہ ہو کہ یہ ربا ہے یا نہیں وہاں جواز کا حکم آئے گا)۔ اب علم اور یقین ہونے کے بعد اگر وہ اس سے نہ رکے تو اس پر رباخوار کا حکم آئے گا۔ اسے وہی سزا ملے گی جو ایک رباخوار کی ہے۔

عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ وَ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ جَمِيعاً، عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي

الرَّبِيعِ الشَّامِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام عَنْ رَجُلٍ أَرْبَى بِجَهَالَةٍ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَتْرُكَهُ؟

فقَالَ: «أَمَّا مَا مَضى فَلَهُ، وَلْيَتْرُكْهُ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ». ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ رَجُلًا أَتى أَبَا جَعْفَرٍ عليه السلام، فَقَالَ: إِنِّي قَدْ وَرِثْتُ مَالًا وَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ صَاحِبَهُ كَانَ يُرْبِي «۹»، وَ قَدْ سَأَلْتُ فُقَهَاءَ أَهْلِ الْعِرَاقِ وَ فُقَهَاءَ أَهْلِ الْحِجَازِ، فَذَكَرُوا أَنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ. فَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ عليه السلام: إِنْ كُنْتَ تَعْرِفُ مِنْهُ شَيْئاً مَعْزُولًا تَعْرِفُ أَهْلَهُ وَ تَعْرِفُ أَنَّهُ رِبًا، فَخُذْ رَأْسَ مَالِكَ، وَ دَعْ مَا سِوَاهُ، وَ إِنْ كَانَ الْمَالُ مُخْتَلِطاً، فَكُلْهُ هَنِيئاً مَرِيئاً؛ فَإِنَّ الْمَالَ مَالُكَ، وَ اجْتَنِبْ مَا كَانَ يَصْنَعُ صَاحِبُكَ؛ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَدْ وَضَعَ مَا مَضى مِنَ الرِّبَا، فَمَنْ جَهِلَهُ وَسِعَهُ أَكْلُهُ، فَإِذَا عَرَفَهُ حَرُمَ عَلَيْهِ أَكْلُهُ، فَإِنْ أَكَلَهُ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ مَا وَجَبَ عَلى آكِلِ الرِّبَا». [۱]

ابی ربیع شامی کہتے ہیں، میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

ایک آدمی جہالت اور لاعلمی کے سبب ربا کا کام کرتا رہا۔ اب (اسے علم ہوگیا تو) اس نے ارادہ کیا اسے چھوڑ دے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

جو کچھ وہ اب تک کما چکا ہے وہ اس کا مال ہے۔ آئندہ ایسا نہ کرے۔

پھر فرمایا:

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشۃ: باب الربا: ج: ۵: ص: ۶۸۵، ح: ۴۸۴۳، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

ایک شخص میرے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی:
مجھے وراثت میں مال ملا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جس شخص سے یہ وراثت مجھ تک پہنچی ہے وہ حرام ربالیا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں، میں نے عراق اور حجاز کے فقہاء سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا:
تمہارے لئے اس کا استعمال حرام ہے۔
امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:
اگر تمہیں معلوم ہے، کونسا یا کتنا مال ربا سے متعلق ہے؟ تم اس مال کے مالک کو بھی جانتے ہو، تو راس المال رکھ لو۔ باقی مال اصل مال کے مالکوں کو پہنچا دو۔ اگر یہ مال ایک دوسرے سے مل چکا ہو (اس کی مقدار معلوم نہ ہو یا اسے الگ نہ کیا جا سکتا ہو) تو اسے اطمینان کے ساتھ پاک و پاکیزہ سمجھ کر کھاو یا استعمال کرو۔ یہ مال تمہارا ہے۔ البتہ آئندہ اس کام سے بچو جو اس مال کا پرانا مالک کرتا تھا۔
کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربا میں سے ماضی میں لئے ہوئے کو معاف فرما دیا تھا اور باقی رہ جانے والے کو حرام قرار فرمایا تھا۔
اس لئے جس کو علم نہ ہو اس کو اپنی اس لاعلمی کے سبب اس وقت تک مہلت ہے جب تک اسے اس کی حرمت کا یقین نہیں ہو جاتا۔ (یعنی جہاں شبہ ہو کہ یہ ربا ہے یا نہیں وہاں جواز کا حکم آئے گا)۔ اب علم اور یقین ہونے کے بعد اگر وہ اس سے نہ رکے تو اس پر ربا خوار کا حکم آئے گا اور اسے وہی سزا ملے گی جو ایک رباخوار کی ہے۔

نادر حکم:

اس قسم کی روایات کی روشنی میں ہمیں "ربا المحرم" کے بارے میں ایک واضح اور نادر حکم ملتا ہے۔ عام طور سے فقہ میں اصول یہ ہے کہ شک کے موقع پر اصل کے مطابق عمل کیا جائے۔ ربا کے باب میں اصل حرمت ہے اسی وجہ سے اکثر فقہاء مشکوک بہ ربا معاملات، یعنی ان معاملات کو حرام قرار دیتے ہیں جن کے بارے میں یہ شک یا شبہ ہو کہ ان میں ربا ہے یا نہیں؟ یہ روایات بتاتی ہیں کے جہل اور شک میں حاصل ہونے والا مال اگر واقعاً ربا ہی ہو تب بھی اس وقت تک حلال ہے جب تک اس کی حرمت کا علم اور یقین نہ ہو جائے۔

مندرجہ بالا روایتوں کے مطالعہ کے نتیجہ میں انکے ظاہر اور عمق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن معاملات میں شبہ ربوی ہو وہ حلال ہیں۔ صرف وہی معاملات حرام ہیں جہاں ربا کا یقین ہو۔

اگر کسی شخص کو کسی معاملہ کے بارے میں یہ شک ہو کہ معاملہ ربوی اور حرام ہے یا غیر ربوی اور حلال؟ وہاں اس کے لئے یہ معاملہ جائز اور حلال ہے۔

ان روایتوں میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ ایسے موقعہ پر مکلف کے لئے تحقیق یا اطمینان حاصل کرنا ضروری ہے کہ معاملہ ربوی ہے یا نہیں؟ بلکہ صاف طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ لاعلمی کی صورت میں معاملات کی انجام دہی اس وقت تک مشروعیت رکھتی ہے اور جائز و حلال ہے جب تک اس کے حرام اور ربوی ہونے کا علم حاصل نہ ہو جائے۔ علم حاصل ہونے کی صورت ہونے کی صورت میں بھی جو معاملات انجام پا چکے ہیں یا جو منفعتیں اور آمدنی خرچ ہو چکی ہے یا حلال مال کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو چکی ہے کہ اس کی کمیت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا ہو یا اسکا جدا کرنا مشکل یا ناممکن ہو یا جس معاملہ یا مالک کا علم نہ ہو تو وہ بھی اس کے لئے حلال ہیں۔

اس آخری روایت میں اس حکم کے بیان کے لئے ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے خود قرآن حکیم کی آیت تحریم ربا:

فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ
إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (بقرہ:۲۷۵)

سے استدلال فرماتے ہوئے خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے عمل سے بھی استناد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ و آلہ و سلم نے ربامیں سے ماضی میں لئے ہوئے کو معاف فرمادیا تھااور باقی رہ جانے والے کو حرام قرار فرمایا تھا۔"

اس آیہ کریمہ میں صاف طور یہ بات کہی گئی ہے کہ حرمت ربا کا اطلاق اور اس کا عذاب یا اس کی سزا کا استحقاق اللہ کی طرف سے "موعظہ " کے پہنچنے (توبہ کرنے) کے بعد ہے۔اس سے پہلے نہیں۔ البتہ حکم کے پہنچنے کے بعد کوئی شخص توبہ کرلے اور اس توبہ کا احترام نہ کرے تو وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے:

عَنْهُ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْخَزَّازِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ:

دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى أَبِي جَعْفَرٍ عليه السلام مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ قَدْ عَمِلَ بِالرِّبَا حَتَّى كَثُرَ مَالُهُ ثُمَّ إِنَّهُ سَأَلَ الْفُقَهَاءَ فَقَالُوا لَيْسَ يُقْبَلُ مِنْكَ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ تَرُدَّهُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَجَاءَ إِلَى أَبِي جَعْفَرٍ عليه السلام فَقَصَّ عَلَيْهِ قِصَّتَهُ فَقَالَ لَهُ أَبُو جَعْفَرٍ عليه السلام:

مَخْرَجُكَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ:

فَمَنْ جاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهى فَلَهُ ما سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ (البقرۃ-:۲: ۲۷۵)

وَالْمَوْعِظَةُ التَّوْبَةُ ﴿۱﴾

۱۔ طوسی: الکافی: تہذیب: کتاب التجارات: باب بابُ فَضْلِ التِّجارَةِ وَآدابِها وَغَيرِ ذٰلِكَ مِمّا يَنْبَغي لِلتّاجِرِ اَنْ يَعْرِفَهُ وَحُكْمِ الرِّبا: ج: ۷: ص: ۲۱۳، ح: ۸۲۸۱، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

محمد بن مسلم کہتے ہیں:

ایک خراسانی امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ اس نے کافی عرصہ ربا کا کام کیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس بہت سامال جمع ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اس بارے میں مختلف فقہاء سے سوال کیا۔ سب ہی نے یہ کہا کہ: تمہاری کوئی عبادت اس وقت نہیں ہو سکتی جب تک کہ تم ان اموال کو ان کے مالکوں کو نہ لوٹا دو۔

اس لئے، وہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اپنے حالات بیان کیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

تمارے لیے اس مشکل سے نکلنے کا راستہ اللہ کی کتاب سے ہے کہ ارشاد رب العزت ہے:

جس کے پاس اللہ کی جانب سے موعظہ آ جائے (توبہ کی توفیق حاصل ہو جائے) پھر وہ اس سے رک جائے۔ تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ سب اس کا ہے۔ اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف پلٹنا ہے۔

پھر فرمایا:

یہاں، "الموعظہ" سے مراد توبہ ہے۔

ان تمام روایتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاملہ کو فقط شبہ کی بنا پر "ربا المحرم" کہنا شرعی طور پر درست نہیں ہے۔ اس لیے اب ان موارد کا ذکر ضروری ہے جو "ربا المحرم" کے ذیل میں نہیں آتے "ربا المحرم" سے خارج ہیں۔

جو چیزیں "ربا المحرم" سے خارج ہیں:

"ربا المحرم" گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھلم کھلا جنگ کے برابر ہے۔ ربا کسی بھی صورت میں کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔ نہ ہی اس میں کسی قسم کی تخصیص کی صورت نکالی جا سکتی ہے۔

کیونکہ:

﴿الف﴾ شریعت میں ربا اپنی واقعی اور عقلی قباحت یعنی برائی کے سبب حرام کیا گیا ہے۔

﴿ب﴾ احکام عقلی میں عام طور سے تخصیص کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس لیے،

احادیث میں جو ایسے موارد ملتے ہیں جو ظاہری طور پر ربا میں تخصیص کی طرف دلالت کرتے ہیں، جیسے:

۱۔ باپ بیٹے، شوہر بیوی نیز مسلمان اور کافر حربی کے درمیان اضافہ کا لین دین:

☆ میاں بیوی کے درمیان

☆ باپ بیٹے کے درمیان

☆ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان بلا عوض اضافہ کا لین دین جائز و مباح ہے۔[۱]

دراصل یہ حقیقتِ ربا سے خارج ہیں۔ یہ تحفہ و ہدیہ کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس قسم کے موارد موضوعاً حکمِ ربا سے خارج ہیں۔

اَلْقَرْضُ یَجُرُّ الْمَنْفَعَةَ:

مستحب ہے کہ قرض لینے والا، اگر اس کے لیے ممکن ہو تو، قرض دینے والے کو ہدیہ کے طور پر کچھ دے۔ حدیث میں ایسے قرض کو "القرض یجر منفعتہ" کہتے ہیں۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب انہ لیس بین الرجل و بین ولدہ و مایملکہ ربا: ج: ۵: ص: ۶۸۵ - ۶۸۶، ح: ۴۸۴ اور ۴۸۵، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

حدیث میں ہے:

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ بِشْرِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَ غَيْرِ وَاحِدٍ عَمَّنْ أَخْبَرَهُمْ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه السلام قَالَ:

خَيْرُ الْقَرْضِ مَا جَرَّ مَنْفَعَةً (۱)

بہترین قرض وہ ہے جو نفع آور ہو!

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ وغیرہ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام عَنِ الرَّجُلِ يَسْتَقْرِضُ مِنَ الرَّجُلِ قَرْضاً وَ يُعْطِيهِ الرَّهْنَ إِمَّا خَادِماً وَ إِمَّا آنِيَةً وَ إِمَّا ثِيَاباً فَيَحْتَاجُ إِلَى شَيْءٍ مِنْ مَنْفَعَتِهِ فَيَسْتَأْذِنُهُ فِيهِ فَيَأْذَنُ لَهُ قَالَ عليه السلام:

إِذَا طَابَتْ نَفْسُهُ فَلَا بَأْسَ

قُلْتُ: إِنَّ مَنْ عِنْدَنَا يَرْوُونَ أَنَّ كُلَّ قَرْضٍ يَجُرُّ مَنْفَعَةً فَهُوَ فَاسِدٌ فَقَالَ عليه السلام:

أَوَ لَيْسَ خَيْرُ الْقَرْضِ مَا جَرَّ مَنْفَعَةً (۲)

محمد بن مسلم وغیرہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی سے قرض لے اور اس کے بدلے قرض دینے والے کے پاس اپنا نوکر یا برتن یا کپڑے رہن رکھوائے۔ قرض دینے والے کو ان

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب القرض یجر منفعتہ: ج: ۵: ص: ۳۴۳، ح: ۵۳۳۳، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب القرض یجر منفعتہ: ج: ۵: ص: ۳۴۳، ح: ۵۳۳۱، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

چیزوں کے استعمال کی ضرورت محسوس ہو۔ وہ مالک یعنی قرض لینے والے سے اجازت لے۔ مالک اجازت دے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اگر وہ خوشی خوشی اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

میں نے عرض کی:

ہمارے وہاں تو ایسے لوگ ہیں جو روایت کرتے ہیں کہ ایسا قرض جو منفعت پہنچائے فاسد ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

کیا وہ قرض اچھا نہیں ہے جو فائدہ پہنچائے!؟

ان روایتوں میں وہ قرض مراد ہے جس میں اضافہ کی شرط نہ ہو۔ مگر قرض لینے والا اپنی خوشی سے قرض دینے والے کو کوئی فائدہ پہنچائے۔ اگر قرض لینے والا، بغیر شرط کے اپنی خوشی سے قرض دینے والے کو اضافہ دے تو یہ "ربا المحرم" سے خارج ہے۔ اس کا لینا اور دینا دونوں جائز بلکہ دینا مستحب ہے۔

عام طور سے ربا سے بچنے کے لیے جو راستے حیلۂ شرعی کے عنوان سے تجویز کیے جاتے ہیں وہ بھی سب کے سب غلط ہیں۔

کیونکہ،

جو چیز معاشرتی اقتصادیات کی تباہی کا سبب نیز اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست اور کھلم کھلا جنگ ہے وہ حقیقتِ ربا ہے۔ یہ ظاہری شکل کی تبدیلی کے سبب جائز نہیں ہو سکتی۔

ادھار کے معاملہ میں مشروط اضافہ ربا اور حرام ہے۔

یہ اضافہ:

☆ اسی جنس سے ہو، جو جنس ادھار دی گئی ہو۔

☆ کسی منفعت کی صورت میں۔

ہر صورت میں حرام اور گناہانِ کبیرہ ہے۔

مثال کے طور پر:

لاکھ روپے اس شرط پر ادھار دیئے یا لیے جائیں کہ اس کے ساتھ ہزار یا دس ہزار روپے اضافہ لیے یا دیئے جائیں گے۔

اس کے ساتھ دس گز یا ایک تھان کپڑا اضافہ لیا یا دیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ادھار دینے والا ادھار لینے والے کی گاڑی یا مکان سے استفادہ کر سکے گا۔

اس کے ساتھ ادھار لینے والا اپنا مکان یا گاڑی ادھار دینے والے کو کرایہ پر دے گا۔

یہ تمام صورتیں، حرام ربا ہیں۔ ان پر عمل گناہِ کبیرہ اور حرام ہے۔

البتہ،

اگر مکان، دوکان، گاڑی یا کوئی اور چیز کرایہ پر دی جائے۔ کرایہ میں شرط کی جائے کہ کرایہ دار مالک کو وثیقہ، رہن یا ضمانت کے طور پر ایک رقم یا کوئی چیز ادھار دے تو یہ شرط صحیح ہے۔ اس پر عمل جائز ہے۔ یہ ربا نہیں شمار ہو گا۔

کیونکہ،

بنیادی معاملہ اجارہ ہے۔ ادھار کی شرط، "شرطِ ضمنِ عقد" ہے۔ یہ ادھار کے مقابلہ میں اضافہ کی شرط نہیں ہے۔ جو ربا، حرام کیا گیا ہے وہ فقط ادھار کے لین دین سے تعلق رکھتا ہے۔ صرف اس ربا کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔

یہ ربا، تمام الٰہی شریعتوں میں سختی اور تاکید کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے۔ فقہی اصطلاح میں اسے "حرامِ موکّد" کہتے ہیں۔

ربا کی یہ حرمتِ موکّدہ بطور مطلق ہے۔ یہ ان تمام چیزوں میں ہے جو قرض دی یا لی جاسکتی ہیں۔ اس کا تعلق فقط پیسہ روپے کے ادھار سے نہیں ہے۔

عام طور سے اس بارے میں جو کچھ حیلۂ شرعی کے عنوان سے کہا گیا ہے وہ رباء معاملی سے مخصوص ہے۔ رباء معاملی دراصل عقلاء، عرف اور شریعت کسی کی نظر میں بھی ربا نہیں کہلاتا۔ عرف اور شریعت کی نظر میں جو حرام ہے وہ "ربا النسیہ" ہے۔ جس کی تعریف بیان کی جاچکی ہے۔ عہد نبوی و ائمہ علیہم السلام میں مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا وہ رباء معاملی کو حرام سمجھتے تھے، اس لیے ائمہ علیہم السلام نے مومنین کو تہمت سے نجات دلانے کے لیے یہ حیلے بیان فرمائے۔

رباء معاملی:

رباء معاملی یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک کیلو زیادہ قیمت کے چاول کے بدلے میں دو کیلو کم قیمت کے چاول لئے یا دیے جائیں۔ خواہ ان دو کیلو چاولوں کی قیمت ایک کیلو چاول کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ ایک کیلو آٹے کے بدلے ایک کیلو سے زیادہ گندم یا ایک کیلو شکر کے بدلے ایک کیلو سے زیادہ گڑ وغیرہ کا ردوبدل بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مومنین ان باتوں سے شبہ میں مبتلا ہوتے تھے اس لیے مختلف اوقات پر طرح طرح سے سوال کرتے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر معاشرہ میں بہت سے ایسے مسائل ہوتے ہیں جن میں عوام الناس، کم پڑھے لکھے اور نیم متدین افراد کی گفتگو اور بلند بانگ دعوؤں کی وجہ سے مشوش رہتے ہیں، ان کے اذہان کی تشویش اور الجھن کو دور کرنا ایک پیچیدہ عمل ہوتا ہے۔

پرہیز گار علماء اور دینی ماہرین، اس قسم کے شبہات کو لوگوں کے ذہن سے نکالنے اور ان کے ذہن اس قسم کی تشویش سے آزاد کرنے کے لیے گوناگوں طریقے اختیار کرتے ہیں۔

اس لئے ہم جب روایات میں ایک ہی موضوع پر مختلف قسم کے جوابات کا مشاہدہ و مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی اس مشکل کا اندازہ ہوتا ہے جو انہیں اپنے دور کے کم پڑھے لکھے اور نیم متدین افراد کی طرف سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں، تشویش اور الجھنوں کے مقابلہ

میں پیش آتی تھی۔ اس کے ساتھ اس مہارت و حکمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ مختلف طریقوں سے ان غلط فہمیوں، تشویش اور الجھنوں کا مداوا فرماتے تھے۔

بظاہر رسول اکرم ﷺ نے ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی حدیثوں کے بارے میں جو ارشاد ہے۔

إِنَّ حَدِيثَ آلِ مُحَمَّدٍ علیہم السلام صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ [۱]

آل محمد علیہ السلام کی حدیث کا سمجھنا

بہت مشکل اور مہارت طلب کام ہے۔

اس میں اسی بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک ہی موضوع پر متعدد جوابات پر مشتمل متعدد حدیثوں پر تعارض و تضاد کا حکم لگانے کے بجائے ایک ماہر عالم اور استاد کے بنائے ہوئے پزل اور معمہ کو ماہرانہ انداز میں جوڑ کر صحیح تصویر اور صحیح مفہوم نئی نسلوں کے حوالے کیا جائے۔

اگر احادیث کو اس اصول کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے، سمجھانے کی کوشش کی جائے تو علوم الہی، علوم نبوی ﷺ اور علوم اہلبیت علیہ السلام کے ایسے نئے ابواب کھلنا شروع جائیں جو مرحلہ بہ مرحلہ ہمیں نئے سے نئے اور بلند سے بلند تر علمی اور فقہی افقوں اور منزلوں سے روشناس کرائیں۔

یوں اس علمی اور فقہی تکامل اور ترقی کی رفتار تیز ہو جائے جس کے بغیر امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے ظہور میں تعجیل کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

گویا، دعائے فرج کا بنیادی لازمہ یہ ہے کہ فہم قرآن و حدیث میں نئے اور بلند افقوں کی تلاش کی جائے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الحجۃ: بَابٌ فِيمَا جَاءَ إِنَّ حَدِيثَهُم صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ: ج: ۱: ص: ۲۴۰، ح: ۱۰۵۳، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء
اس باب کی یہ پہلی حدیث ہے جو جابر بن عبد اللہ انصاری نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آبائی سلسلہ روایت سے رسول اکرم ﷺ سے روایت فرمائی ہے۔

اس کے بعد اسی صفحہ پر حدیث نمبر ۱۰۵۵ میں یہی الفاظ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیے گئے ہیں جس میں امام علیہ السلام نے فرمایا: "إِنَّ حَدِيثَنَا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ" بے شک ہماری حدیثوں کا سمجھنا مشکل اور مہارت طلب کام ہے۔

رباء معاملی کے معاملہ میں جو روایات ملتی ہیں، ان کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حرمت کے بجائے کراہت پر دلالت کرتی ہیں:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْوَشَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام يَقُولُ:

كَانَ عَلِيٌّ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ يَكْرَهُ أَنْ يَسْتَبْدِلَ وَسْقاً مِنْ تَمْرِ خَيْبَرَ بِوَسْقَيْنِ مِنْ تَمْرِ الْمَدِينَةِ لِأَنَّ تَمْرَ خَيْبَرَ أَجْوَدُهُمَا[1]

عبد اللہ بن سنان کہتے ہیں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا:

حضرت علی صلوات اللہ علیہ پسند نہیں فرماتے تھے (مکروہ سمجھتے تھے) کہ ایک خیبر کی ایک وسق[2] کھجور کے بدلے میں مدینہ کی دو وسق کھجوریں لیں کیونکہ خیبر کی کھجور مدینہ کی کھجور سے اچھی ہوتی تھی۔

عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ وَ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي الرَّبِيعِ الشَّامِيِّ قَالَ:

كَرِهَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام قَفِيزَ لَوْزٍ بِقَفِيزَيْنِ مِنْ لَوْزٍ وَ قَفِيزَ تَمْرٍ بِقَفِيزَيْنِ مِنْ تَمْرٍ[3]

ابی ربیع شامی کہتے ہیں:

امام جعفر صادق علیہ السلام ایک قفیز[1] بادام کو دو قفیر بادام اور ایک قفیز تمر کو دو قفیز تمر سے بدلنے کو مکروہ یعنی ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشۃ: باب المعاوضۃ فی الطعام: ج: ۵: ص: ۷۰۷، ح: ۵۰۲۹، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ وسق، پرانے زمانہ کا ایک پیمانہ جو تقریباً ۷۰/کلو پر مبنی ہوتا تھا۔

۳۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشۃ: باب المعاوضۃ فی الطعام: ج: ۵: ص: ۷۰۷، ح: ۵۰۳۴، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

صحیحہ مسلم میں بیان ہوا ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ قُلْتُ لَهُ مَا تَقُولُ فِي الْبُرِّ بِالسَّوِيقِ فَقَالَ مِثْلًا بِمِثْلٍ لَا بَأْسَ بِهِ قُلْتُ إِنَّهُ يَكُونُ لَهُ رَيْعٌ أَوْ يَكُونُ لَهُ فَضْلٌ فَقَالَ أَ لَيْسَ لَهُ مَئُونَةٌ قُلْتُ بَلَى قَالَ هَذَا بِذَا وَ قَالَ إِذَا اخْتَلَفَ الشَّيْئَانِ فَلَا بَأْسَ مِثْلَيْنِ بِمِثْلٍ يَداً بِيَدٍ [۲]

محمد بن مسلم کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا:

آپ گیہوں کے ستو سے تبادلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں!؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

ہم وزن ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

میں نے عرض کی:

اگر اس میں خوشبو ہو یا وہ اس سے زیادہ قیمتی ہو تو؟

امام علیہ السلام نے پوچھا:

اس پر کچھ خرچ ہوتا ہے؟

میں عرض کی:

۱۔ قفیز پرانے زمانہ کا ایک پیمانہ تھا جس کے مختلف اوزان بیان ہوئے ہیں جو ۱۶/ کلو سے شروع ہوتے ہیں۔

۲۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب المعاوضۃ فی الطعام: ج: ۵: ص: ۷۰۷، ح: ۵۰۳۰، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

جی ہاں!

امام علیہ السلام نے فرمایا:

تو یہ اس خرچ کے بدلے میں ہے۔

پھر فرمایا:

جب دونوں چیزوں میں کسی قسم کا فرق آجائے تو دو کے بدلے میں
ایک کے ردوبدل میں کوئی حرج نہیں۔

اس تمام گفتگو اور تحقیق کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "ربا المحرم" کا تعلق فقط دین یا قرض پر بغیر کسی عوض کے اضافہ لینے کے علاوہ باقی دوسرے معاملات میں "ربا المحرم" کا عمل دخل نہیں ہے۔ اگر کسی کو کسی معاملہ پر "شبہ ربوی" ہو تو اس شبہ کو نظر انداز کرنا ہی شریعت کا حکم ہے۔

بینک

بینک بنیادی طور پر ایک اقتصادی ادارہ ہے۔ یہ معاشروں، حکومتوں اور قوموں کے مجموعی اقتصادی معاملات کو منظم رکھنے کے لیے وجود میں آیا ہے۔

اس ادارہ کا بنیادی مقصد:

﴿۱﴾ ملکوں کے باہر اور اندر بڑے بڑے تجارتی معاملات کی انجام دہی کیلئے سہولتیں فراہم کرنا،

نیز:

﴿۲﴾ ملت کے مجموعی سرمایہ کو ٹھہراؤ اور انجماد سے روک کر گردش میں لانا ہوتا ہے۔

یہ ایسے معاملات ہیں جو صرف بینکنگ کے مروجہ نظام ہی کے ذریعہ انجام پاسکتے ہیں۔

عقلاء نے بھی بینکنگ کے نظام کو اسی سمت اور مقصد میں یعنی عمومی خدمت کے ادارہ کے طور پر قبول کیا ہے۔ یہ کسی بھی طرح محض تجارتی فوائد کے حصول کا ادارہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

بینکنگ کی اصطلاح میں " رباء المحرم " کے لیے "usury" " کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عام اضافوں کے لیے "profit" کا لفظ استعمال ہوتا تھا جس کے غلط معانی سمجھنے کے سبب بینکنگ کے معاملات پر " شبہ ربوی " کا اطلاق کیا گیا۔ اب بینکنگ کی اصطلاح میں ان فوائد کے لیے "aparchar" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جس میں بینک (۱) اپنے خدمات (۲) کرنسی کے نرخ میں سالانہ کمی جسے "fluctuation" کہتے ہیں ، نیز دین کی نوعیت کے حساب سے اس کے واپس نہ ملنے کے خطرہ جسے "risk involvemet" کہتے ہیں، کو شامل کرتے ہیں۔ اس پر نہ صرف یہ " ربا المحرم " کا شبہ کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ یہ شرعاً اور اخلاقاً درست اور حلال ہے۔

☆ بینک کے تمام لین دین اور معاہدے شرعاً جائز اور حلال ہیں۔ ان میں میں "ربا المحرم" کا شبہ نہیں پایا جاتا۔

فکس ڈیپازٹ:

بینک کی عوامی خدمتوں میں سے ایک قسم فکس ڈیپازٹ ہے۔ فکس ڈیپازٹ کے ذریعہ جمع ہونے والی رقم بینک کے سرمایہ میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ اس طرح یہ رقم بینک کی تجارتی سرگرمیوں کے سبب ملکی اور قومی اقتصاد کی تنظیم وترقی نیز ملکی و قومی اموال کی گردش کا سبب بنتی ہے۔

فکس ڈیپازٹ کی رقم بینک کسی بھی عنوان سے قرض کے طور پر وصول نہیں کرتا۔ اس کا عنوان ودیعہ یاامانت ہوتا ہے۔ البتہ بینک کی قرارداد اور قانون کے مطابق رقم رکھنے والے کی طرف سے بینک اس رقم کو تجارتی مقاصد میں ملکی و قومی فوائد کے لیے استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ یہ مضاربۂ شرعی کی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔

اس ضمن میں جس معین فائدہ کی ضمانت دی جاتی ہے اس میں زیادہ تر تشویق کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بازار میں مروجہ عام تجارتی فائدوں سے کم رکھا جاتا ہے۔ تاکہ بینک متحرک تجارتی سرمایہ کو جذب کرکے تجارت، صنعت یا کھیتی باڑی کی عام رفتار میں سستی کا باعث نہ بن سکے۔ بلکہ صرف منجمد اور نہ استعمال ہونے والا سرمایہ انجماد اور عدم استعمال کی کیفیت سے نکل کر حرکت اور استعمال میں آسکے۔

☆ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے اور حلال ہے۔

مکان کے لیے امداد:

گھر یا روزمرہ گھریلو ضرورت کی چیزوں کے سلسلہ میں بینک جو رقم دیتا ہے، فقہی طور پر دراصل "بیعِ شرط" کے عنوان میں آتا ہے "دین" اور "ادھار" کے عنوان میں نہیں آتا۔

اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ مکان یا معین چیز خریدی جائے۔ اس کی قیمت کا کچھ فی صد ضرورت مند اور باقی رقم بینک دے۔ بینک اور ضرورتمند کے درمیان معین شرائط کے مطابق معین مدت میں اقساط کی ادائیگی کے بعد بینک مکان یا معین چیز ضرورت مند کی ملکیت میں دے دے۔

☆ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے اور حلال ہے۔

تجارت میں تعاون:

بینک جو رقوم تجارتی، صنعتی اور زرعی مسائل و معاملات کے لیے مختلف اور معین منافع کی شرط پر ملکی اور اجتماعی اقتصاد کے رفاہ اور ترقی کے لیے افراد یا اداروں کو دیتا ہے وہ بھی فقہی طور پر مضاربہ اور مزارعہ کا عنوان رکھتی ہیں۔ اس کے سبب بینک ان امور میں اپنی اقتصادی خدمتوں کے بدلہ، فائدہ میں شریک قرار پاتا ہے۔

☆ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے اور حلال ہے۔

رفاہی امداد:

شادی بیاہ اور لوگوں کے دوسرے رفاہی امور کے سلسلہ میں جو رقوم عموماً بینک لوگوں کو دیتا ہے، اس کے مقابلہ میں بینک جو مقررہ منافع لیتا ہے، وہ اصل سرمایہ کے تحفظ، مختلف احتمالی نقصانات نیز سرمایہ کی جمع آوری اور تحفظ کے سلسلہ میں انجام دی جانے والی خدمتوں نیز بینک کے کارکنوں کی تنخواہ وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں سے عادلانہ طور پر وصول کیا جاتا ہے۔

☆ یہ "حرام ربا" کے حکم سے خارج ہے شرعاً حلال اور جائز ہے۔

مختصر یہ کہ:

☆ بینک جب فوائد اپنے کھاتے داروں میں تقسیم کرتا ہے تو تشویق کے ساتھ ساتھ بینک کے تجارتی فوائد میں کھاتے داروں کو حصہ دار بنانے کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہ فوائد نقصان سے حفاظت کی تامین اور فائدہ کی ضمانت کے ساتھ تقسیم کیے جاتے ہیں۔

☆ جب بینک لوگوں سے فوائد وصول کرتا ہے تو وہ یا تو ان تجارتی اور معاشرتی خدمتوں میں بینک کی شرکت کے عوض میں وصول کرتا ہے جو بینک رقوم کی جمع آوری اور فراہمی کے سبب انجام دیتا ہے یا ان خدمتوں کی اجرت کے طور پر وصول کرتا ہے جو بینک ان رقوم کی جمع آوری، حفاظت اور فراہمی کے سلسلہ میں انجام دیتا ہے۔

☆ بینک کی جانب سے دیئے یا لیے جانے والے فوائد تعریف اور حکم دونوں لحاظ سے حرام ربا یعنی حرام رباء کی حدود سے خارج ہیں۔

☆ یہ سب معاملے، عقلائی پہلو کے حامل ہیں اس لیے انہیں "اکل مال بالباطل" نہیں کہا جا سکتا۔

☆ قرآن حکیم کے حکم:

"اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ" (المائدہ:۵:۱) اور "تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ" (النساء:۴:۲۹)

کے مطابق یہ شرعی ضوابط کے عین مطابق ہیں۔

تنزیل:

تعریف:

کبھی کبھار ادھار لینے والا، ادھار چکانے کے لیے معین مدت اور تاریخ کا چیک یا پرونوٹ ادھار دینے والے کو دیتا ہے۔

ادھار دینے والا اپنی ضرورت پوری کرنے اور معین مدت سے پہلے رقم حاصل کرنے کیلئے، یہ چیک کسی شخص کو مطلوبہ رقم سے کم رقم لے کر دے دیتا ہے۔ اس معاملہ کو "تنزیل" کہتے ہیں۔

احکام:

☆ یہ حرام ہے۔ ربا المحرم ہے۔ یہ ربا کی بر عکس شکل ہے۔

☆ اس معاملہ میں چیک یا پرونوٹ لینے والا چیک یا پرونوٹ دینے والے کو اس چیک یا پرونوٹ میں لکھی ہوئی مدت تک کے لیے ایک رقم ادھار دیتا ہے۔ اس ادھار کے بدلے، وہ معین وقت اور تاریخ پر اس سے زیادہ رقم وصول کرلیتا ہے۔ یہ حرام ربا ہے۔

☆ معاملہ کی شکل و صورت بدل جانے سے یہ ربا کی صورت سے خارج نہیں ہوتا۔

لاٹری یا کوپن:

☆لاٹری یا انعامی کوپن اگر کسی خاص شخص یا معین اشخاص کے نجی فوائد کے لیے بنائے یا بیچے جائیں تو ہر لحاظ سے "اکل مال بالباطل" کے حکم میں ہیں۔ حرام ہیں۔

☆جو لاٹری عمومی مصالح اور خدمات کے سلسلہ میں بنائی یا بیچی جائیں جیسے ہسپتالوں، اسکولوں، ثقافتی، تحقیقی یا تعلیمی اداروں کی تشکیل و تقویت کے لیے ہوں تو اس سلسلہ میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ جائز ہیں۔

بیمہ:

بیمہ ایک قسم کی قرار دادِ ضمانت ہے۔ یہ کسی معتبر ادارہ کی جانب سے اشخاص کے ساتھ انجام پاتی ہے۔ اس میں ادارہ یکمشت یا بالاقساط ایک معین رقم کی ادائیگی کے مقابلہ میں اشخاص سے یہ عہد کرتا ہے کہ:

﴿۱﴾ وہ اس رقم سے تجارت کی صورت میں اس کے تجارتی فوائد میں ان کو بھی شریک رکھے گا۔

﴿۲﴾ اس شخص پر آنے والی خسارتوں، بیماریوں وغیرہ کے اخراجات کا متحمل ہو گا۔

﴿۳﴾ اگر اس کی طرف سے کسی کو کوئی زک، نقصان یا خسارت پہنچے گی تو اس کا تاوان یعنی دیت وغیرہ بھی یہ ادارہ ادا کرے گا۔

خسارتوں کی قسموں، ان کے تاوان، بیمہ شدہ اشیاء اور ان کی خسارت کی قیمتوں کا اندازہ نیز ان کی ادائیگی کا طریقہ کار عموماً بیمہ کی قرارداد میں معین ہوتا ہے۔

آج کل بیمہ کی بہت سی قسمیں عام ہیں جو اکثر و بیشتر عام لوگوں کی مصلحتوں اور فائدوں سے متعلق ہیں۔ عقلائے عالم نے ان قسموں کو قبول کیا ہے۔ شرعی فوائد کے لحاظ سے یہ باب ضمانت میں

تَعَهُّدِ دَرَكْ (یعنی نقصان پہنچنے کی صورت میں خسارت کی ادائیگی کے تعہد) کے ذیل میں آتی ہے۔ اس لیے "**اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ**" کے قاعدہ کے ذیل میں شرعاً درست ہے۔
اسی طرح دوسروں پر وارد ہونے والی خسارتوں کے تحمل کا بیمہ بھی فقہی قوانین میں "**ضِمَانُ الْجَرِيرَة**" کے حکم میں آتا ہے۔ قرارداد یا معاہدہ کے عبارتی اختلافات اس کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

حوالہ:

تعریف:

انسان کا اپنے ذمہ واجب الادا چیز کا کسی کے حوالہ کر دینا، تاکہ اس کے بجائے کوئی اور معین شخص یا ادارہ متعلقہ شخص یا ادارہ کو دے یا ادا کرے۔

اس کی دو صورتیں ہیں۔

﴿الف﴾ یہ کہ جس شخص یا ادارہ کی طرف واجب الادا چیز یا رقم کا حوالہ دیا گیا ہو وہ ادائیگی کا حق رکھتا ہو۔ جیسے چیک، جس میں لکھی ہوئی رقم کے مطابق رقم کھاتہ میں موجود ہو یا کوئی شے مثلاً گندم جو کسی کے ذمہ واجب الادا ہو لیکن اس نے خود نہ لی ہو اور کسی دوسرے شخص کو حوالہ دے کہ فلاں سے میری گندم لے لو۔

﴿ب﴾ یہ کہ جس شخص یا ادارہ کی طرف واجب الادا چیز یا شے کا حوالہ دیا جائے وہ اس ذمہ داری کو قبول کرے۔ جیسے بیمہ کمپنی جو کسی کی خسارت کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ یا بینک جو اپنے بعض کھاتہ داروں کو اُوَرْ ڈرافٹ (over draft) کی سہولت دیتی ہے۔

یا بعض دوست جو اپنے احباب کی طرف سے احتراماً دوسروں کو قرض دیتے یا ان کے قرض کو ادا کرتے ہیں۔

احکام:

☆حوالہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس کی طرف حوالہ دیا جائے وہ شخص یا ادارہ حوالہ دینے والے شخص کا مدیون ہو۔

☆حوالہ فقط اسی صورت میں قابل اجراء ہو سکتا ہے جب وہ شخص یا ادارہ اس ذمہ داری کو قبول کرے۔

☆محول علیہ یعنی وہ شخص یا ادارہ جسکی طرف حوالہ دیا گیا ہو اگر اس حوالہ کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرے تو حوالہ لینے والا شخص حوالہ دینے والے سے مطلوبہ رقم یا شئے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

☆اگر محول علیہ ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرلے تو یہ شخص حوالہ دینے والے سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔

ضمانت:

تعریف:

ضمانت سے مراد ہے:

"کسی شخص کی طرف سے ممکنہ مالی نقصان یا خطرہ کی ذمہ داری قبول کرنا۔"

ضمانت مال سے تعلق رکھتی ہے۔

عام طور سے ہر معاشرہ کے ذمہ دار افراد، لین دین کے ایسے موقعوں پر جہاں کسی نقصان کا اندیشہ ہو ان افراد کی ضمانت لیتے ہیں جو دینے والے افراد یا اداروں کے نزدیک ناآشنا ہوتے ہیں۔ ضمانت کے سبب طرفین اطمینان کے ساتھ اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

مثلاً کوئی شخص کسی ادارہ یا شخص سے مکان یا گاڑی کرایہ پر لیتا یا کوئی مشین قسطوں پر خریدتا ہے تو بعض ذمہ دار افراد یا ادارے اس بات کے ضامن بنتے ہیں کہ اگر گاڑی کو نقصان پہنچا اور لینے والے شخص نے اس نقصان کو پورا نہ کیا تو ضامن اس نقصان کو پورا کرے گا۔ یا اگر قرض دار یا قسط دہندہ نے قرض یا قسط ادا نہ کی تو ضامن قرض یا قسط ادا کرے گا۔

احکام:

☆ مکان یا گاڑی کو نقصان پہنچے۔ کرایہ دار وہ نقصان ادا کرنے سے قاصر یا منکر ہو۔ ضامن مالک کے اس نقصان کو پورا کرے گا۔ قرض دار یا قسط دہندہ، قرض یا قسط ادا نہ کرے۔ ضامن ادا کرے گا۔

☆ مالک کو حق حاصل ہے۔ اس کی چیز کو نقصان پہنچے اور کرایہ دار نقصان پورا کرنے سے انکار کرے یا قرض دار اور قسط دہندہ قرض یا قسط دینے سے انکار کرے۔ وہ ضامن کی طرف رجوع کرے۔ اس سے نقصان کو پورا کرنے یا قرض و قسط وغیرہ کی ادائیگی کا مطالبہ کرے۔

☆ اگر ضامن شخص یا ادارہ نے کرایہ دار، قرض دار یا قسط دہندہ سے یہ شرط یا معاہدہ کیا ہو کہ وہ اس کے انکار یا عدم امکان کی صورت میں اس کی طرف سے مالک کا نقصان پورا کرے گا یا قرض و قسط ادا کر دے گا۔ مگر بعد میں وہ کرایہ دار، قرض دار یا قسط دہندہ سے اپنے دیئے ہوئے مال کا مطالبہ کرے گا۔ تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

☆ اگر اس نے ادائیگی کی ضمانت کے موقعہ پر وصولیابی کی شرط نہیں کی ہے تو وہ کرایہ دار، قرض دار یا قسط دہندہ سے اپنے اس مال کا مطالبہ نہیں کر سکتا جو اس نے ضمانت کے سبب اس کی طرف سے ادا کیا ہے۔

☆ ضمانت ایک نیکی ہے۔ مستحب کام ہے۔ مصیبت زدہ اور مجبور لوگوں کی مدد کا آبرو مندانہ ذریعہ ہے۔ اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

☆ شرعاً اس قسم کے تعہدات کا پورا کرنا واجب ہے۔

کفالت:

کفالت کا تعلق اشخاص و افراد سے ہے۔

تعریف:

کفالت کے معنی ہیں کسی شخص یا فرد کو ضرورت کے وقت اس فرد یا ادارہ کے سامنے پیش کرنے یا اس کے سپرد کرنے کا تعہد جس کو وہ شخص یا فرد مطلوب ہو۔

کفالت کی تصدیق اور توثیق کے لیے کبھی کبھی مال وثیقہ یا تعہد بھی دینا پڑتا ہے۔

جیسے مکان کے کاغذات یا معین رقم کا چیک رکھوایا جاتا ہے۔ یہ تعہد کیا جاتا ہے کہ اگر موقعہ پر مطلوبہ شخص یا فرد کو حاضر نہ کیا جا سکا تو معین رقم، جرمانہ یا تاوان کے طور پر ادا کی جائی گی۔ یا یہ کہ اگر مطلوبہ فرد کو موقعہ پر حاضر نہ کر سکا تو اس کے ذمہ واجب الادا رقم کو ادا کرے گا۔

اس قسم کے تعہد کو کفالت کہتے ہیں۔

احکام:

☆ کفیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تعہد معاہدہ / وعدہ کے مطابق عمل کرے۔

☆ کفالت، ضمانت کی طرح ایک نیکی ہے۔ مستحب کام ہے۔ مصیبت زدہ اور مجبور لوگوں کی مدد کا آبرومندانہ ذریعہ ہے۔ اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

☆ شرعاً اس قسم کے وعدوں / تعہدات کا پورا کرنا واجب ہے۔

شرکت:

تعریف:

شرکت سے مراد ہے کسی تجارت، صنعت، زراعت یا ہر قسم کے نفع آور کام کے سرمایہ اور منافع میں دو یا کئی آدمیوں کا حصہ دار ہونا۔

تفصیل:

عام طور سے شرکت حصص کی صورت میں انجام پاتی ہے اور مجموعی سرمایہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

پھر مختلف لوگ اپنی اپنی ضرورت یا حیثیت کے مطابق ان حصوں کو خرید کر اس منصوبہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔

سال کے آخر میں جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ حصہ داروں کے حصص کی تعداد یا نسبت کے حساب سے ان کو ادا کر دیا جاتا ہے۔

عام طور سے اسٹاک ایکسچینج بھی اس اصول پر گامزن ہے۔

یہ بھی قابل توجہ بات ہے کہ اس قسم کی شرکتوں میں فائدہ، حصص کی تعداد یا نسبت کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ اگر حصہ دار کوئی انتظامی، تجارتی یا کسی اور قسم کا عملی حصہ بھی لیتے ہیں تو اس کی مزدوری الگ سے ادا کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی اس مزدوری کے مطابق ان کے حصوں کا تعین کر کے ان کا منافع ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر کام کی اجرت اپنا مستقل حکم رکھتی ہے، اس کا حصص اور اس کے فائدوں سے تعلق نہیں ہوتا۔

بعض تجارتوں میں شرکت کا یہ طریقہ بھی متداول ہے کہ ایک یا کچھ لوگ سرمایہ لگائیں نیز ان کے علاوہ ایک اور یا کئی اشخاص کام کریں۔ پھر دونوں طرف اپنے کام کی قدر و قیمت اور سرمایہ کی نسبت کے لحاظ سے نفع میں شریک ہوتے ہیں۔

کبھی سرمایہ لگانے والے کام میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن کام کرنے والے سرمایہ نہیں لگاتے مگر اپنے کام کی قدر و قیمت کے لحاظ سے کاروبار میں شریک قرار پاتے ہیں۔ نفع کی تقسیم سب نسبتوں کا خیال رکھتے ہوئے کی جاتی ہے۔

کبھی چند افراد ایک ایسے کام میں شریک ہو جاتے ہیں جس میں سرمایہ کی بجائے فقط فکری اور عملی کاموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ہر ایک اپنے کام کی اہمیت اور قدر و قیمت کے لحاظ سے نفع اور فائدہ میں شریک ہو جاتا ہے۔ جیسے مشاورتی یا طبی امور وغیرہ۔

احکام:

☆ یہ اور اس قسم کی وہ تمام شرکتیں جن کو تجارت کی سوجھ بوجھ رکھنے والے عقلاء نے درست قرار دیا ہے، شرعی لحاظ سے درست ہیں۔ البتہ، ان میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

☆ جو شرکت عقلاً اور شرعاً نا قابلِ تصور اور نا قابل عمل ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ کسی تجارتی کام میں نہ تو سرمایہ شامل کریں، نہ ہی فکری یا عملی کام انجام دیں اس کے باوجود صرف نفع میں شرکت کا تقاضا کریں۔ یہ شرعاً بھی جائز نہیں۔

☆ کوئی شخص کسی تجارتی، صنعتی، زرعی یا کاروباری عمل میں کسی بھی ایسے کام کو انجام دے جس کا عام طور سے اس کاروبار، تجارت، صنعت یا زراعت کے فروغ میں عمل دخل ہو۔ بازار میں اس کی قدر و قیمت سمجھی جاتی ہو۔ وہ اس کی اجرت نہ لے تو اس قدر و قیمت کے مطابق حاصل شدہ نفع میں شرکت کا تقاضا کر سکتا ہے۔

امانت:

تعریف:

امانت کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھوانا۔ امانت رکھوانے والا "امانت گذار" اور امانت رکھنے والا "امین" کہلاتا ہے۔

امانت ایک اہم معاشرتی اور اسلامی ذمہ داری ہے۔ امانت خواہ معنوی ہو یا مادی، اس کی حفاظت و نگہداری امین کا فریضہ ہے۔ امر معنوی میں امانت سے مراد راز داری ہے۔ امورِ مادی میں امانت کو امانت ہی کہا جاتا ہے۔

احکام:

☆ امین کے لیے واجب ہے کہ امانت کی حفاظت و نگہداری کرے اور اس میں کسی بھی صورت تصرف نہ کرے۔

☆امین کے پاس موجود امانت کو نگہداری میں کوتاہی کے سبب کوئی نقصان پہنچے یا ضائع ہو جائے تو امین ضامن ہو گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شئے حاصل کر کے یا اس کی قیمت امانت گذار کو دے۔

☆امانت گذار امین کو امانت میں تصرف کی اجازت دے تو وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

☆ امین امانت کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرے۔ امانت کو امین کے پاس نقصان پہنچ جائے۔ امین ضامن نہیں ہو گا

رہن :

تعریف:

رہن، اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس گروی رکھوایا جائے۔

عموماً رہن اس مال کے بدلے میں رکھوایا جاتا ہے جو کسی کے ذمہ قرض، یا ضمانت کے سبب واجب الادا ہو۔ جب قرض یا ضمانت ادا کر دی جائے تو وہ مال واپس لے لیا جاتا ہے۔

احکام:

☆ یہ رہن اگر نقدی ہو تو اس کا حکم وثیقہ کا ہے۔ اس میں تصرف جائز ہے۔ ضروری ہے کہ قرض یا ضمانت کی ادائیگی پر اسی مقدار اور وصف کے ساتھ واپس کی جائے۔

☆ یہ رہن اگر عین یعنی قالین، مکان، گاڑی وغیرہ ہو تو امانت کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی اس میں مالک کی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے۔ ضمانت یا قرض کی ادائیگی پر اسے واپس کرنا ہو گا۔

اجارہ:

اجارہ دو قسم کا ہے۔ اجارۂ شخص اور اجارۂ شئے:

﴿۱﴾ اجارۂ شخص:

تعریف:

اجارۂ شخص یعنی کوئی فرد اپنے آپ کو کسی کے کام کے لیے اجیر بنائے۔

مزدور، مستری، مختلف نجی گروہی یا ملی و ملکی اداروں کے ملازمین۔ یہ لوگ اس ادارے یا شخص کے لیے معین وقت میں بعض امور یا معین کام انجام دے کر اس کی اجرت یا تنخواہ لیتے ہیں۔

اجارۂ شخص میں کام لینے والا "مستأجر"، کام کرنے یا کروانے کی ذمہ داری لینے والا "موجر"۔ جس کام کے لیے معاہدہ کیا جائے وہ عمل "موردِ اجارہ" کہلاتا ہے۔ کام کرنے کی تنخواہ یا قیمت "اجرت" کہلاتی ہے۔

احکام:

☆ اجارۂ شخص میں ضروری ہے کہ:

﴿۱﴾ (اجیر شخص) موجر

﴿۲﴾ (کام یا وقت) موردِ اجارہ

﴿۳﴾ اجرت یا تنخواہ

پوری طرح معین و مشخص ہوں۔

☆ ان تینوں میں سے کسی ایک کی خصوصیت، امتیاز اور نوعیت میں کسی بھی قسم کے ابہام، اہمال یا شک کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔

☆ ان تینوں میں سے کسی ایک میں ابہام یا اہمال، قرارداد کی قانونی اور شرعی حیثیت کو ختم کر دیتا ہے۔ دونوں میں سے کوئی طرف بھی اس کا اقرار نہیں کر پاتا۔

☆ اجارۂ شخص میں کوئی معین شخص موردِ نظر ہو۔ وہ اس کام کو دوسرے کے سپرد نہیں کر سکتا ہے۔

☆ کوئی معین شخص مورد نظر نہ ہو فقط کام کی تکمیل مورد نظر ہو۔ وہ شخص کسی سے بھی متعلقہ کام مکمل کروا کر مستاجر کے حوالے کر سکتا ہے۔

☆ مورد اجارہ یعنی جس چیز یا شخص کو اجارہ، کرایہ پر لیا یا دیا جا رہا ہو، اس کے سلسلہ میں جو شرطیں معاہدہ میں معین کی گئی ہوں اگر موجر کام کی تحویل دیتے وقت ان شرطوں سے

تخلف کرے تو موجر معین اجرت کے استحقاق سے محروم ہو جائیگا۔ کیونکہ جو عمل اس نے انجام دیا ہے، قرارداد کے مطابق یہ وہ کام نہیں ہے جس کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

☆اس صورت میں اجرت کے لیے نئے معاہدے کی ضرورت ہو گی۔

﴿۲﴾ اجارۂ شئے:

تعریف:

اجارۂ شئے سے مراد کسی چیز مثلاً گھر، گاڑی، زمین، باغ یا دوسرے کار آمد وسائل، عوض کے مقابلہ میں کسی کو اس لیے دیئے جائیں کہ وہ اس عوض کے مقابلہ میں معین مدت تک اس سے استفادہ کرے۔

اس صورت میں مِلک موردِ اجارہ، صاحبِ ملک مُوجِر، اجارہ پر لینے والا شخص "مُستَاجِر" کہلاتا ہے اور عوض "مَالُ الْاِجَارَہ" یا "بَدَلُ الْاِجَارَہ" کہلاتا ہے۔

درحقیقت مال الاجارہ، عین الملک کو مستاجر کے اختیار میں دینے کے بدلے میں ہوتا ہے نہ کہ ان فوائد کے بدلے میں جو مستاجر اس ملکیت سے حاصل کرتا ہے۔

احکام:

☆اس قسم کا معاملہ شرعاً درست ہے۔

رہن یا وثیقۂ اجارہ:

تعریف:

بعض مقامات پر رواج ہے کہ مالک مستاجر سے وثیقہ یا ضمانت کے طور پر رہن کے عنوان سے ایک رقم لیتا ہے۔ مثلاً وہ اپنا مکان دس ہزار روپے کرایہ پر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ مستاجر سے بیس ہزار یا ایک لاکھ روپے وثیقہ یا رہن کے طور پر لیتا ہے۔

احکام:

☆اس قسم کا معاملہ شرعاً درست ہے۔ کیونکہ اصل معاملہ عقد اجارہ ہے جس میں وثیقہ یا رہن کی شرط کی گئی ہے۔

☆ادھار میں اجارہ کی شرط کرے تو: یہ ادھار خواہ کرایہ میں تخفیف کا سبب بنے یا نہ بنے، شرعاً جائز نہیں ہے۔ ایسی شرط حرام ربا کے حکم میں ہے۔ اسے ہم ربا کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

جعالہ

تعریف:

کسی شخص کا اپنے کسی کام کی انجام دہی کے مقابلہ میں کوئی رقم دینے کا وعدہ "جُعَالَہ" کہلاتا ہے۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ جو اس کی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر کے لائے گا وہ اسے ہزار روپے دے گا۔

جُعالہ میں عہد کرنے والے کو "جَاعِل" اور کام انجام دینے والے کو "عَامِل" کہا جاتا ہے۔

اجارہ اور جعالہ میں بنیادی یہ فرق ہے کہ:

اجارہ میں:

☆طرفین معین ہوتے ہیں نیز،

☆عقد اجارہ طرفین کی رضامندی سے انجام پاتا ہے۔

جعالہ میں:

- صرف جاعل معین ہوتا ہے، وہ یکطرفہ طور پر عہد یا اعلان کرتا ہے۔
- عامل، طرف ثانی یا مخاطب معین نہیں ہوتا۔
- جاعل، متعہد ہوتا ہے کہ جو بھی اس کام کو انجام دے، وہ اسے انعام یا اجرت دے۔

احکام:

☆جعالہ میں، عامل، عمل یا کام کی کمیت و کیفیت یا انعام و اجرت کا معین کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

☆جعالہ، طرفین یعنی جاعل اور عامل کے درمیان طے پائے، تو یہ اجارہ ہو جائے گا۔ اس میں اجارہ کی تمام شرطیں ضروری ہوں گی۔

عاریہ:

تعریف:

اگر کوئی شخص وقتی طور پر یا کچھ عرصہ کے لیے اپنی کوئی چیز کسی کو استعمال کے لیے دے لیکن اس کے مقابلہ میں کسی اجرت، کرایہ یا قیمت کا مطالبہ نہ کرے تو اسے فقہی اصطلاح میں "عاریہ" کہا جاتا ہے۔

احکام:

☆ ہر وہ چیز جو اجارہ دی جاسکتی ہے عاریہ بھی دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو عاریہ دی جاسکتی ہے اجارہ بھی دی جاسکتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اجارہ میں اجرت طلب کی جاتی ہے۔ عاریہ میں اجرت کا مطالبہ نہیں ہوتا۔

☆ جو چیز عاریہ دی جائے وہ اجارہ دی گئی چیز کی طرح اس شخص کے پاس امانت کی حیثیت رکھتی ہے جس کو وہ عاریہ دی گئی ہو۔

☆ عاریہ لینے والے کی طرف سے اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ ہوئی ہو اور وہ چیز ضایع ہو جائے یا اس میں کوئی نقص واقع ہو جائے تو عام حالات میں عاریہ لینے والا ضامن نہیں ہے۔

☆ عاریہ دیتے وقت یہ شرط کی جاسکتی ہے کہ ہر صورت میں عاریہ لینے والا اتلاف اور نقصان کا ذمہ دار ہے۔ اس صورت میں اس کے لیے اس اتلاف یا نقصان کو پورا کرنا ضروری ہو گا۔

☆ سونے چاندی یا زیورات اگر عاریہ دیے جائیں تو عاریہ لینے والا شرط ہونے یا نہ ہونے دونوں صورتوں میں اتلاف اور نقصان کا ضامن ہے۔ اسے پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ خواہ یہ اتلاف و نقصان اس کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہو یا اس کی کمال احتیاط کے باوجود ہوا ہو۔

☆ یہ عاریہ دینے والا کسی بھی وقت عاریہ دی ہوئی چیز کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا یا واپس لے سکتا ہے۔

☆ اجارہ کی طرح عاریہ میں بھی دودھ دینے والی بکری، گائے یا دوسرے جانور کو اس لیے عاریہ دیا جاسکتا ہے کہ عاریہ لینے والا اس کا دودھ استعمال کرے۔

☆ عاریہ، اجارہ کی طرح عاریہ لینے والے کے استفادہ کے لیے دیا جاتا ہے۔

خواہ یہ استفادہ عینی ہو جیسے بھیڑ بکری کا دودھ اور اون وغیرہ۔ یا سکنی و سواری ہو جیسے مکان، گھوڑا، گاڑی، قالین، گھریلو وسائل یا زیورات وغیرہ۔

☆ کچھ چیزیں بذات خود استعمال میں آجاتی ہیں۔ ان کے لین دین کو فقہی اصطلاح میں "ادھار" کہا جاتا ہے۔ ان پر عاریہ کے احکام نہیں آتے۔

☆ عاریہ، اجارہ ہی کی طرح مطلق اور محدود ہو سکتا ہے مثلاً بیل یا گھوڑا فقط سواری کے لیے عاریہ دیا گیا ہے یا ہر قسم کے استفادہ یعنی بوجھ لادنے، ہل چلانے، آبیاری وغیرہ کے لیے۔

مُصَالحہ:

تعریف:

معاملات میں صلح سے مراد یہ ہے کہ دو افراد کسی چیز میں نقصان یا زیادتی کو نظر انداز کرنے پر اتفاق رائے کر لیں۔

احکام:

☆ مصالحہ مالی اور حقوقی تمام معاملات میں قابل اجراء ہے۔ مصالحہ کسی عوض کے بدلہ بھی ہو سکتا ہے۔ کسی عوض اور معاوضہ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن،

☆ مصالحہ کا لازمہ یہ ہے کہ کوئی ایک طرف یا دونوں طرف اپنے اپنے حق یا اس میں کمی بیشی کو نظر انداز کریں مثلاً؛ اگر کسی نے ایک زیور لاکھ روپے کا بیچا۔ بعد میں خریدنے والے کو معلوم ہوا کہ زیور ناقص ہے مثلاً چوبیس کی بجائے اٹھارہ قیراط سونے کا ہے۔

دونوں نے بیٹھ کر ایک دوسرے سے بات کی۔ اندازہ ہوا کہ اس زیور کی قیمت لاکھ کے بجائے ساٹھ ہزار روپے تھی۔

بیچنے والے نے عذر خواہی کی۔ اپنی مجبوری بتائی کہ میں نے دھوکا نہیں کیا تھا۔ مجھے رقم کی ضرورت تھی۔ آپ صاحب حیثیت تھے۔ میں نے آپ کی حیثیت دیکھتے ہوئے یہ آپ

کے ہاتھ اتنے کا بیچ دیا۔ آپ سے لی ہوئی رقم سے میں نے اپنے قرض کی ادائیگی یا بچی کی شادی کر دی۔

خریدنے والے نے سوچا۔ چلو ایک کا بھلا ہو گیا۔ میرا کیا؟ میں تو صاحب حیثیت ہوں۔ اس نقصان سے صرفِ نظر کرتا ہوں۔

بیچنے والے نے کہا: آپ اس زائد رقم پر صلح کر لیں۔ میری یہ انگوٹھی بھی لے لیں۔ اگرچہ اس کی قیمت بھی معمولی ہی ہے۔ مگر یہ میری پسندیدہ ہے۔ خاندانی یادگار ہے۔

خریدنے والے نے یا تو اس پر رضایت دی اور انگوٹھی لے کر صلح کر لی۔

یا کہا: اچھا انگوٹھی بھی اپنے پاس رکھو۔ میں ایسے ہی تم سے صلح کرتا ہوں۔ زیادہ قیمت کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرتا۔

یا کسی شخص سے غیر ارادی طور پر گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو۔ اس کے نتیجہ میں ایک شخص مر گیا۔ اب قتل خطا کے سبب اس پر دیت واجب تھی۔ اس نے ورثاء سے کہا میں غریب آدمی ہوں۔ دیت نہیں دے سکتا۔ اس کے بدلہ میری پرانی گاڑی لے لیں۔ اس کی قیمت دیت کی مقدار سے کم ہے۔

ورثاء اس پر راضی ہو گئے۔ یا انہوں نے سوچا ہم یہ پرانی گاڑی لے کر کیا کریں گے!؟ بھائی، شوہر یا باپ تو اللہ کو پیارا ہو ہی چکا ہے۔ ہم اس کا عذر قبول کر کے اس سے صلح کر لیتے ہیں۔ اس سے ہمارے مرحوم کے درجات بلند ہوں گے۔ ہم کو بھی ثواب ملے گا۔

وغیرہ وغیرہ۔

☆ مصالحہ میں:

- نہ تو یہ ضروری ہے کہ عوضین یعنی جس چیز، قیمت یا حق کے بارے میں صلح کی جا رہی ہے اور جس چیز، قیمت یا حق پر صلح کی جا رہی ہے ——— برابر ہوں۔
- نہ ہی یہ ضروری ہے کہ عوضین ——— معلوم ہوں۔

- نہ ہی عوضین کا ہونا ضروری ہے۔

☆مصالحہ:

- مجہول اور نامعلوم حق کے سلسلہ میں بھی ہو سکتا ہے۔
- بڑی رقم یا چیز، یا حق کے مقابلہ میں بہت مختصر سی رقم، چیز یا حق لے کر بھی ہو سکتا ہے۔
- عوض کے بغیر بھی انجام پا سکتا ہے۔

☆مصالحہ، عقودِ لازمہ میں سے ہے۔ مصالحہ کے انجام پانے کے بعد دونوں طرف اس کے پابند ہو جاتے ہیں۔ اس میں کوئی رد و بدل یا فسخ طرفین کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔

☆یہ انتہائی مستحب عمل ہے۔ اس کے ذریعہ معاشرہ میں عفو و درگذر، محبت، ایثار اور ایک دوسرے کے لئے قربانی کا رواج پڑتا ہے۔

وکالت یا نیابت:

تعریف:

وکالت کے معنی ہیں اپنے کام کو کسی شخص کے ذمہ قرار دینا تاکہ وہ ہماری طرف سے اس کام کو انجام دے۔

وکالت عام طور سے حقوق یا معاملات کے سلسلہ میں انجام پاتی ہے جیسے خرید و فروخت یا قاضی کے سامنے حق ثابت کرنے یا صیغۂ نکاح و طلاق کی ادائیگی وغیرہ۔

جب، وکالت کسی عمل کی انجام دہی کے سلسلہ میں دی جاتی ہے تو اسے نیابت کہتے ہیں۔ جیسے کسی کو اپنے طرف سے حج پر بھیجنا وغیرہ۔

- جس شخص کی جانب سے وکالت یا نیابت دی جائے اسے "موکِّل" یا "منوب عنہ"۔
- جو شخص وکالت یا نیابت قبول کرلے اسے "وکیل" یا "نائب" کہتے ہیں۔

احکام:

☆عام طور سے موکل جب چاہے وکیل کو عزل کر سکتا ہے۔

☆ وکالت کسی عقد لازم کے ذیل میں، یا کسی قرارداد کے ذیل میں اس قرارداد کے اختتام تک شرط کے طور پر ہو تو موکل وکیل کو عزل نہیں کر سکتا۔ اس قرارداد کے فسخ یا ختم ہونے کی صورت میں وکالت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی نکاح کے وقت شرط کرے کہ اس کی بیوی، اس کی طرف سے طلاق صادر کرنے میں اس کی وکیل ہو گی۔ یہ وکالت منسوخ نہیں کی جا سکتی۔

مضاربہ:

تعریف:

مضاربہ کے معنی ہیں کہ مالک کسی شخص کو اپنا مال اس شرط پر دے کہ وہ اس سے تجارت کرے، پھر مالک اور کام کرنے والا یعنی عامل دونوں حاصل شدہ منافع میں شریک ہوں۔

☆ یہ ضروری نہیں کہ دونوں منافع میں برابر کے شریک ہوں۔ یہ شرکت دونوں طرف کی رضامندی سے کم و زیادہ ہو سکتی ہے۔

☆ مضاربہ میں، قرارداد اور تعہد کے مطابق:

﴿۱﴾ دونوں نفع، نقصان میں بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

﴿۲﴾ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عامل بازار کے ماہرین کے حساب کے مطابق نفع میں مالک کا حصہ معین کر کے تضمین دے۔ کمی یا زیادتی کی صورت میں پہلے سے یا بعد میں صلح کر لے۔

﴿۳﴾ مالک یہ بھی شرط کر سکتا ہے کہ نقصان میں بھی دونوں اسی نسبت سے شریک ہوں گے جس نسبت سے نفع میں شریک ہیں۔

مزارعہ:

تعریف:

اگر زمین کا مالک اپنی زمین کسی عامل کے اختیار میں اس لیے دے کہ وہ اس میں کاشتکاری یا باغبانی کرے۔ اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے فائدے میں مالک اور عامل حصہ دار ہوں، تو یہ مزارعہ کہلاتا ہے۔

احکام:

مزارعہ دراصل، مضاربہ ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مضاربہ مال میں ہے اور مزارعہ، مزرعہ یا قابل کاشت زمین میں ہے۔

☆مزارعہ میں شرط ہے کہ:

﴿۱﴾زمین

﴿۲﴾کاشت نیز فصل کاٹنے کی مدت معین اور مشخص ہو۔

﴿۳﴾کاشت کے مخارج اور امکانات کے سلسلہ میں یہ طے کرنا ضروری ہے کہ یہ طرفین پر ہوں گے یا مالک پر یا عامل پر؟

﴿۴﴾مزارعہ میں حاصل شدہ منافع کی تقسیم میں طرفین کے حصے معین ہوں۔

﴿۵﴾اگر مالک شرط کرے تو خسارت کی تضمین، مزارعہ میں کاشت کی نوعیت یا قسم بھی معین کی جاسکتی ہے اور اسے عامل کی صوابدید پر بھی چھوڑا جاسکتا ہے۔

لُقَطہ:

تعریف:

لقطہ، اس قیمتی چیز یا قابل قدر مال کو کہا جاتا ہے، جو کسی عمومی جگہ پر پڑا ہو اور اس کے ضائع ہونے یا غائب ہونے کا ڈر ہو۔

احکام:

☆ ایسے مال کے لیے شریعت مقدسہ کا حکم ہے کہ اس مال کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ مالک کو تلاش کرکے اسے مالک کے حوالے کیا جائے۔

☆اسلام کی نظر میں ہر انسان کا مال محترم ہے۔ مالک مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ ہر شخص کے مال کی حفاظت واجب ہے۔

اس لیے،

☆ اس قسم کے مال کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے اگر خرچ کی ضرورت ہو تو یہ خرچ بیت المال یا صدقات سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

☆ اگرچہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اگر وہ اس مال کی حفاظت و نگہداشت کی ذمہ داری کو ادا کر سکتا ہو تو وہ ایسا کرے۔ اس صورت میں وہ مالک کے معلوم نہ ہونے تک خود اسی مال یا اس کے منافع سے بھی اس کی حفاظت کے مخارج نکال سکتا ہے۔

☆ واجب ہے کہ اعلان کے متعارف طریقوں سے اس مال کا اعلان کیا جائے تاکہ مالک معلوم ہو سکے۔

☆ مسلسل اعلان کے باوجود مالک کے معلوم ہونے سے ناامیدی کی صورت میں،

☆ جس شخص کو یہ مال ملا ہے وہ صدقہ کے طور پر خود بھی اسے لے سکتا ہے۔ کسی اور کو بھی دے سکتا ہے۔

☆ اگر وہ یہ اقدام ذاتی طور پر کرے تو ضروری ہے کہ وہ اس بات کا متعہد اور ضامن بھی ہو کہ مالک کے مل جانے کی صورت میں وہ مالک کو اس کی قیمت ادا کرے گا۔

لیکن،

☆ اگر وہ یہ مال حاکم شرع یا حاکم شرعی کی عدم موجودگی میں مجتہد جامع الشرائط یا اس کے بااختیار وکیل کو دے دے یا اس کی اجازت سے صدقہ دے یا استعمال کرے تو قیمت کا ضامن نہیں ہو گا۔

جو اس طرح کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرے وہ امین کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اس کی نگہداشت کے باوجود مال ضائع یا چوری ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہو گا۔

معاشرتی معاملات

- نکاح
- طلاق
- خلع
- وراثت

نکاح

شادی بیاہ، انسانی معاشرہ کے اہم اور مضبوط ستونوں میں سے ایک ہے۔ اسلام میں شادی بیاہ کے سلسلہ میں تاکید کی گئی ہے۔

روایت میں ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ يَحْيَى عَنْ جَدِّهِ الْحَسَنِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام قَالَ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام تَزَوَّجُوا فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وآله قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَّبِعَ سُنَّتِي فَإِنَّ مِنْ سُنَّتِيَ التَّزْوِيجَ[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

شادی کرو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو چاہتا ہے میری سنت پر عمل کرے وہ یاد رکھے کہ:

شادی میری سنت میں سے ایک ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ فَضَّالٍ عَنِ ابْنِ الْقَدَّاحِ قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام رَكْعَتَانِ يُصَلِّيهِمَا الْمُتَزَوِّجُ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ رَكْعَةً يُصَلِّيهَا أَعْزَبُ[2]

---

[1] کلینی: الکافی: الفروع: کتاب النکاح: باب کراھۃ العزبۃ: ج: ۵: ص: ۸۷۴: ح: ۵۶۲۹: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

[2] کلینی: الکافی: الفروع: کتاب النکاح: باب کراھۃ العزبۃ: ج: ۵: ص: ۸۷۴: ح: ۵۶۲۵: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

شادی شدہ مسلمان کی دو رکعت نماز غیر شادی شدہ کی ستر رکعت نماز سے افضل ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے:

عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُنْدَارَ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ الْجَامُورَانِيِّ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ كُلَيْبِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْأَسَدِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ علیہ السلام قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ مَنْ تَزَوَّجَ أَحْرَزَ نِصْفَ دِينِهِ وَفِي حَدِيثٍ آخَرَ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ فِي النِّصْفِ الْآخَرِ أَوِ الْبَاقِي"[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے شادی کر لی اس نے اپنا آدھا دین محفوظ کر لیا۔

دوسری حدیث میں ہے:

اب اس کو چاہئے کہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ جل جلالہ کی پرواہ کرے۔

ایک اور روایت میں ہے:

وَعَنْهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدٍ الْأَصَمِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ رُذَّالُ مَوْتَاكُمُ الْعُزَّابُ[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سب سے بری موت غیر شادی شدہ مرنے والے کی موت ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب النکاح: باب کراھۃ العزبۃ: ج: ۵: ص: ۸۷۴: ح: ۵۶۲۶: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب النکاح: باب کراھۃ العزبۃ: ج: ۵: ص: ۸۷۴: ح: ۵۶۲۷: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں چھٹی صدی ہجری کے محدث تاج الدین محمد بن محمد بن حیدر شعیری شیرازی کی کتاب "جامع الاخبار" سے ایک روایت نقل کی ہے۔یہ روایت مسلمانوں کے درمیان بہت زیادہ شہرت کی حامل ہے۔روایت یہ ہے:

قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

"اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ"[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نکاح میری سنت ہے۔جس نے میری سنت سے منہ موڑا(یا اسے انجام نہ دیا) وہ مجھ سے نہیں ہے۔

لیکن اس بات کا خیال بھی ضروری ہے کہ لڑکا اور لڑکی جب تک وہ جسمانی اور فکری بلوغ اور رشد کی سطح تک نہ پہنچیں تو وہ شادی بیاہ کریں۔

ماں باپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کی شادی بیاہ میں جلدی کریں۔

معاشرہ کے ذمہ دار افراد، علماء، امراء نیز حکومت کے ذمہ دار افراد اور اداروں پر واجب ہے کہ وہ جوان لڑکوں لڑکیوں خصوصاً کالج یونیورسٹیوں کے طلبہ و طالبات کے شادی بیاہ کے لیے مناسب ماحول نیز ضروری انتظامات کریں اور سہولتیں فراہم کریں۔

شادی بیاہ میں جلدی امت اور معاشرہ کے ان اہم معاملات میں سے ہے جن کے لیے بیت المال سے پیسہ خرچ کرنا ضروری ہے۔

جوان اور صالح بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کروانا والدین اور معاشرہ کے ذمہ دار افراد کا فریضہ اور ذمہ داری ہے۔

۱۔علامہ مجلسی: بحار الانوار: ابواب النکاح: باب: کراھۃ العزوبۃ والحث علی التزویج (چاپ متداول: ج: ۱۰۳: ص: ۲۲۰) ج: ۲۳: ص: ۱۰۸: ح: ۲۳:
ط: مؤسسہ احیاء الکتب الاسلامیۃ: ۱۴۳۷ھ/ ISBN:964-499-065-X

معاشرہ کے صالح جوان بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیوں کے سلسلہ میں یہ بات مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ شادی کا جلدی کرنا ایک اچھا، پسندیدہ اور مستحب کام ہے۔ مگر شادیوں کے موقعہ پر "بلوغ تکلیفی" یعنی حیض، احتلام اور سن و سال کے علاوہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کی وہ جسمانی اور ذہنی طور پر بھی شادی کی ذمہ داری اور بوجھ اٹھانے کے قابل ہوں۔

خصوصا بیٹیاں کم از کم ذہنی پختگی کے ایسے مرحلہ تک پہنچ گئ ہوں کہ وہ ازدواجی روابط اور شادی کے بعد کے مسائل و معاملات کو سمجھنے اور ان کو نبھانے کی قوت وطاقت اور فہم و شعور رکھتی ہوں۔

ممکن ہے کہ یہ نکتہ بعض حضرات کو اجنبی لگے لیکن یہ بات تجربے اور مشاہدہ میں آئی ہے کہ والدین بچیوں کی شادی مناسب عمر میں کرتے ہیں لیکن ان کے لئے ازدواجی روابط اور ذمہ داریاں اتنی اجنبی اور بھیانک ہوتی ہیں کہ نہ صرف یہ کہ وہ شروع ہی میں اپنے گھر آ کر بیٹھ جاتی ہیں بلکہ آئندہ شادی کے لئے تیار ہی نہیں ہوتیں۔

ایسی خواتین معاشرہ کے لئے ایک بوجھ اور اپنے لئے ایک مشکل بن جاتی ہیں۔

آج کل کے دور میں عام طور سے والدین اور بزرگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج کل کے بچے اور بچیاں کسی نہ کسی طرح وقت سے پہلے ہی تمام معلومات حاصل کر لیتے ہیں، اس لئے وہ ان باتوں پر توجہ نہیں کرتے۔ جب بعد میں معلوم ہوتا ہے تو وقت گذر چکا ہوتا ہے۔

بہر حال جوانوں کی شادی سے پہلے یہ اطمینان حاصل کرنا ضروری ہے کہ وہ ان معاملات کو سمجھ چکے ہیں یا سمجھنے اور نبھانے کی قدرت وطاقت رکھتے ہیں۔

کفو:

شادی بیاہ کے سلسلہ میں اہم معاملات میں سے ایک بہت اہم چیز "کفو" ہے۔

کفو سے مراد معاشرتی، فکری، اقتصادی، خاندانی یا دوسرے معاملات میں لڑکے اور لڑکی یا مرد وزن کا ایک دوسرے کے ہم پلہ یا متناسب ہونا۔

اس لیے، کہا گیا ہے:

"اَلْمومن کُفُوُ الْمومن"

"مومن مومن کا ہم پلہ اور متناسب ہوتا ہے"۔

چنانچہ جب مسلمان لڑکے یا لڑکی کے لیے مسلمان لڑکی یا لڑکے کے ساتھ شادی کا امکان ہو تو مناسب نہیں ہے کہ وہ غیر مسلمان سے شادی کرے۔

خصوصاً،

اگر غیر مسلم سے شادی خود اس کی یا اس کی اولاد کی گمراہی کا سبب بن سکتا ہو۔

اس میں دائمی شادی یا موقت شادی یعنی نکاح یا متعہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

متعہ میں چونکہ اس قسم کے رشتوں میں نقصان یا گمراہی کا شبہ کم ہوتا ہے اس لیے ان مسائل پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ یہاں غیر مسلم میں یہود، نصاریٰ، مجوس، ہندو، بدھ، ملحد، مشرک اور بت پرست سب شامل ہیں۔ شادی بیاہ اور متعہ کے سلسلہ میں ان سب کا حکم ایک ہی جیسا ہے۔

مہر:

شادی بیاہ ایک قلبی اور روحانی رشتہ ہے۔ مہر کی زیادتی شادی کے قلبی و روحانی پہلو یعنی محبت میں کمی کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے مہر کے سلسلہ میں سختی اچھی بات نہیں ہے۔

البتہ؛

مرد کو شادی کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مہر قابل قدر رقم ہو۔ بہت معمولی رقم مہر رکھنا شعائر الٰہی اور احکام الٰہی کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ اس لئے مناسب ہے مہر کا تعین مقامی کرنسی کے بجائے خالص سونے میں کیا جائے۔

اعلان:

نکاح خواہ دائمی ہو یا موقت اس کا خاندان اور معاشرے کے ذمہ دار آدمیوں کے سامنے ہونا ضروری ہے تاکہ خاندان اور معاشرہ کو اس کے نتیجہ میں بننے والے صہری (نکاح کے سبب محرم قرار پانے والے) محرموں کا علم ہو۔ یوں خاندان اور معاشرہ لاعلمی کی وجہ سے حرام میں پڑنے سے محفوظ رہے۔

نکاح کا خواہ دائمی ہو یا موقت چھپ کر خاموشی سے کرنا صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اسے "سفاح" یعنی زنا کے برابر قرار دیا ہے۔

ارشاد رب العزت:

فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلاَ مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ (النساء:۴ : ۲۵)

تم ان سے ان کے گھر والوں کی اجازت سے نکاح کرو اور ان کے مہر کو عزت و احترام اور نیکی کے ساتھ ادا کرو۔ یہ سب کچھ علنی طور پر ہو تاکہ وہ معاشرتی طور پر تمہاری حفاظت میں آجائیں،

یہ کام زنا اور دوستی کے طور پر نہ کیا جائے۔

ایک اور جگہ ارشاد رب العزت ہے:

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

(المائدہ: ۵:۵)

آج ہم نے تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال کر دیا ہے۔ اسی طرح ہم نے مومن خواتین میں سے آبرومند (محصنٰت) جو اپنے والدین اور خاندان کی حفاظت میں ہیں۔ اسی طرح سے اہل کتاب کی آبرومند خواتین تمہارے لئے حلال کر دی ہیں بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کرو اور ان سے علنی طور پر کھلم کھلا نکاح کرو، زنا اور خفیہ دوستی کے تعلقات قائم نہ کرو۔ جو بھی ایمان کے مقابلہ

میں کفر اختیار کرے گا اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں نقصان ہی نقصان میں رہے گا۔

متعہ یعنی نکاح منقطع یا مدت دار نکاح کے سلسلہ میں آیۂ کریمہ ہے اس میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء: ۲۴: ۴)

خواتین میں سے آبرو مند (اپنے خاندان اور والدین کی حفاظت اور نگرانی میں رہنے والی خواتین) تمہاری زیر دست ہوں، تمہاری کفالت میں ہوں، ان کے بارے میں تمہارے لئے اللہ کا قانون یہ ہے کہ یا تو ان کے مہر ادا کرنے کے سلسلہ میں اپنی دولت خرچ کر کے ان سے علنی طور پر نکاح کرو نہ یہ کہ زنا کی طرح چھپ چھپا کر رابطہ رکھو، پھر جب تم ان سے استمتاع یا متع کر چکو (یعنی ازدواجی لذت حاصل کر لو) تو تم ان کا مہر واجب اور اپنی ذمہ داری سمجھ کر ادا کرو (خیرات اور صدقہ کے طور پر نہیں)۔

تمہارے لئے جائز و حلال ہے کہ تم واجب اور فریضہ کی ادائیگی کے بعد آپس میں رضامندی اور خوشی سے رابطہ رکھو یا چھوڑ دو۔ بے شک اللہ جل جلالہ علیم و حکیم ہے۔

صیغہ:

عام طور سے شادی کے عقد یا معاہدہ میں "زَوَّجْتُ" یا "أَنْكَحْتُ" جیسے خاص الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

یہ الفاظ اگر عربی میں ادا کیے جائیں تو بہتر ہے۔

لیکن،

ضروری نہیں کہ عربی ہی میں ادا ہوں۔

ان الفاظ کے معانی کو کسی بھی زبان میں ادا کیا جاسکتا ہے۔

نکاح میں مرد و زن میں ایک مجری عقد جو فقہی اصطلاح میں "مُوجِبْ" کہلاتا ہے۔ دوسرا قبول کرنے والا ہوتا ہے جو فقہی اصطلاح میں "قَابِلْ" کہلاتا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ مُوجِب خود عورت یا اس کی طرف سے اس کا وکیل ہو۔ قابِل (قبول کرنے والا) خود مرد یا اس کی طرف سے اس کا وکیل ہو۔

مثال کے طور پر عورت کہے:

زَوَّجْتُكَ نَفْسِيْ

میں اپنے آپ کو تمہاری زوجیت یا نکاح میں دیتی ہوں۔

یا کہے:

میں تمہاری بیوی بنتی ہوں۔

پھر مرد کہے:

قَبِلْتُ

میں نے قبول کیا، یعنی میں نے تمہیں اپنے نکاح میں قبول کیا۔

یا

میں نے تمہیں اپنی بیوی کی حیثیت سے قبول کر لیا۔

اگر عورت کے بجائے اس کا وکیل صیغہ جاری کرے اور قابِل (قبول کرنے والا) خود مرد ہو تو عورت کا وکیل کہے:

زَوَّجْتُ مُوَكِّلَتِيْ مِنْكَ عَلَى الصِّدَاقِ الْمَعْلُوْمِ

میں اپنی موکلہ کو معین مہر پر تمہاری زوجیت یا نکاح میں دیتا ہوں۔

جواب میں مرد کہے:

قَبِلْتُ

اگر مُجْرِی عورت کا وکیل اور قابل (قبول کرنے والا) مرد کا وکیل ہو تو عورت کا وکیل کہے:

زَوَّجْتُ مُوَكِّلَتِيْ مِنْ مُوَكِّلِكَ عَلَى الصِّدَاقِ الْمَعْلُوْمِ

میں اپنی موکلہ کو معین مہر پر تمہارے موکل کے نکاح یا

زوجیت میں دیتا ہوں۔

مرد کا وکیل کہے:

قَبِلْتُ التَّزْوِيْجَ لِمُوَكِّلِيْ

میں نے اپنے موکل کے لیے اس نکاح یا تزویج کو قبول کیا۔

اگر مجری مرد ہو تو وہ کہے:

زَوَّجْتُكِ مِنْ نَفْسِيْ

میں تمہیں اپنے نکاح یا زوجیت میں لیتا ہوں۔

جواب میں عورت کہے:

قَبِلْتُ

میں نے قبول کیا۔ میں نے تمہاری زوجیت میں آنا یا

تمہاری بیوی بننا قبول کیا۔

صیغۂ نکاح کے اجراء کے موقعہ پر ضروری ہے کہ طرفین یعنی شادی کرنے والا لڑکا اور لڑکی دونوں ان الفاظ کے معانی کو اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ بہتر ہے کہ عربی کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی بیان کر دیا جائے۔

ضروری ہے کہ صیغۂ عقد کے اجراء کے دوران مہر اور ان شرطوں کا ذکر بھی کر دیا جائے جو نکاح کے وقت طے کی گئی ہوں۔ خواہ یہ ذکر اشارتاً ہی کیوں نہ ہو۔ ضروری ہے کہ مہر اور دیگر شرائط طرفین کو معلوم ہوں۔ طرفین ان پر راضی ہوں۔

دائمی نکاح میں صیغہ کے اجراء کے وقت ضروری ہے کہ:

﴿۱﴾ زوج اور زوجہ (یعنی آپس میں شادی کرنے والے مرد و زن) معین و مشخص ہوں۔ صیغہ میں ان کا ذکر یا ان سے خطاب ہو۔

چنانچہ،

اگر طرفین یا کوئی ایک طرف معین و مشخص نہ ہو اسکا ذکر یا اس سے خطاب نہ کیا گیا ہو تو نکاح باطل ہو گا۔

﴿۲﴾ مہر، طرفین کے توافق کے ساتھ معین اور معلوم ہو۔

چنانچہ،

اگر صیغہ کے اجراء کے وقت مہر معین و مشخص نہ ہو اور اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو:

﴿الف﴾ نکاح درست ہو گا۔

البتہ،

﴿ب﴾ شوہر پر "مہر المثل" یعنی ان شرائط اور اس سطح کی خواتین میں جو مہر عام طور سے رائج ہے، واجب ہو گا۔

﴿۳﴾ دوسری شرطیں معین و مشخص و معلوم ہوں۔

چنانچہ،

اگر صیغۂ عقد کے اجراء کے وقت شرطیں معین و مشخص نہ ہوں یا ان کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو:

﴿الف﴾ نکاح درست ہو گا،

لیکن:

﴿ب﴾ شرطیں ساقط ہو جائیں گی۔

☆موقت نکاح یعنی متعہ میں، مذکورہ بالا نکات کے علاوہ اس مدت کا تعین اور ذکر بھی ضروری ہے جو طرفین نے آپس میں طے کی ہو۔

اگر مرد وزن نے پہلے سے آپس میں مدت کا تعین کر لیا ہو۔ صیغۂ عقد کے اجراء کے موقعہ پر دونوں اس کی طرف متوجہ ہوں۔ مگر صیغہ میں ذکر نہ کریں تو متعہ صحیح ہو گا۔

لیکن اگر صیغۂ عقد کے اجراء کے موقعہ پر:

﴿الف﴾ مکمل طور پر مدت بھول گئے ہوں،

﴿ب﴾ یہ بھی یاد نہ ہو کہ عقد موقت یعنی متعہ کا صیغہ پڑھ یا پڑھوا رہے ہیں۔

نیز،

﴿ج﴾: مدت کا ذکر بھی نہ کریں تو ایسا عقد، نکاح دائم ہو جائے گا۔

اس لیے،

اب طلاق کے بغیر ان کی جدائی ممکن نہیں ہو گی۔

جبکہ،

ازدواج موقت یعنی متعہ میں مدت پوری ہونے کے بعد،

﴿الف﴾ نکاح ختم ہو جاتا ہے

﴿ب﴾ طلاق کے بغیر مرد وزن ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں۔

﴿ج﴾ عورت پر عدت پوری کرنے سے پہلے کسی دوسرے مرد سے نکاح حرام رہتا ہے۔

﴿د﴾ نکاح منقطع یعنی متعہ کی عدت عام حالات میں دو "طہر" حمل کی حالت میں "وضع حمل" اور شوہر کی موت کی حالت میں چار مہینے دس دن ہے۔ حاملہ ہونے کی صورت میں اگر، وضع حمل یا اسقاط حمل شوہر کی موت کی عدت یعنی چار مہینے دس دن سے پہلے ہو جائے تو اسے چار مہینے دس

دن پورے کرنا ہوں گے۔ اگر وضع حمل چار مہینے دس دن کے بعد ہو تو خواہ یہ عدت آٹھ، ساڑھے آٹھ مہینے ہی کیوں نہ ہو عدت وضع حمل یا اسقاط حمل تک پوری کرنا ہو گی۔

باپ کی اجازت:

عام حالات میں ضروری ہے کہ باکرہ لڑکی باپ کی اجازت سے نکاح کرے۔ خواہ نکاح دائم ہو یا وقت۔

محارم:

محارم ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو انسان سے کسی نسبت کی وجہ سے اس کیلئے محترم ہوتے ہیں۔ اس احترام کے سبب وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتا۔ جیسے ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بھائی بہن وغیرہ۔

﴿۱﴾ محارم سببی:

اسلام نے بعض رشتوں کو شادی بیاہ کے روابط کے سبب قابلِ احترام قرار دیا ہے۔ ان رشتہ داروں کو جن کا احترام شادی بیاہ کے رشتوں یعنی صہری یا سسرالی رشتہ داریوں کے سبب اس بات کا باعث ہے کہ ان سے نکاح جائز نہیں، محارم سببی کہا جاتا ہے۔

اسلام نے مرد و زن پر بعض سسرالی رشتہ داروں سے ہمیشہ کے لئے اور بعض سے وقتی طور پر نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔

ان دونوں حرمتوں کی تفصیل الگ الگ ہے۔

مرد:

مرد کے لیے جن سسرالی رشتہ داروں سے نکاح حرام ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) ساس:

جب مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے خواہ یہ نکاح دائمی ہو یا موقت (متعہ) تو فوراً ہی اس عورت کی ماں یعنی ساس اس کی محرم ہو جاتی ہے۔ نیز اس مرد پر اس عورت کی ماں، نیز ماں کی ماں سے اوپر تک سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔

﴿الف﴾ خواہ وہ اس عورت سے ازدواجی تعلقات قائم کرے یا نہ کرے۔
﴿ب﴾ خواہ وہ عورت اس کی زوجیت میں رہے یا مدت کے ختم ہونے یا طلاق کے سبب اس سے جدا ہو جائے۔
﴿ج﴾ خواہ یہ عورت مر جائے۔

(۲) بیوی کی اولاد:

جب مرد کسی عورت سے نکاح کرے خواہ یہ نکاح دائمی ہو یا مُوَقَّت۔ اس کے بعد اس عورت سے ازدواجی روابط بھی استوار کرے تو اس کی بیٹیاں نیز اس کی اولاد کی بیٹیاں یعنی اس کی بیوی کی بیٹیوں یا بیٹوں کی اولاد در اولاد۔ بیٹیاں اس مرد کی محرم ہو جاتی ہیں اور ان سے نکاح اس مرد کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔

﴿۱﴾ خواہ یہ بیٹیاں اس عورت سے نکاح سے پہلے، اس عورت کے بطن سے پیدا ہوئی ہوں۔
﴿۲﴾ یا اس مرد سے جدائی کے بعد کسی اور مرد کے ذریعہ اس عورت کے بطن سے پیدا ہوئی ہوں۔
﴿۳﴾ خواہ یہ عورت اس کے نکاح میں رہے یا مدت کے ختم ہونے یا طلاق کے سبب اس کی زوجیت سے نکل آئے۔

(۳) سالیاں:

سالیاں، یعنی بیوی کی سگی یا سوتیلی بہنیں۔ اگرچہ اس مرد کے لیے محرم نہیں ہوتیں لیکن ان سے نکاح مرد کے لیے اس وقت تک حرام ہے جب تک یہ بیوی اس کی زوجیت میں رہے۔

یعنی نکاح موقت کی میعاد نیز طلاق رجعی کی مدت ختم ہونے سے پہلے وہ اپنی سالیوں سے نکاح نہیں کر سکتا۔

عورت:

عورت کے لیے جن سسرالی رشتہ داروں سے نکاح حرام ہے وہ یہ ہیں:

(۱) سُسَر:

عورت جب کسی مرد سے نکاح کرتی ہے تو خواہ شوہر سے اس کے ازدواجی روابط قائم ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، اس شوہر کا باپ اور باپ کے باپ سے اوپر تک ہمیشہ کے لیے اس کا محرم ہو جاتا ہے۔ وہ کبھی بھی اس سے نکاح نہیں کر سکتی۔

(۲) اولاد:

شوہر کی اولاد اور اولاد کی اولاد، خواہ بیٹیوں سے ہوں یا بیٹوں سے، عورت کے لیے محرم ہوتی ہے۔ اس کے لیے ان سے نکاح کبھی بھی جائز نہیں ہوتا۔

﴿۲﴾ محارم رضاعی:

جو افراد رضاعت یعنی دودھ پلائے جانے کے سبب ایک دوسرے کے لیے قابلِ احترام ہیں، وہ ایک دوسرے کے لیے محرم بھی ہیں۔ ان کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ تفصیل یہ ہے:

رضاعت کا اثبات:

رضاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب کوئی بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ چند روز اس طرح پیئے کہ ان دنوں اس کی غذا فقط وہی دودھ ہو۔

جن افراد کا رضاعت کے سبب آپس میں نکاح حرام ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

﴿۱﴾ رضاعی ماں:

رضاعی ماں یعنی دودھ پلانے والی عورت، سگی ماں کے حکم میں ہے۔

﴿۲﴾ رضاعی باپ:

رضاعی ماں کا شوہر، سگے باپ کے حکم میں ہے۔

﴿۳﴾ رضاعی بھائی بہن:

رضاعی ماں کی اولاد، اولاد در اولاد، خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔

﴿۴﴾ رضاعی ماں کے بھائی بہن:

رضاعی ماں کے بھائی بہن، خواہ سگے ہوں یا سوتیلے یا رضاعی ہوں۔

﴿۵﴾ رضاعی ماں کے چچا، پھوپھی، خالہ اور ماموں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔

﴿۶﴾ رضاعی ماں کے والدین۔

﴿۷﴾ رضاعی ماں کے شوہر کے بھائی بہن، خواہ سگے ہوں یا سوتیلے یا رضاعی، سب کے سب محرم ہوں گے اور ان سے نکاح حرام ہے۔

﴿۸﴾ رضاعی باپ کے چچا، پھوپھی، خالہ اور ماموں خواہ سگے ہوں یا رضاعی۔

﴿۹﴾ رضاعی بیٹے کا باپ، اپنے بیٹے کے رضاعی باپ کے فقط نسبی بچوں سے شادی نہیں کر سکتا۔

رضاعت اور حضانت:

تعریف:

رضاعت سے مراد بچے کو دودھ پلانا اور حضانت سے مراد بچے کی پرورش کرنا ہے۔

احکام:

بہتر ہے کہ ماں اپنے بیٹے یا بیٹی کو ۲۱ ؍مہینے تک دودھ پلائے۔

ماں کا اپنی اولاد کو دو سال سے زیادہ دودھ پلانا مناسب نہیں ہے۔

دودھ پلانا، ماں کا حق ہے۔ اسے حقِ رضاعت کہتے ہیں۔

باپ بغیر شرعی دلیل اور عذر کے ماں کی رضایت کے بغیر بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی دوسری عورت کے سپرد نہیں کر سکتا۔

اگر عورت بچے کی دودھ پلائی (رضاعت) کے دوران شوہر سے علیحدہ ہو جائے تو دودھ پلائی (رضاعت) اور پرورش (حضانت) کے سلسلہ میں اس کو اَوْلَوِیَّتْ یا حقِ تقدم حاصل ہوتا ہے۔

ماں کے حقِ حضانت سے مراد یہ ہے کہ بچہ لڑکا ہو یا لڑکی سات سال تک ماں کو اس کی پرورش اور نگہداشت کا حق حاصل ہے۔ خواہ وہ شوہر کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہو یا اس سے جدا ہو جائے۔

شوہر سے جدائی کی صورت میں ماں کو بچے کی حضانت کا حق استعمال کرنے کے لیے دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

﴿الف﴾ جب تک وہ بچہ کی پرورش کی ذمہ داری ادا کرے کسی اور مرد سے شادی نہ کرے۔

﴿ب﴾ بچے کی پرورش اور نگہداشت کے سلسلہ میں ایسی شرطیں عائد نہ کرے جو باپ کے لیے قابلِ تحمل نہ ہوں یا مشکل ہوں۔

ان دونوں صورتوں میں باپ کو حق حاصل ہو گا کہ وہ بچے کی پرورش، اپنی سہولت اور بچے کی بھلائی کی خاطر کسی دوسری عورت کے سپرد کر دے یا خود اپنے ذمہ لے لے۔

نفقہ:

تعریف:

نفقہ سے مراد گھر کے افراد کے روزمرہ کے وہ مخارج ہیں جو کسی گھر یا خاندان کی معاشرتی یا اقتصادی حیثیت کے مطابق عام طور سے معاشرہ میں رائج ہوں۔ ان میں گھر، لباس، کھانا پینا اور تعلیم و تعلم جیسے روزمرہ کے تمام ضروریاتِ زندگی شامل ہیں۔

احکام:

﴿۱﴾ بیوی:

بیوی کا نفقہ، شوہر کی ذمہ داری ہے۔ شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی کیلئے ان تمام ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا انتظام کرے جو معمول کے مطابق ہوں۔ شوہر بیوی کے نفقہ میں جس قدر سخاوت سے کام لے گا اور ہاتھ کھول کر خرچ کرے گا، خداوندِ عالم بھی اس کے رزق میں اسی قدر وسعت دے گا۔ یہ اصول فقط بیوی ہی کے سلسلہ میں نہیں بلکہ ان تمام افراد کے سلسلہ میں ہے جن کا نفقہ کسی کی ذمہ داری ہو۔

﴿۲﴾ اولاد:

جب تک اولاد کمانے کے قابل نہیں ہوتی، ان کے مخارج کا پورا کرنا، باپ کی ذمہ داری ہے۔

﴿۳﴾ ماں باپ:

اگر ماں باپ کمانے کے قابل نہ ہوں تو اولاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے اخراجات کو پورا کریں۔ ماں باپ کے اخراجات سے مراد فقط کھانا پینا، لباس اور علاج معالجہ نہیں بلکہ ان کی حثیت کے مطابق ان کی زندگی گذارنے میل جول، تحفہ تحائف، لین دین عیدی وغیرہ کے اخراجات کی حتی الامکان فراہمی ہے۔

﴿۴﴾ رشتہ دار:

سسرالی اور خاندانی رشتہ دار جو کسی نہ کسی طرح انسان پر کوئی حق رکھتے ہیں، ان کے اخراجات کا انتظام ہر اس شخص کی اخلاقی ذمہ داری ہے جو اس پر قدرت رکھتا ہو۔ اسلام میں اس ذمہ داری کی ادائیگی کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ یہ مستحبِ موکد ہے اور اس کا بہت ثواب ہے۔

﴿۵﴾ ہمسائے اور ضرورت مند:

پڑوسیوں، ہمسایوں اور ضرورتمند لوگوں کی دیکھ بھال، ان کی اہم ضرورتوں کو پورا کرنا یا دوسرے اہم معاشرتی امور یعنی مریضوں، قیدیوں، یتیموں، بیواؤں وغیرہ کے اخراجات کو پورا کرنا۔ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا نیز ان کی سرپرستی اور کفالت ہر اس شخص کا اخلاقی فریضہ ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہے۔

یہ ہر مسلمان سے شریعتِ اسلامیہ کا ایک اہم مطالبہ ہے۔ یہ عمل انسان کے مال و دولت، آمدنی اور عمر میں زیادتی اور برکت کا باعث نیز دنیاوی واخروی عزت و سعادت و کامیابی کا سبب بنتا ہے۔

روایات میں اس کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ اسے مستحب موکد قرار دیا گیا ہے۔ اس کا بے پناہ ثواب ہے۔

طلاق:

طلاق شریعتِ اسلام میں انتہائی ناپسندیدہ اور اللہ کے غضب کا باعث عمل ہے۔
طلاق انتہائی ضرورت اور مجبوری کے علاوہ کسی حالت میں مناسب نہیں ہے۔
طلاق کی تین قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ رجعی
﴿۲﴾ خُلع
﴿۳﴾ بائن

﴿۱﴾ رجعی:

طلاق رجعی وہ طلاق ہے جو حاکم شرع مرد کی درخواست یا تقاضہ پر جاری کرتا ہے۔ اس طلاق میں مرد کے لئے عورت کا مہر اور اس کے مطلوبہ حقوق ادا کرنا ضروری ہوتے ہیں۔

یہ طلاق اس لیے رجعی کہلاتی ہے کہ اس میں طلاق کی مدت ختم ہونے سے پہلے اگر مرد کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، یا پشیمان ہو جائے تو وہ طلاق کو فسخ کر کے اپنی بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

اس قسم کی طلاق میں رجوع اور فسخ کے لیے فقط رَجَعْتُ (میں رجوع کرتا ہوں) کے لفظ ادا کرنا یا کوئی اور ایسا لفظ ادا کرنا یا ایسا عمل انجام دینا جس سے طلاق کے متعلق مرد کی پشیمانی اور بیوی کی طرف مراجعہ کا اظہار ہو، کافی ہے۔

﴿۲﴾ خُلع:

عورت کے لئے اپنے شوہر کے ساتھ نباہ ممکن نہ ہو۔ وہ حاکم شرع یا مجتہد سے اپنے شوہر سے جدائی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ عام طور سے فقہ میں عورت کی طرف سے اس مطالبہ کی صورت میں واقع ہونے والی طلاق، خلع کہلاتی ہے۔ اگرچہ احادیث میں طلاق خلع کی تعریف کچھ اور ہے۔

اس صورت میں حاکم شرع، مجتہد یا اس کے وکیل کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے۔ ان دونوں کی شادی کی بقاء مستقل مشکلات کا سبب بنے گی۔ جھگڑے ختم نہیں ہو سکتے۔ واقعاً بیوی کے لیے اس شوہر کا تحمل مشکل ہو چکا ہے۔ وہ عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔

ان حالات میں (یعنی جب عورت معاملہ حاکم شرع کے پاس لے جائے اور حاکم شرع مطمئن ہو جائے) اجرائے طلاق کے لیے شوہر کی رضایت شرط نہیں ہے۔

کسی عورت کا شوہر غائب ہو جائے۔ اس کی کوئی خبر نہ ملے۔ اس نے اپنی بیوی کے نان و نفقہ کا انتظام نہ کیا ہو۔ حاکم شرع، مجتہد یا اس کا وکیل عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ یہ دونوں طلاقیں، طلاق خلع شمار ہوں گی۔

بنیادی طور پر طلاق کا اختیار نہ مرد کو ہے نہ عورت کو۔ پہلی کوشش تو یہ ہونا چاہئے کہ کسی بھی صورت میں ازدواجی رشتہ نہ ٹوٹے۔ اگر کوئی صورت نہ نظر آئے۔ رشتہ ٹوٹنا ضروری ہو جائے تو اس کا فیصلہ میاں بیوی خود سے نہیں کر سکتے۔ اس صورت میں شوہر یا بیوی جو بھی رشتہ توڑنے کا ارادہ کرے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا معاملہ حاکم شرع یا مجتہد کے پاس لے جائے اور اس سے درخواست کرے کہ وہ اس معاملہ کو حل کرے۔ یہ مجتہد اور حاکم شرع کا کام ہے کہ وہ معاملہ پر غور و فکر اور اس کے شرعی پہلوؤں کو نظر میں رکھتے ہوئے طلاق یا خلع جاری کرنے کا فیصلہ کرے۔

نکاح موقت یعنی متعہ میں طلاق نہیں ہوتی۔

متعہ کی مدت ختم ہونے کے بعد نکاح موقت خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر شوہر کسی وقت باقی مدت بخش دے تب بھی نکاح موقت خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

﴿۳﴾ بائن:

طلاق بائن اس طلاق کو کہتے ہیں جس میں شوہر کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حق نہ ہو۔

یہ چار صورتوں میں ہوتی ہے:

﴿۱﴾ پہلی صورت خلع کی ہے۔ جب تک خلع میں عورت مہر معاف کر کے رجوع نہ کرے، مرد کو رجوع کا حق نہیں ہوتا۔

﴿۲﴾ دوسری صورت تیسری طلاق میں ہوتی ہے۔ اگر مرد اپنی بیوی کو تمام شرائط کے ساتھ تیسری مرتبہ طلاق دے دے تو شوہر کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حق نہیں ہوتا۔

اس صورت میں مرد کو مدت کے اختتام کے بعد بھی اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کا حق نہیں رہتا۔

اس صورت میں مرد صرف اسی صورت میں اپنی مطلقہ سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے جب اس کی مطلقہ سے کوئی اور مرد نکاح کرنے اور اس سے ازدواجی روابط قائم کرنے کے بعد کسی سبب اسے طلاق دے دے۔

﴿۳﴾ تیسری صورت یائسہ کی طلاق ہے۔

اگر مرد یائسہ بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق بائن ہوتی ہے۔ یائسہ عورت طلاق کے فوراً بعد کسی دوسرے مرد سے شادی کر سکتی ہے۔ اس پر عدت واجب نہیں ہے۔

﴿۴﴾ چوتھی صورت ازدواجی روابط قائم ہونے سے پہلے کی طلاق ہے۔

یعنی اگر شوہر نکاح کے بعد ازدواجی روابط کے قیام سے پہلے بیوی کو طلاق دے تو طلاق بائن ہوتی ہے۔

طلاق کے شرائط:

طلاق کے اجراء کے موقعہ پر بعض شرطوں کا لحاظ ضروری ہے:

﴿۱﴾ اگر میاں بیوی ساتھ رہ رہے ہوں تو بیوی طہارت کی حالت میں ہو (حائض نہ ہو) نیز اس طہر میں ازدواجی روابط قائم نہ ہوئے ہوں۔

﴿۲﴾ اگر عورت یائسگی کی طبیعی عمر تک نہ پہنچی ہو لیکن خون آنا بند ہو گیا ہو تو طلاق کے لیے ضروری ہے کہ ازدواجی روابط کے انجام پائے ہوئے تین مہینے گذر چکے ہوں۔

اگر ایسی عورت کو طلاق دیئے جانے کا ارادہ ہو اور اسی ماہ ازدواجی روابط قائم ہو چکے ہوں تو اجرائے طلاق کیلئے تین ماہ انتظار کرنا ہو گا۔ اگر ان تین ماہ میں ازدواجی تعلقات قائم نہ ہو تو طلاق جاری ہو سکے گی ورنہ نہیں۔

﴿۳﴾ حاملہ بیوی کو حالت حمل میں ازدواجی روابط کے قیام کے فوراً بعد بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔

﴿۴﴾ ضروری ہے کہ طلاق دو عادل گواہوں کے سامنے دی جائے۔

﴿۵﴾ طلاق عربی زبان میں دی جائے یا اگر عربی میں نہ کہہ سکتا ہو تو کسی بھی زبان میں اس کے ہم معنی لفظ کی ادائیگی سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

مثلاً مرد کہے:

زَوْجَتِیْ فُلَانَةٌ طَالِقٌ

یا وکیل کہے:

زَوْجَةُ فُلَانٍ طَالِقٌ

مرد اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہے:

اَنْتِ طَالِقٌ وغیرہ۔

طلاق کی عدت:

عدت سے مراد وہ مدت ہے جس میں عورت کو صبر اور انتظار کرنا ضروری ہے۔ اس مدت کے ختم ہونے پر اگر عورت چاہے تو دوسری شادی کر سکتی ہے۔

طلاق رجعی کی صورت میں اس مدت کے دوران مرد نکاح کے بغیر بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

☆ جس عورت کو ایام آتے ہوں، اس کے لیے طلاق کی عدت تین مہینے یا تین دفعہ خون دیکھنا ہے۔

یعنی تیسری مرتبہ خون حیض کے آغاز پر اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

☆متعہ میں مدت کے اختتام پر عدت ۴۵ ۔ دن یادو مرتبہ خون دیکھنا ہے۔
☆یہی حکم اس عورت کا ہے جو یائسگی کے طبیعی سن پر نہ پہنچی ہو مگر دوا کے استعمال یا کسی بیماری کے سبب اس کو حیض نہ آرہا ہو۔ یعنی طلاق کی صورت میں تین ماہ یا تین بار خون اور متعہ کی صورت میں ۴۵ ۔ دن یا دو بار خون حیض کا آنا اس کی عدت ہو گی۔
☆جس عورت کو ازدواجی روابط کے قیام سے پہلے طلاق دے دی جائے، یا متعہ کی صورت میں ازدواجی روابط کے قیام کے بغیر مدت ختم ہو جائے یا بخش دی جائے اس کے لیے عدت نہیں ہے۔
☆اگر حاملہ عورت کو طلاق دی جائے یا حمل کے دوران کسی خاتون کے متعہ کی مدت ختم ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہو گی۔
☆یائسہ عورت جس کا حیض اس کے بڑھاپے اور سن کے سبب بند ہو گیا ہو، کی عدت نہیں ہے۔
شریعت نے یائسگی کے لیے سن کی کوئی حد معین نہیں کی ہے۔
جب تک عورت خون حیض دیکھتی رہے وہ حائض شمار ہو گی۔ خواہ اس کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔
زیادہ عمر کی خواتین کے ایام کو، سن بڑھ جانے کی وجہ سے ہاشمی یا غیر ہاشمی خواتین میں، استحاضہ شمار کرنا صحیح نہیں۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

موت کی عدّت:

عورت کا شوہر مر جائے، خواہ وہ یائسہ ہو یا نہ ہو، اس کی عدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ طلاق رجعی کی عدت کے دوران بھی اگر کسی خاتون کا شوہر مر جائے تو اسے شوہر کی موت کے دن سے چار مہینے دس دن تک عدت پوری کرنا ہو گی۔

اگر کوئی خاتون شوہر کی موت کے وقت حاملہ ہو۔ ایسی صورت میں:

﴿الف﴾ اگر وہ حمل سے سقط جنین یا وضع حمل کی صورت میں چار مہینے دس دن سے پہلے فارغ ہو جائے تو اسے چار مہینے دس دن کی عدّت پوری کرنا ہو گی۔

﴿ب﴾ اگر اس کا حمل چار مہینے دس دن کے بعد تک جاری رہے تو اس کی عدّت وضع حمل یا سقط جنین تک ہو گی خواہ یہ مدت ۸، مہینے سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

موت کی عدت کے دوران خواتین کے لیے آرائش وزیبائش، بناؤ سنگھار حرام ہے۔

بہتر ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد ایک سال تک مرحوم کی بیوہ کو اس کے گھر میں رہنے دیا جائے۔ ورثا کے لیے ضروری ہے کہ وہ عدت کے دوران اس کے مخارج برداشت کریں۔ اس کے رہن سہن کے مخارج اس کے ارث کے حصہ میں سے کم نہیں ہوں گے۔

عدت کے دوران بیوہ کو اپنے شوہر کے گھر یا اس گھر سے باہر رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جس میں وہ شوہر کی موت کے وقت رہ رہی تھی۔ لیکن اس دوران اس کا اپنے گھر سے نکلنا منع یا حرام نہیں ہے۔ وہ اگر چاہے تو کسی اور گھر میں منتقل ہو سکتی ہے۔ اپنے روزمرہ کے کاموں وغیرہ کے لئے باہر جا سکتی ہے۔

اگر بیوہ عورت خود سے سال مکمل ہونے سے پہلے کسی بھی وقت شوہر کے گھر کو خیرباد کہنا چاہے تو ایسا کر سکتی ہے۔

یہ ایک معاشرتی رسم ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد عدت کے دوران بیوہ کو گھر سے نکلنے نہیں دیا جاتا۔ اس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں۔

شرعاً حکم یہی ہے کہ اسے اس گھر سے نکلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جس میں وہ اپنے شوہر کی زندگی میں رہ رہی تھی۔

وراثت :

تعریف :

وراثت،ورثہ،میراث یاترکہ ان چیزوں کو کہاجاتاہے،جو کوئی مرنے والا مرتے وقت اپنی ملکیت میں چھوڑ کر مرتا ہے۔

وصیت :

اگر میت نے ایسی وصیت کی ہو جس میں مالی اخراجات ہوں تو اس کے کل ترکہ سے ایک تہائی اموال اس کی وصیت کے مطابق خرچ کیے جانا ضروری ہیں۔

اگر وصیت کی مقدار کل ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ ہو تو ترکہ کے ایک تہائی تک کی وصیت پر عمل ہر حال میں ضروری ہو گا، باقی حصہ پر اگر سب ورثاء اجازت دیں تو عمل ہو گا ورنہ نہیں۔

اس صورت میں،

اگر ورثاء نے ایک تہائی سے زائد پر وصیت کے مطابق عمل کرنے کی اجازت نہ دی تو باقی دو تہائی میں سے میت کے واجبات کے مخارج مثلاً قرض،حج واجب وغیرہ نکالنے کے بعد باقی ترکہ ورثاء کے درمیان تقسیم ہو گا۔

اگر ورثاء نے ایک تہائی سے زائد پر وصیت کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دے دی تو وصیت پر عمل کے بعد جو کچھ بچے گا اس میں سے اس کے واجبات کے مخارج مثلاً قرض، حج واجب وغیرہ نکالنے کے بعد باقی ترکہ قانون کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہو گا۔

اگر میت نے وصیت نہ کی ہو یا اس کی وصیت میں مالی اخراجات شامل نہ ہوں تو کل ترکہ میں سے اس کے واجبات کے مخارج مثلاً قرض، حج واجب وغیرہ نکالنے کے بعد باقی ترکہ قانون کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہو گا۔

وَرَثہ دو قسم کے ہیں:

﴿۱﴾...... سببی

﴿۲﴾...... نسبی

﴿۱﴾ سببی:

سببی سے مراد میاں بیوی ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

شرط ہے کہ یہ دائمی نکاح کے رشتہ میں جڑے ہوئے ہوں۔ ممتوعہ یعنی متعہ کے رشتہ میں جڑے ہوئے میاں بیوی کے درمیان ارث کا حکم نہیں ہے۔

اگر شوہر، طلاق رجعی کی عدت کے دوران مر جائے تو عورت کو ارث سے بیوی کا پورا حصہ ملے گا۔

اگر بیوی طلاق رجعی کی عدت کے دوران مر جائے تو شوہر کو ارث سے اس کا پورا حصہ ملے گا۔

بیوی کا حصہ ملے گا۔

☆ اگر مرد مر جائے اور اس کی اولاد موجود نہ ہو تو اس کے کل ترکہ کا ایک چوتھائی اور اگر بچے چھوڑ کر مرے تو اس کے کل ترکہ کا آٹھواں حصہ بیوی کو ملے گا۔

☆ اگر بیویاں متعدد ہوں تو شوہر کے مرنے پر صورت حال کے مطابق یعنی اولاد کی موجودگی یا عدم موجودگی کی صورت میں کل ترکہ کا چوتھائی یا آٹھواں حصہ ان کے درمیان برابر سے تقسیم ہوگا۔

☆ اگر عورت تنہا وارث ہو تو وہ شوہر کے کل ترکہ کی وارث ہوگی۔

☆ شوہر اگر اولاد چھوڑ کر مرے تو عورت کو اس کے ترکہ کے منقول اور غیر منقول تمام اموال حتی کہ زمینوں سے بھی حصہ ملے گا۔

لیکن، اگر شوہر کی موت کے وقت اس کی اولاد موجود نہ ہو تو بیوی کو عین زمین سے ارث نہیں ملے گی البتہ زمین کی قیمت سے اس کا حصہ ادا کیا جائے گا۔

زمین کی قیمت سے بیوہ کا حصہ دینے سے مراد یہ نہیں ہے کہ اگر زمین بیچی جائے تب ہی قیمت میں سے اس کا حصہ ادا کیا جائے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین کی جو موجود قیمت بازار کے مطابق ہو اس قیمت کے مطابق اس کے حصہ کی رقم مرحوم کی بیوہ کو ادا کی جائے۔ خواہ زمین بیچی جائے یا نہ بیچی جائے۔ اگر زمین کے بیچے بغیر بیوہ کا حصہ ادا کرنا ورثا کی قدرت سے باہر ہو تو زمین بیچ کر بیوہ کا حصہ ادا کرنا ضروری ہے۔

شوہر کا حصہ

اگر عورت مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے کل ترکہ کا آدھا نیز اولاد ہونے کی صورت میں کل ترکہ کا چوتھائی شوہر کو ملے گا۔

اگر عورت مر جائے اور اس کا تنہا وارث اس کا شوہر ہو تو پورا ترکہ شوہر کو ملے گا۔

میاں اور بیوی نسبی وارثان کی موجودگی میں بھی اپنے حصہ کے مطابق ترکہ لیں گے خواہ یہ ورثاء نسبی کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

گویا، وراثت کی تقسیم میں:

وصیت اور واجباتِ مالی کی ادائیگی کے بعد سب سے پہلے بیوی یا شوہر کا حصہ نکالا جائے گا، اس کے بعد نسبی ورثاء کے موجود طبقات کے مطابق ان کا حصہ تقسیم ہو گا۔

﴿۲﴾ نسبی وارث:

نسبی وارثوں کے تین طبقے ہیں۔

(الف): پہلا طبقہ:

باپ، ماں، اولاد اور اولاد کی اولاد۔

(ب): دوسرا طبقہ:

دادا، دادی، بھائی بہن، بھائی بہن کی اولاد۔

(ج): تیسرا طبقہ:

چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد۔

نسبی ورثاء میں ہر طبقہ اپنے بعد والے طبقہ پر اولویت رکھتا ہے۔ اس لیے پہلے طبقہ کی کسی ایک فرد کی موجودگی میں دوسرے طبقہ کا کوئی شخص۔ دوسرے طبقہ کی کسی ایک فرد کی موجودگی میں تیسرے طبقہ کا کوئی شخص۔ ترکہ میں حصہ دار نہیں ہو گا۔

نیز،

تمام طبقات میں براہِ راست رشتہ دار مثلاً اولاد، بھائی، بہن، خالہ، ماموں وغیرہ، اصل اور ان کی اولاد فرع شمار ہوتی ہے۔

اصل کی موجودگی میں فرع کے افراد ترکہ میں حصہ دار نہیں ہوتے۔ انہیں صرف اسی وقت حصہ ملتا ہے جب اصل کی کوئی فرد بھی موجود نہ ہو۔

پہلے طبقہ کی میراث:

﴿الف﴾ ماں باپ کا حصہ:

☆ اگر فقط ماں یا باپ وارث ہوں اور شوہر یا بیوی بھی نہ ہو تو تمام ترکہ اس کو ملے گا۔

☆ بیوی یا شوہر کی موجودگی میں پہلے کل ترکہ سے بیوی یا شوہر کا حصہ نکالا جائے گا پھر باقی حصہ پورے کا پورا ماں یا باپ کو ملے گا۔

☆ اگر ماں اور باپ دونوں موجود ہوں تو بیوی اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں کل ترکہ کے تین حصے ہوں گے جن میں سے ایک ماں اور دو باپ کو ملیں گے۔

☆ بیوی یا شوہر کی موجودگی میں بیوی یا شوہر کا حصہ نکال کر باقی ترکہ کے تین حصہ ہوں گے ایک ماں اور دو باپ کو ملیں گے۔

☆ اولاد کی موجودگی میں اگر بیٹا یا ایک بیٹا اور ایک بیٹی یا کئی بیٹے بیٹیاں ہوں نیز بیوی یا شوہر بھی ہوں تو ان کا حصہ نکال کر ورنہ کل ترکہ میں سے چھٹا حصہ ماں باپ کو ملے گا۔ باقی اولاد کے درمیان تقسیم ہوگا۔

☆ اگر مرنے والے کی فقط ایک بیٹی ہو تو ماں باپ (بیٹی کے دادا دادی) کی موجودگی میں ترکہ کے ۵ حصے ہوں گے ان میں سے تین بیٹی کو ملیں گے اور باقی دو میں سے ایک ماں اور ایک باپ کو ملے گا۔

☆اگر میت کی فقط ایک بیٹی نیز میت کا فقط باپ یا فقط ماں موجود ہو تو ترکہ کے تین حصہ ہوں گے، دو بیٹی کو اور ایک ماں یا باپ میں سے جو بھی موجود ہو اس کو ملے گا۔

☆اگر میت کے والدین کے ساتھ میت کی فقط دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ترکہ کے چھ حصے ہوں گے جن میں سے ایک حصہ ماں اور ایک حصہ باپ کو ملنے کے بعد باقی ترکہ بیٹیوں میں برابر تقسیم ہو گا۔

☆اگر میت کا فقط باپ یا فقط ماں ہو نیز میت کی ایک سے زائد بیٹیاں بھی ہوں تو ترکہ کے پانچ حصے ہوں گے جن میں سے ایک حصہ ماں یا باپ کو ملے گا اور باقی بیٹیوں کے درمیان تقسیم ہو گا۔

نوٹ:

☆اگر میت کی اولاد نہ ہو یا فقط ایک بیٹی ہو تو اس صورت میں ماں کا جو پانچواں حصہ بیان کیا گیا ہے وہ اسے اس وقت ملے گا جب میت کے بھائی بہن موجود نہ ہوں۔

☆اگر میت کی اولاد نہ ہو یا فقط ایک بیٹی ہو نیز میت کے بھائی بہن بھی موجود ہوں تو اگرچہ طبقۂ اول کے افراد کی موجودگی میں انہیں ترکہ میں سے حصہ نہیں ملے گا، لیکن یہ اس بات کا سبب بنیں گے کہ ماں کو فقط چھٹا حصہ، باقی باپ اور بیٹی کو ملے۔

﴿ب﴾ اولاد کا حصہ:

میت کا باپ یا ماں یا دونوں ہوں، اس صورت میں اولاد کے حصوں کی صورتیں بیان کی جا چکی ہیں۔

یہاں فقط ان صورتوں کا ذکر ہے جن میں میت کے ماں یا باپ یا دونوں موجود نہ ہوں۔ ایسی صورت میں بیوی یا شوہر کی موجودگی میں کل ترکہ سے اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی:

☆اگر فقط ایک بیٹا یا بیٹی ہو تو پورا ترکہ اسی کو ملے گا۔

☆اگر اولاد کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو ہر بیٹے کو بیٹی کا دو گنا حصہ ملے گا۔

☆اولاد کی اولاد کو فقط اس صورت میں حصہ ملے گا جب میت کا کوئی بیٹا یا بیٹی زندہ نہ ہو۔

☆اولاد کی عدم موجودگی میں پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کا حصہ دراصل ان کے والدین یعنی میت کے بیٹوں بیٹیوں کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ یعنی بیٹے کے دو حصے بیٹے کی اولاد یعنی پوتوں پوتیوں کو اور بیٹی کا ایک حصہ اس کی اولاد یعنی نواسے نواسیوں کو ملے گا۔

لیکن،

☆نانا یا دادا کی طرف سے باپ یا ماں کے نہ ہونے کی صورت میں ان کے باپ یا ماں کا جو حصہ ان کو ملے گا وہ ان کے درمیان اسی بنیاد پر تقسیم ہوگا کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ۔

☆اولاد کی اولاد خواہ کتنی ہی نیچے کی کیوں نہ ہو وہ طبقۂ اول محسوب ہوں گے۔ ان میں سے کسی ایک فرد کی موجودگی میں طبقۂ دوم کے افراد ترکہ میں حصہ دار نہیں ہوں گے۔

دوسرے طبقہ کی میراث:

جو لوگ میت کی میراث میں حصہ دار ہونے کے سبب طبقۂ دوم میں شامل ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

﴿۱﴾ اجداد: دادا، دادی، نانا، نانی۔

﴿۲﴾ بھائی بہن سگے ہوں یا سوتیلے یعنی فقط ماں کی طرف سے ہوں یا فقط باپ کی طرف سے یا دونوں کی طرف سے۔

﴿۳﴾ بھائی بہن کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد ان کی جگہ (یعنی اپنے والدین کی جگہ، دادی، دادی یا نانا نانی کی) وارث ہوگی۔

اس طبقہ کی کسی ایک فرد کی موجودگی میں تیسرے طبقہ کے افراد ترکہ میں حصہ دار نہیں ہوں گے۔

اس طبقہ میں بھی وراثت کی تقسیم میت کے شوہر یا بیوی کی موجودگی میں کل ترکہ سے اس کا حصہ نکالنے کے بعد ہوگی۔

☆اگر وارث فقط دادا اور دادی ہوں تو ترکہ میں سے تین حصے کر کے دو حصے دادا اور ایک حصہ دادی کو ملے گا۔

☆اگر دادا دادی اور نانا نانی دونوں موجود ہوں تو ترکہ کے تین حصے ہوں گے۔ ان میں سے دو حصے دادا دادی کو اور ایک حصہ نانا نانی کو ملے گا۔ پھر دادا دادی کے دو تہائی حصہ کے تین حصے کر کے ان کا ایک حصہ دادی اور دو حصے دادا کو ملیں گے جبکہ نانا نانی کا ایک تہائی حصہ دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہو گا۔

☆سگے بھائی بہنوں میں حصوں کی تقسیم، بہن کا ایک اور بھائی کے دو حصوں کے مطابق ہو گی۔

☆ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی بہن جن کا باپ ایک ہو فقط اس صورت میں حصہ دار ہوں گے جب سگے بھائی بہن موجود نہ ہوں۔ ان لوگوں کے حصہ دار ہونے کی صورت میں بہن کا ایک اور بھائی کے دو حصوں کے اصول پر عمل ہو گا۔

☆باپ کی طرف سے سوتیلے بھائی بہن جن کی ماں ایک ہو، فقط اس صورت میں کل ترکہ کے ایک تہائی مال کے حصہ دار ہوں گے جب میت کی اولاد میں سگے بھائی بہن یا ماں کی طرف سے سوتیلے (یعنی جن کا باپ ایک ہو) بھائی بہن موجود ہوں۔

اس صورت میں کل ترکہ کا ایک تہائی باپ کی طرف سے سوتیلے بھائی بہنوں میں برابر تقسیم ہو گا۔ جبکہ باقی دو تہائی سگے بھائی بہنوں یا ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی بہنوں کے درمیان بہن کے ایک اور بھائی کے دو حصوں کے اصول کے مطابق تقسیم ہو گا۔

بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد اپنے والدین (یعنی میت کے بھائی بہنوں) کے حصہ کے مطابق حصہ دار ہو گی۔

تیسرے طبقے کی میراث:

جو لوگ تیسرے طبقہ میں شامل ہیں وہ یہ ہیں:

چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں نیز ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد۔

اس طبقہ میں بھی میراث کی تقسیم میت کے شوہر یا بیوی کی موجودگی میں کل ترکہ سے اس کا حصہ نکالنے کے بعد انجام پائے گی۔

چچا اور پھوپھی:

یا سگے ہوں گے،

یا ماں کی طرف سے سوتیلے،

یا باپ کی طرف سے سوتیلے۔

ماں کی طرف سے سوتیلے چچا اور پھوپھی فقط اس صورت میں ترکہ لے سکتے ہیں جب سگے چچا یا پھوپھی موجود نہ ہوں۔

چچا کا حصہ پھوپھی کے حصہ کے دوگنا ہوگا۔

ماموں اور خالہ:

ماموں اور خالہ بھی تین قسم کے ہوتے ہیں جس میں سے ماں کی طرف سے سوتیلے ماموں اور خالہ فقط سگے ماموں اور خالہ کی عدم موجودگی میں حصہ دار ہوسکتے ہیں۔

ماموں اور خالہ کا حصہ برابر ہوگا۔

چچا، پھوپھی نیز ماموں اور خالہ کی اولاد بھی فقط اسی صورت میں اپنے والدین کے حصہ کی حق دار ہوگی جب ان میں کی کوئی فرد موجود نہ ہو۔ یعنی اگر ایک بھی چچا، پھوپھی، ماموں یا خالہ زندہ ہو تو دوسرے مرحوم چچا، پھوپھی ماموں خالہ کی اولاد حصہ دار نہیں ہوگی۔

ارث کے موانع:

اولاد کے لیے ترکہ میں حصہ دار ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ شرعی فرزند ہو۔

غیر شرعی فرزند نہ والدین کے ترکہ میں حصہ دار ہوگا، نہ ہی اس کے والدین اس کے ترکہ میں حصہ دار ہوں گے۔

غیر شرعی فرزند کے ترکہ میں حصہ دار نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی اولاد شمار نہیں ہوگا۔

☆غیر شرعی اولاد پر وراثت کے علاوہ شرعی اولاد کے تمام احکام مرتب ہوں گے۔ یعنی:

﴿الف﴾اس کے ماں باپ ہی اس کے ماں باپ کہلائیں گے۔

﴿ب﴾لڑکا ہونے کی صورت میں وہ اپنی ماں اور لڑکی ہونے کی صورت میں وہ اپنے باپ کے لیے محرم ہو گا اس طرح اس کی اولاد اس کے ماں باپ کے لیے محرم ہو گی۔

﴿ج﴾اس کے والدین کے سگے یا سوتیلے بچے اس کے بھائی بہن اور محرم ہوں گے۔

☆ولد شبہ: یعنی جو اولاد شبہ کی صورت میں پیدا ہو شرعی اولاد کی طرح والدین کے ترکہ میں بھی حصہ دار ہو گی۔ والدین بھی شرعی اولاد کی مانند اس کے ترکہ میں حصہ دار ہوں گے۔

☆ناحق قاتل اگر ورثاء میں سے ہو تو ترکہ سے محروم ہو گا۔

☆اگر قتل عمدی نہ ہو بلکہ قتل خطا ہو یا قتل مشروع ہو جیسے قصاص وغیرہ تو وہ ترکہ میں حصہ سے محروم نہیں ہو گا۔

☆کافر کو مسلمان کی میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ مسلمان کو کافر کی میراث سے حصہ ملے گا۔

☆میت کا کوئی شرعی وارث نہ ہو تو اس کا ترکہ بیت المال مسلمین کو دیا جائے گا۔

☆غیر مسلم، مسلمان شخص سے ارث کی تقسیم کا مطالبہ کرے تو مسلمان کو اسلام کے قانون کے مطابق ارث تقسیم کرنا ہو گی۔

بعض نئے اور ضروری مسائل

﴿۱﴾ پوسٹ مارٹم:

جب:

﴿۱﴾ کسی حق کے اثبات یا

﴿۲﴾ کسی جان کی حفاظت کی خاطر

- پوسٹ مارٹم ضروری ہو جائے، تو واجب ہے۔
- علمی اور فنی ضرورتوں کے لیے جائز ہے۔

دونوں موقعوں پر یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ:

﴿الف﴾ ضرورت سے زیادہ نہ انجام دیا جائے۔

﴿ب﴾ مومن کی آبروریزی اور ہتکِ حرمت کا سبب نہ ہو۔

﴿ج﴾: تدفین میں تاخیر کا سبب نہ بنے۔

﴿۲﴾ عضو کا پیوند:

- کسی عضو یا اعضاء کو مردہ سے لے کر زندہ کے جسم میں لگانا مکمل طور پر درست ہے۔ اس میں کسی قسم کا حرج یا شرعی ممانعت نہیں ہے۔ خواہ میت مسلمان کی ہو یا کافر کی۔
- زندہ انسان کا کوئی عضو دوسرے زندہ انسان کے لگانا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

﴿۱﴾ وہ عضو ایسا نہ ہو جو ہدیہ کرنے والے شخص کے اصل عضو میں نقص کا سبب بنے۔

اگر زندہ شخص اپنا ایک گردہ ہدیہ کرے تو وہ دوسرے شخص کو لگایا جا سکتا ہے بشر طیکہ ہدیہ کرنے والے کے لیے مکمل نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

ایک گردہ انسان کے دوسرے گردہ کی کمی کو برداشت کر لیتا ہے۔ اس لیے ایک گردہ ہدیہ کیا جا سکتا ہے۔

﴿۲﴾ یہ عضو جس شخص کو لگایا جائے اس کے لیے زندگی کی تجدید یا دوام کا سبب ہو۔

پیوند لگایا جانے والا عضو، پیوند کے بعد اس شخص کے جسم کا حصہ ہو جاتا ہے۔ اس پر اسی شخص کے جسم کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔

چنانچہ نجس العین حیوان کا کوئی عضو انسان کے لگ کر جب اس کے جسم کا حصہ بن جائے، تو خود بخود پاک ہو جاتا ہے۔

﴿۳﴾ پوسٹ مارٹم یا پیوندکاری کی صورت میں دیت کا حکم:

بعض افراد نے پوسٹ مارٹم اور پیوند کاری کے سلسلہ میں دیت کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ لیکن، جب یہ عمل شرعی جواز یا وجوب کی صورت میں انجام پائے تو دیت نہیں ہے۔

دیت، خسارت کے جبران یا دشمن کے جرمانہ کے طور پر واجب ہوتی ہے۔

ان صورتوں میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔

﴿۴﴾ خون دینا:

کسی کو اپنا یا کسی کا خون دینا اگر دوسرے کی زندگی بچانے یا بڑھانے کے لیے ہو تو جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے۔ شرط یہ ہے کہ خون دینے والے کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔

﴿۵﴾ اعضاء کا ہدیہ کرنا:

کسی بھی شخص کے لیے ضرورتمندوں کے علاج کی خاطر اپنے اعضاء کو ہدیہ کے طور پر یا قیمتاً دینا جائز ہے۔

اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اس کے وہ اعضاء ضرورت مند لوگوں کے علاج کے لیے دے دیئے جائیں جو قابل پیوند ہیں۔ تو اس پر عمل ضروری ہے۔

اگر وصیت میں قید ہو کہ اعضاء ضرورت مندوں کو قیمتاً دیئے جائیں۔ لیکن اس حاصل شدہ قیمت کے لیے کچھ نہ کہا ہو تو ان کی قیمت ترکہ میں شمار ہو گی۔

اگر میت کے وارث میت کے اعضاء سے استفادہ کی اجازت دیں، اس کے بدلہ ان کو کوئی رقم ملے یا وہ رقم کا مطالبہ کریں تو اس سے حاصل ہونے والی رقم بھی ترکہ میں شمار ہو گی۔

﴿۶﴾ مصنوعی حمل:

عورت کو اس کے شوہر کے نطفہ کے علاوہ کسی غیر مرد کے نطفہ سے حاملہ نہیں کیا جاسکتا۔

اگر:

- غلطی سے یا عدم علم کے سبب ـــــ ارادہ سے،
- یا حرمت کا علم ہونے کے باوجود ارادہ سے۔

شوہر کے علاوہ کسی اور کے نطفہ سے تلقیح انجام پا جائے تو،

- بچہ کا باپ وہی شخص ہو گا جس کا نطفہ ہو۔
- بہر صورت عورت بچہ کی ماں شمار ہو گی۔

اگر شوہر کا اسپرم اور بیوی کے بیضہ، بیج یا تخمک کو مصنوعی رحم میں پرورش دی جائے تو پیدا ہونے والا بچہ ان دونوں کی حقیقی اولاد شمار ہو گا۔

اگر کسی عورت کے بیضہ، بیج یا تخمک کو رحم سے باہر پرورش کرکے کسی دوسری عورت کے رحم میں ڈالا جائے تو پیدا ہونے والا بچہ اسی ماں کا ہو گا جس کے شکم سے پیدا ہو۔

البتہ،

وہ عورت بھی بچے کی ماں شمار ہو گی جس کا بیضہ، بیج یا تخمک اس عورت کے رحم میں ڈالا گیا ہو۔

اس صورت میں دو ماؤں کے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان کی مثال حقیقی ماں اور رضاعی ماں جیسی ہو گی۔

﴿۷﴾ رحم کا کرایہ پر دینا یا لینا:

اجنبی عورت کے رحم کا اجارہ کرنا جائز نہیں۔ یعنی مرد اپنا نطفہ پرورش کرنے کیلئے کسی ایسی عورت کا رحم اجارہ نہیں کرسکتا جو اس کے نکاح یا عقدِ موقت میں نہ ہو۔

رحم اجارہ کرنے کے لیے عقدِ موقت یعنی متعہ کرنا جائز ہے۔

﴿۸﴾ کلوننگ:

آج کل کے علمی حلقوں میں مشہور ہے کہ انسان کے جسم سے کوئی خلیہ لے کر اس جیسا یا اس انسان کا کوئی مطلوبہ عضو بنایا جاسکتا ہے۔

جہاں تک علاج معالجہ کے لیے کسی انسانی خلیہ سے عضو بنانے کی بات ہے اس میں عقلی اور شرعی طور پر کوئی حرج نہیں۔

لیکن،

جہاں تک مکمل انسان کے بنانے کی بات ہے، یہ جزئی طور پر یعنی اکا دکا انتہائی اہم موارد میں تو کوئی حرج نہیں رکھتا۔

البتہ،

اگر یہ عام ہو جائے تو بظاہر اس سے انسانی توالد و تناسل نیز انسانی نفسیات میں بہت سے مشکلات پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اس لیے،

عمومی طور پر اس کا انجام دینا درست نہیں ہے۔آئندہ دور میں علم کی ترقی کے ساتھ اس سلسلہ میں جو مسائل پیش آئیں گے، ان کے جواب اس دور کے فقہاء کا فریضہ ہے۔

﴿۹﴾ خاندانی منصوبہ بندی:

آبادی میں بے حساب اضافہ کبھی کبھی معاشرتی مشکلات کا سبب ہو سکتا ہے۔ایسی صورت میں حکومتی ادارے، محققین اور ماہرین فن کی رائے کے مطابق لوگوں کو خاندانی منصوبہ بندی کا حکم دے سکتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں کوئی حکومت یا حکومتی ادارہ اس قسم کا حکم دے تو ملک کے باشندوں کو اس کی فرمانبرداری کرنا چاہیے۔

اگر خاص حالات میں کسی خاتون کے لیے حاملہ ہونا نقصان دہ ہو، تو حمل روکنے کی تدابیر کی جاسکتی ہیں۔

البتہ،

تدابیر ایسی ہوں جو خاتون کے لیے مزید نقصان کا باعث نہ بنیں۔

نطفہ کے انعقاد کے بعد اسقاطِ جنین کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

﴿۱۰﴾ بِہ مرگی:

آج کل کا ایک اہم سوال یہ ہے کہ: جو لوگ کوما (coma) کی حالت میں ہیں، ان کا کیا کیا جائے؟

انسان موت و حیات کی کشمکش میں ہو، سخت مشکل اور تکلیف میں ہو، ڈاکٹروں کو اس کی صحت یابی کی کوئی امید نہ ہو۔

وہ افراد جو فالج یا کسی اہم عضو میں شدید نقص کے سبب سخت تکلیف میں ہیں۔ اگر وہ، خود اس تکلیف سے نجات کی خاطر چاہیں۔

اس قسم کے دوسرے مفروضہ حالات میں، جن میں انسان کی زندگی نہ اس کیلئے نہ ہی اس کے عزیزوں کے لیے کوئی افادیت اور معانی رکھتی ہو۔

ان تمام صورتوں میں کیا ان لوگوں کو زندگی کی سختیوں سے نجات دینے کی خاطر محترمانہ طور پر طبی ذرائع سے ملک الموت کے حوالے کیا جاسکتا ہے؟

اس قسم کے تمام سوالوں کا جواب یہ ہے کہ:

انسان اپنی زندگی کے ہر مرحلہ میں کرامت انسانی کا حامل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی زندگی کو ختم کرنا کسی بھی طرح عقل و شرع کی نظر میں اس کی حرمت کو پائمال کرنے کے برابر ہے۔

اس لیے، اس طرح کے حالات میں بھی کسی کی موت کے حالات یا وسائل فراہم کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ، جب اس کی اس سخت تکلیف دہ نیز غیر مفید یابظاہر نقصان دہ زندگی کسی آلہ یا مشین کے لگانے کے بغیر ممکن نہ رہے، اس وقت اس آلہ یا مشین لگانے سے پرہیز کیا جاسکتا ہے۔

اب اگر وہ طبیعی موت مر جائے تو کوئی اس کی موت کا ذمہ دار نہیں ہو گا۔

لیکن،

کسی کی زندگی کو ختم کرنیکے سلسلہ میں کسی طرح کا اقدام کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

﴿۱۱﴾ تصویر اور مجسمہ سازی:

ہر طرح کی تصویر اور مجسمہ بنانا جائز ہے۔

خواہ یہ تصویر اور مجسمہ حیوانات کا ہو یا انسان کا۔ یادگار کے طور پر ہو یا سجاوٹ کے لیے، کھلونے کے طور پر ہو یا کسی اور جائز مقصد کے لیے۔

فقط،

پوجا پاٹھ یا بت پرستی کے لیے بت کے طور پر کسی بھی طرح کا مجسمہ بنانا حرام ہے۔ یہ مجسمہ خواہ واقعی حیوان یا انسان کا ہو یا کسی خیالی ہیولے کا ہو۔

﴿۱۲﴾ حق تصنیف و تالیف و نشر:

مصنف، محقق، موجد یا خصوصی مجلہ یا کتاب کا ناشر اپنے فنی شہ پاروں یعنی تصنیف، تالیف، ایجاد، مجلہ یا کتاب کا قانونی اور شرعی مالک ہوتا ہے۔

اس لیے،

یہ شہ پارہ کی حرمت و حفاظت کی خاطر اس کی طباعت، نشر و اشاعت اور بنانے یا بیچنے کا حق اپنے لیے محفوظ کر سکتا ہے۔

دوسروں پر اس حق کا احترام واجب ہے۔ اس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ جو بھی اس حق کے خلاف کرے وہ دوسروں کے حق کا غاصب شمار ہو گا۔

کیونکہ،

دوسروں کے حقوق پرڈاکہ ڈالنایاان کوغصب کرناشرعاًاورعقلاًجرم ہے۔اورشرعاًحرام ہے۔

﴿۱۳﴾ شعائر دینی کا قیام:

شعائر دینی یعنی عید فطر، بقر عید یعنی عید الاضحی نیز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہلبیت رسول علیہم السلام کی خوشیوں اور ولادتوں کے موقعوں پر جشن و محافل نیز ان حضرات کی شہادتوں اور غموں کے موقعوں پر مجالس عزاداری وماتم داری کابرپاکرنانیزان کورواج دینااور نشر کرنا، نہ صرف جائز بلکہ،

"شریعت کی نظر میں بہت پسندیدہ اور مستحب ہے۔"

اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ:

﴿۱﴾ یہ رسومات محترمانہ اور معقول طریقہ سے برپا کی جائیں۔

﴿۲﴾ ان میں حرام افعال سے پرہیز کیاجائے۔

﴿۳﴾ دوسروں یعنی اہل محلہ، پڑوسیوں، راستہ چلنے والوں وغیرہ کیلئے اذیت اور تکلیف کا سبب نہ ہو۔ نیز،

﴿۴﴾ اس طرز پر نہ ہوں کہ نعوذ باللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہلبیت رسول علیہم السلام، اسلام اور مکتب اہلبیت علیہم السلام کی رسوائی کا سبب بنیں۔

﴿۱۴﴾ حکومت کی مالکیت:

حکومت ہر صورت میں مالک ہوتی ہے۔ وہ اپنے قانون کے مطابق ملکی معاملات، زمینوں اور اموال وغیرہ میں جو تصرفات کرتی ہے وہ سب شرعی طور پر اس کا حق ہے۔

اس لیے ان معاملات میں حکومت کے قوانین و احکام کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ کبھی کبھی اس قسم کی خلاف ورزی گناہ، تمرد اور بغاوت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

☆شریعت کی نظر میں حکمران ادارے اپنے ملک میں قانونی تصرفات کا حق رکھتے ہیں۔

اس لیے ان سے ہر قسم کا معاملہ، خرید و فروخت، ملازمت یا تجارتی، ثقافتی، سیاسی معاہدے جائز اور مشروع ہیں۔ ان معاہدوں یا معاملات کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔

☆ہر وہ شخص جو کسی حکومت کے سایہ میں مستقل یا عارضی طور پر (سیاح، زائر یا کسی اور عنوان سے) رہ رہا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس حکومت کے نظام اور قانون کی اطاعت واحترام کرے۔

البتہ،

اگر کسی حکومت کا کوئی یا کئی قانون ایسے ہوں جن کی اطاعت یا احترام واضح طور پر احکام شرعی کی مخالفت ہو تو؛

ایسی صورت میں،

انتہائی مجبوری یا ضرورت کے بغیر اس حکومت کے زیر سایہ رہنا درست نہیں ہے۔

☆کسی بھی حکومت کے اموال کی چوری یا ان کا غیر قانونی استعمال شرعاً حرام ہے۔

اگر ایسا کیا جائے تو چور یا غیر قانونی استعمال کرنے والا ضامن بھی ہو گا۔

مختصر یہ کہ:

مسلمانوں اور مومنوں کے لیے ہر اس ملک کے قانون کا احترام اور پیروی شرعی فریضہ ہے جس میں وہ رہ رہے ہوں۔ خواہ ان کا یہ رہنا مسافر ہی کی حیثیت سے کیوں نہ ہو۔

☆یہ حکم تمام حکومتوں کے لیے ہے۔

البتہ اگر کوئی حکومت اسلامی قانون کے مطابق اور شرعی اصول وضوابط پر قائم ہو تو اس کے احکام و قوانین کی پیروی زیادہ اہمیت اور ثواب

نیز،

اس کی مخالفت زیادہ گناہ اور عذاب کا باعث ہو گی۔

﴿۱۵﴾ نئی سڑکوں کا حکم:

نئی سڑکیں اور آبادیاں عام لوگوں کی فلاح و بہبود نیز سہولتوں کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ ان سے استفادہ، رفت و آمد نیز رہن سہن جائز ہے۔

عمومی فلاح و بہبود اور ترقی کے راستہ میں بہت سی زمینیں اور گھر وغیرہ آجاتے ہیں۔ حکومتی ادارے انہیں ملکی قوانین کے مطابق لوگوں سے لے کر مسمار کر دیتے ہیں۔ ان زمینوں اور گھروں کا شہروں کی توسیع اور راستوں کی کشادگی وغیرہ جیسے کاموں میں استعمال مباح ہے۔ حکومت کے لیے ان زمینوں پر متعارف تصرف مباح ہے۔ لوگوں کے لیے ان نئے وسائل اور راستوں سے استفادہ جائز ہے۔

ان راستوں اور ترقیوں میں کبھی کبھی مسجدیں، عبادت گاہیں، مدرسے، امام بار گاہیں اور اوقاف بھی آجاتے ہیں۔ یہ بھی عمومی فلاح و بہبود اور ترقی کے راستہ میں آتے ہیں۔ حکومتیں ان کو قانون کے مطابق استعمال کرتی ہیں۔ یہ سب تصرفات مباح ہیں۔ ان پر اس قسم کا تصرف جائز ہے۔

کیونکہ،

زمین، عمارت، آبادی یا زراعت یعنی اپنے استفادہ کے باعث وقف کے قابل ہوتی ہے۔ مسجد و مدرسہ کے لیے ہو یا کسی اور کام کے لیے۔ ملکیتِ خاص بھی زمین کے قابلِ استفادہ ہونے تک ہی مشروعیت رکھتی ہے۔

عدم توجہ، طولانی مدت گذر جانے، سیلاب، زلزلہ یا قانونی طور پر مسمار یا استعمال ہونے کے سبب اگر قابلِ استفادہ نہ رہے، تو زمین خود بخود وقفیت یا ملکیتِ خاص سے خارج ہو کر اپنی بنیادی اباحت پر پلٹ آتی ہے۔ اب اس کا کسی بھی رفاہی کام کے لیے استعمال مباح ہو جاتا ہے۔

﴿۱۶﴾ سفر کے دوران سواری میں نماز کا حکم:

ہوائی جہاز میں بیٹھے بیٹھے اس رخ پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، جس رخ پر جہاز پرواز کر رہا ہو۔ یہ نماز کافی ہے۔

اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں موجود ہیں۔ خود ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے اپنی کتاب الکافی میں ان روایتوں پر مشتمل ایک مکمل باب قائم کیا ہے۔ اس باب کا نام " باب الصلوۃ فی السفینہ " ہے۔ اس باب میں اس موضوع سے متعلق ۵ روایتیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے:

عَلِيٌّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع فِي الرَّجُلِ يَكُونُ فِي السَّفِينَةِ فَلَا يَدْرِي أَيْنَ الْقِبْلَةُ قَالَ يَتَحَرَّى فَإِنْ لَمْ يَدْرِ صَلَّى نَحْوَ رَأْسِهَا [۱]

امام جعفر صادقؑ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کشتی یا بحری جہاز میں سفر کر رہا ہو اسے قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو۔

امامؑ نے فرمایا:

قبلہ معلوم کرنے کی کوشش کرے اگر معلوم نہ ہو سکے تو جہاز کے منہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔

بسوں، ریل گاڑیوں، کار یا دوسرے سفری وسائل جیسے خلائی شٹل وغیرہ میں بھی نماز کا حکم یہی ہے۔ اگر راستہ میں نماز کا وقت آجائے اور سواری کے رکنے کا امکان نہ ہو تو نہ صرف قبلہ رخ ہونا ضروی نہیں ہے بلکہ اگر وضو ممکن نہ ہو تو تیمم کے ساتھ بیٹھے بیٹھے یا اگر ممکن ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں سواری کے ڈیش بورڈ، کرسی، سیٹ یا اپنے لباس پر ہاتھ رکھ یا مار کر تیمم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد نماز پڑھی جائے۔ قیام و قعود و رکوع و سجود میں سے جو عمل ممکن نہ ہو اسے نیت و اشارہ سے بجالائے۔ یہ نماز اگر وقت پر ادا کی جائے تو کافی ہے واجب ادا ہو جائے گا۔ اس نماز کو بعد میں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿۱۷﴾ غیر مسلمان ملکوں کی غذائیں:

غیر مسلمان ملکوں یا علاقوں میں موجود یا وہاں بننے والی کھانے پینے کی ان تمام چیزوں کا استعمال شرعاً جائز ہے جو اِ گوشت سے نہ بنی ہوں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان میں روٹی، ڈبل روٹی وغیرہ، مشروبات، دودھ سے بنی ہوئی چیزیں شامل ہیں۔

۱۔ کلینی: الکافی: الفروع: کتاب الصلوۃ: باب الصلوۃ فی السفینۃ: ج: ۳: ص: ۲۲۹: ح: ۱۷۴۰: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

ان کو بازار سے خرید کر یا وہاں کے ہوٹل یا ریسٹورنٹ وغیرہ میں بیٹھ کر کھایا جا سکتا ہے۔

خواہ، یہ معلوم ہی کیوں نہ ہو کہ ان میں سے بعض میں کچھ حرام چیزیں بھی شامل ہیں۔

البتہ،

اگر یہ یقین ہو کہ خاص طور پر کسی خاص کھانے یا پینے کی چیز میں معین حرام چیز ملی ہوئی ہے۔

ایسی صورت میں فقط اس کھانے یا پینے کی چیز سے پرہیز ضروری ہے۔ [۱]

کھانے پینے کی اشیاء
اور دواؤں کے سلسلہ میں
بعض شبہات کا ازالہ :

حدیث میں آیا ہے :

۱۔اس حکم کی بنیاد ان احادیثِ شریفہ پر ہے:

(الف) شیخ صدوقؒ نے من لا یحضرہ الفقیہ، طبع الامیرۃ بیروت، کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۱۱۰ پر "ابواب الصلوٰۃ و حدودھا" کے باب نمبر ۴۸ میں جو "باب: وصف الصلاۃ من فاتحتھا" میں حدیث نمبر ۹۳۷ کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

عن الصادق علیہ السلام انہ قال:

"كُلُّ شَيْءٍ مُطْلَقٌ حَتَّى يَرِدَ فِيهِ نَهْيٌ"

ہر چیز اس وقت تک حلال و مباح و جائز ہے جب تک اس کے بارے ہیں نہی یعنی ممانعت و حرمت کا حکم نہ ملے۔

(ب) اسی طرح شیخ الطائفہ شیخ طوسیؒ نے "الامالی" طبع دارالثقافۃ، قم سنہ ۱۴۱۴ھ میں مجلس نمبر ۳۶ "مجلس یوم الجمعۃ سلخ رجب۔ عظم اللہ برکتہ۔ سنۃ سبع و خمسین و اربع مایۃ فی بقیہ احادیث الحسین بن ابراھیم القزوینی" کے ذیل میں حدیث نمبر ۱۲/۱۴۰۵ میں یوں نقل فرمایا ہے:

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال:

الأَشْيَاءُ مُطْلَقَةٌ مَالَمْ يَرِدْ عليك اَمْرٌ وَنَهْيٌ۔ وكُلُّ شَيْءٍ فِيهِ حَلَالٌ وحَرَام۔ فَهُوَ لَكَ حَلَالٌ اَبَدًا۔ مَالَمْ تَعْرِفُ الحَرَامَ مِنْهُ فَتَدَعُهُ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جب تک کسی چیز یا کام کے بارے میں تم تک اللہ عزوجل کی طرف سے بجالانے یا نہ کرنے کا حکم نہ آئے اس وقت تک وہ چیز یا کام تمہارے لیے مباح اور جائز ہے۔

نیز،

ہر وہ چیز جس میں حلال و حرام مخلوط ہے وہ بھی تمہارے لیے حلال ہے۔

البتہ،

جیسے ہی تمہیں اس میں سے حرام کا علم ہو جائے اس حرام کو فوراً چھوڑ دو۔

أَبُو عَلِيٍّ الْأَشْعَرِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ سَعِيدٍ الْأَعْرَجِ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام عَنْ قِدْرٍ فِيهَا جَزُورٌ وَقَعَ فِيهَا مِقْدَارُ أُوقِيَّةٍ مِنْ دَمٍ أَيُؤْكَلُ فَقَالَ عليه السلام نَعَمْ! لِأَنَّ النَّارَ تَأْكُلُ الدَّمَ [۱]

سعید الاعرج کہتے ہیں، میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسی پتیلی کے بارے میں پوچھا جس میں سری پائے پک رہے ہوں۔ اس میں اوقیہ [۲] کے برابر خون گر جائے گیا۔ اسے کھایا جا سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں! (کھانا حلال و جائز و مباح ہے) کیونکہ آگ خون کو کھا جاتی ہے۔ (جب سالن پک رہا ہوتا ہے تو وہ خود اور اس میں موجود مایعات کا اکثر حصہ جل جاتا ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ایسی ہیں جو پکانے کے دوران جل کر اپنی ماہیت تبدیل کر دیں ان کو پکانے کے بعد کھایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ شراب کے لیے بھی حکم ہے کہ اگر شراب کو اتنا پکایا جائے کہ وہ سرکہ بن جائے یا اس میں کھٹاس آ جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الزباتح: بَابُ الدم یقع فی القدر: ج:۱: ص:۳۱۶ : ح: ۸۵۸۲ : ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ اوقیہ کے وزن میں اختلاف ہے جو 30/ گرام سے شروع ہو کر 200/ اور بعض مقامات پر 300/ گرام کے برابر مانا جاتا ہے۔

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ بُكَيْرٍ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام عَنِ الْخَمْرِ يُصْنَعُ فِيهَا الشَّيْءُ حَتَّى تُحَمَّضَ؟ قَالَ عليه السلام :

إِذَا كَانَ الَّذِي صُنِعَ فِيهَا هُوَ الْغَالِبُ عَلَى مَا صُنِعَ فِيهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ [۱]

ابی بصیر کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس خمر (شراب) کے بارے میں پوچھ جس میں کوئی چیز اس طرح پکائی یا بنائی جائے کہ وہ (شراب) کھٹی ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اگر شراب میں پکائی یا بنائی جانے والی چیز شراب پر غالب ہو یعنی اس کی مقدار شراب سے زیادہ ہو (اور اس میں کھٹاس آجائے) تو اس کے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بلکہ شراب کا عمومی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شراب کو خرید کر اس کو کسی طریقہ سے سرکہ میں تبدیل کر لے تو وہ اس کے لیے حلال اور جائز و مباح ہے۔

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ جَمِيلِ بْنِ دَرَّاجٍ وَ ابْنِ بُكَيْرٍ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الْخَمْرِ الْعَتِيقَةِ تُجْعَلُ خَلًّا قَالَ عليه السلام :

لَا بَأْسَ [۲]

۱۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الاشربۃ: بابُ الخمر تجعل خلًا: ج: ۶: ص: ۲۴۳ : ح: ۹۵۳۵ : ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۲۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الاشربۃ: بابُ الخمر تجعل خلًا: ج: ۶: ص: ۲۴۳ : ح: ۹۵۳۶ : ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

عبید بن زرارہ نے امام علیہ السلام سے پرانی شراب کے بارے میں پوچھا جسے سرکہ بنالیا جائے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

کوئی حرج نہیں۔

عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ بُكَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ زُرَارَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام عَنِ الرَّجُلِ يَأْخُذُ الْخَمْرَ فَيَجْعَلُهَا خَلًّا

قَالَ: عليه السلام

لَا بَأْسَ [1]

عبید اللہ بن زرارہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو شراب خریدلے اور اس کا سرکہ بنالے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

کوئی حرج نہیں۔

ان روایتوں سے یہ کلی قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی صورت سے کسی حرام چیز کی ماہیت بدل جائے جیسے شراب سرکہ یا مردار یا سور مختلف کیمیائی تبدیلیوں کے ذریعہ مثلاً جیلیٹن وغیرہ بن جائے تو اس کے استعمال اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نیز حرام اشیاء کو حلال فائدہ کے لیے خریدا اور بیچا جاسکتا ہے۔

۱۔ کلینی: الکافی: الاصول: کتاب الاشربۃ: بَابُ الخمر تجعل خلًا: ج:٦: ص: ۲۴۳: ح: ۹۵۳۷: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

اس لیے اگر بعض کھانے پینے کی چیزوں یا دواؤں میں کوئی ایسی چیز ہے جو حرام ہے مگر وہ اس چیز یا دوا کو بنانے کے دوران ایسے کیمیائی عمل سے گذری ہو جس سے اس کی ماہیت بدل گئی ہو تو اس کا کھانا پینا حلال و مباح ہوگا۔

آج کل ان معاملات کے سلسلہ میں مستند معلومات کا حاصل کرنا بہت آسان ہو چکا ہے۔ اس لیے مومنین کو شک و شبہ میں مبتلا ہونے کے بجائے براہ راست مختلف فہرستوں اور مجمل باتوں کے ذریعہ مومنین کو پریشانی اور عسر و حرج میں مبتلا کرنا پسندیدہ بات نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ ما يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَ لٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔

﴿المائدہ: ۵: ۶﴾

اللہ عزوجل نے ہرگز تمہارے لیے دین میں حرج یعنی مشقت آور اور ناقابل برداشت و ناقابل عمل احکام اور چیزیں نہیں بنائی ہیں۔ بلکہ اس کا ارادہ تو یہ ہے کہ وہ تم کو پاک و پاکیزہ رکھے اور تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل فرمائے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرتے رہو۔

﴿۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

﴿آل عمران : ۳ : ۹۳﴾

توریت کے آنے سے پہلے بنی اسرائیل کے لیے تمام کھانے حلال تھے۔ البتہ انہوں نے بہت سی چیزیں خود اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں۔

ان سے فرمائیں کہ اگر تم سچے ہو تو توریت لے آؤ!

﴿۲﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا

﴿نساء : ۴ : ۱۶۰﴾

یہودیوں نے اپنے اوپر خود ہی مظالم ڈھائے اور جو انہوں نے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے میں بہت زیادہ کوشش کی اس لیے ہم ان پر وہ پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دیں (یعنی ہم نے ان سے نعمتوں کو چھین لیا) جو ہم نے ان پر حلال کی ہوئی تھیں (جو ہم نے ان کو عطا کی ہوئی تھیں)

﴿۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

﴿مائدہ : ۵ : ۸۷﴾

اے مومنو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم پر حلال کی ہیں وہ اپنے اوپر اور دوسروں پر حرام نہ کرو۔ اور (دین یا دینداری میں) حد سے آگے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اس لیے جو مومنین بظاہر دین پر عمل کی خاطر بہت سے ایسے معلومات جو مستند نہیں ہوتے بغیر تحقیق کے یا اپنی تحقیق پر اطمینان کر کے فہرست کی صورت میں مختلف ذریعوں سے مومنین کو ارسال کر

کے بہت سی چیزوں کے استعمال کے بارے میں مومنین کو شک اور مشکلوں میں ڈالتے ہیں ان کو اس بات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اسی طرح جن مومنین تک اس طرح کی فہرستیں پہنچتی ہیں۔ان کا بھی فریضہ یہ ہے کہ وہ ان کو نظر انداز کریں۔اول تو ان پر تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی کو تحقیق کرنا ہے تو مستند ذرائع سے تحقیق کرکے اس کے مطابق عمل کرے۔ لیکن ضروری نہیں ہے کہ اپنی تحقیق سے دوسروں کو مطلع کرے یا دوسروں سے اس تحقیق کے مطابق عمل کرنے پر اصرار کرے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ہمارا کام لوگوں تک اللہ جل جلالہ کا حکم پہنچانا ہے۔

لیکن یہ کہ حکم اس چیز پر یا ان حالات میں لاگو ہوتا ہے یا نہیں اس بات کی تشخیص ہر مکلّف کا اپنا فریضہ ہے۔ ہر چیز میں بہت زیادہ کرید کا حکم بھی نہیں ہے۔ نہ ہی کسی کو اپنی تشخیص کا دوسروں تک پہنچانا ضروری ہے بلکہ بعض حالات میں ایسا کرنا حرام ہے۔ یہاں تک کہ مجتہد یا مرجع کو بھی مقلد کے لیے مصداق کی تشخیص کا حق نہیں ہے۔ مجتہد کا کام فقط اتنا ہے کہ وہ یہ بتائے کہ کس قسم یا کس طرح کی چیز کب اور کن حالات میں جائز یا حرام ہے؟

یہ کہ یہ چیز وہی ہے جو حرام یا جائز ہے یا یہ حالات وہی ہیں جن میں یہ چیز حرام یا جائز ہے اسے مصداق کی تصدیق کہتے ہیں۔ یہ مجتہد کا فریضہ نہیں ہے۔ یہ ہر مکلّف کا اپنا فریضہ ہے کہ وہ اپنے علم و معلومات اور یقین کے مطابق اس مصداق کو سمجھے اور اس کے مطابق عمل کرے۔

﴿۱۸﴾ کُرۂ زمین کے غیر معمولی روشنی اور تاریکی والے مقامات پر نماز و روزہ کے احکام:

کُرۂ زمین کے جن مقامات پر سورج معمول سے زیادہ یا معمول سے کم نظر آتا ہے، جیسے وہ مقامات جہاں سورج کی روشنی ۱۹ ؍گھنٹوں سے زیادہ یا ۵ ؍گھنٹوں سے کم یا مسلسل تین مہینے یا مسلسل چھ مہینے تک نظر آتی ہے وہاں نماز و روزہ کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں متعدد فقہاء نے مختلف جواب دیئے ہیں۔

سب سے پہلے آیت اللہ سید محمد کاظم بن عبد العظیم یزدی طباطبائی نے (۱۲۴۷-۱۳۳۷ھ) نے "عروۃالوثقیٰ"میں "کتاب الصوم کی فصل فی طرق ثبوت ہلال رمضان وشوال" کے مسئلہ ۱۰ کے ذیل میں لکھا ہے:

إذا فرض كون المكلف فى المكان الذى نهاره ستة أشهر و ليلة ستة أشهر أو نهاره ثلاثة و ليلة ستة أو نحو ذلك فلا يبعد كون المدار فى صومه و صلاته على البلدان المتعارفة المتوسطة مخيرا بين أفراد المتوسط و أما احتمال سقوط تكليفهما عنه فبعيد كاحتمال سقوط الصوم و كون الواجب صلاة يوم واحد و ليلة واحدة و يحتمل كون المدار بلده الذى كان متوطنا فيه سابقا إن كان له بلد سابق۔[۱]

ترجمہ:

اگر فرض کیا جائے کے کوئی مکّلف کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں دن چھ مہینے اور رات چھ مہینوں پر مشتمل ہو یا دن تین مہینوں یا رات چھ مہینوں پر مشتمل ہو یا اِس جیسی کوئی اور صورت ہو، تو بعید نہیں ہے کہ اس کے لئے نماز و روزہ کے اوقات کا دارومدار ایسے شہروں کے مطابق ہو جہاں دن ، رات متوسط اور معمولی ہوتے ہیں۔ ان متوسط شب و روز کے شہروں میں سے کسی ایک کے انتخاب میں مکلف کو اختیار حاصل ہے۔

ایسی صورت میں یہ احتمال کہ دونوں تکلیفیں (یعنی نماز و روزہ) ساقط ہو جائیں یا روزہ ساقط ہو جائے لیکن پورے وقت دن کے دورانیہ میں ایک ہی رات دن کی نماز واجب ہو بعید (از عقل و شرع) ہے۔

۱۔ یزدی، سید محمد کاظم طباطبائی، العروۃ الوثقی (للسید الیزدی)، ۲ جلد، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت - لبنان،ط: دوم، ۱۴۰۹ ھ ق

البتہ،

یہ ممکن ہے کہ اگر وہ کسی دوسری جگہ سے اس جگہ پر آیاہو، اور، وہ، جگہ اُس کا وطن یا اس کا عارضی مسکن رہا ہو تو وہ اپنے شب و روز کے تعین کے لئے اپنے وطن یا اپنے عارضی مسکن والے شہر کو معیار و مدار قرار دے۔

آیت اللہ سید عبدالاعلیٰ سبزواری قدس سرہ الشریف (۱۸رذی لحجہ ۱۳۲۸ھ -۲۷ر صفر ۱۴۱۴ھ) نے "مہذب الاحکام فی بیان الحلال والحرام" کے نام سے "عروۃ الوثقیٰ" کی جو شرح تحریر فرمائی ہے اس میں اس مسئلہ کے ذیل میں بہت لطیف اور منطقی گفتگو فرمائی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

و يحتمل إجراء حكم الأقرب بالنسبة إليه، كما يحتمل إيكال الأمر إلى نظر الفقيه المأنوس بمذاق الفقاهة و خصوصيات الشرع، و يشهد لعدم سقوط التكليف ما رواه الترمذي بسند صحيح عندهم في باب ما جاء في فتنة الدجال: قلنا يا رسول اللهﷺ ما لبثه في الأرض قال: أربعين يوما كشهر، و يوم كجمعة و سائر أيامه كأيامكم، قال: قلنا: يا رسول اللهﷺ أرأيت اليوم الذي كالسنة أ تكفينا فيه صلاة يوم؟ قال ﷺ: لا و لكن اقدروا له. [۱]

ترجمہ:

اس بات کا احتمال دیا جاسکتا ہے کہ ایسی صورت (طولانی شب و روز) میں نماز و روزہ کو قریب کے معتدل روز و شب والے شہر پر موکول کیا جائے۔

۱۔ سبزواری، سید عبد الاعلی، مہذّب الاحکام (للسبزواری)، ۳۰ جلد، مؤسسہ المنار - دفتر حضرت آیۃ اللہ، قم - ایران، ط: چہارم، ۱۴۱۳ ھ ق

اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس معاملہ کو کسی ایسے فقیہ اور مجتہد پر چھوڑا جائے جو فقاہت واجتہاد کے مزاج اور شریعت کی خصوصیات پر مسلط اوران سے مانوس ہو۔

بہرحال،

ایسی صورت میں تکلیف ساقط نہیں ہوتی۔اس بات پر ترمذی کی وہ روایت شاہد ہے جسے ترمذی نے اپنے معیار کے مطابق صحیح سند کے ذریعہ "باب ماجاء فی فتنۃ الدجال" کے ذیل میں نقل کیاہے اس روایت میں آیاہے:

"ہم نے عرض کی،

یارسول اللہ ﷺ!

وہ زمین پر کتنے عرصہ رہے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا؛

چالیس یوم،

ان میں سے بعض ایّام ایک سال کے برابر ہوگے،

بعض یوم ایک مہینے کے برابر ہوں گے،

بعض یوم ایک ہفتے کے برابر ہوں گے،

اور باقی ایّام تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

راوی کہتاہے،ہم نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ !

آپ ﷺ کیافرماتے ہیں!

جو ایام ایک سال کے برابر ہو گے ان میں ہمارے لیے ایک دن کی نمازیں کافی(واجب)ہوں گی؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نہیں!

تم لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اس (سال بھر، ایک مہینے یا ایک ہفتے کے برابر والے دن) کے لیے اوقات (نماز وروزہ) معین کرو۔"

اس روایت کو مسلم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ یہ روایت ہمارے لیے تفقہ اور فہم و اجتہاد کے دروازے کھول دیتی ہے۔[۱]

اگر یہ روایت نہ بھی ہوتی تب بھی عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ مکلف فقط کُرۂ زمین پر ہی نہیں بلکہ اگر کُرۂ زمین سے باہر بھی چلا جائے تو اس پر سے شرعی تکالیف ساقط نہیں ہو سکتی ہیں۔

اب یہ وقت کے فقہاء کا کام ہے کہ مسائل و معاملات پر غور کریں اور ان مختلف حالات میں تکلیف شرعی کی ادائیگی کے لیے دستور العمل معین فرمائیں۔

یہاں ایک اور بات بھی ضروری ہے کہ ایسے حالات میں تکالیف شرعی کی ادائیگی کے لیے اوقات کے تعین کا معاملہ مکلف پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ورنہ حرج مرج لازم آئے گا۔

اس لیے ایسے معاملات میں فقیہ کی ذمہ داری ہے کہ مختلف معاملات و حالات کے لیے ایک مناسب اور ہم آہنگ دستور العمل معین کر کے دے، تاکہ ایک معاشرہ ملک یا علاقے کے لوگ مل جل کر اجتماعی نظم الاوقات میں تکالیف شرعی ادا کر سکیں۔

اس لیے حقیر نے اس موضوع پر غور کرنا شروع کیا۔ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اکثر مراجع کے فتاویٰ اور استدلال کا مطالعہ کیا۔

۱۔ (۱. مسلم: صحیح: ج: ۳: کتاب: ۵۲: کتاب الفتن واشتراط الساعۃ: باب: ۲۰ باب ذکرالدجال و صفتہ و مامعہ: ح: ۱۱۰(۲۱۳۷)، ۱۱۱(۲۱۳۸) موسوعۃ السنۃ، الکتب الستتہ و شروحھا: ج٦ (مسلم: ج: ۳: ص: ۲۲۵۵۔۲۲۵۰) ط: دوم: شعبان قورت: استنبول: ۱۹۹۲ء / ۱۴۱۳ھ

۲. ترمذی: الفتن: ج: ۴: کتاب: ۳۱: کتاب الفتن: باب: ۵۹: باب ماجاء فی فتنۃ الدجال: ح: ۲۲۴۰: موسوعۃ السنۃ: الکتب الستۃ و شروحھا: ج: ۱۴ (ترمذی ج: ۴: ص: ۵۱۳۔۵۱۰) ط: دوم: شعبان قورت: استنبول: ۱۹۹۲ء/۱۴۱۳ھ)

اس دوران اس مفروضہ کی واقعیت تک پہنچنے کے لیے مختلف ایسے افراد سے گفتگو کی جو انتہائی شمالی علاقوں میں مقیم ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے بارے میں جدید سائنسدانوں کے مقالات کا مطالعہ کیا۔ ماہرین فلکیات کی مختلف ویب سائٹس کے ذریعہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کہ زمین پر وہ کونسے ایسے نقطے ہیں جہاں مکمل طور پر چھ مہینے تک سورج مسلسل نظر آتا رہتا ہو اور مکمل طور پر چھ مہینے تک مسلسل تاریکی رہتی ہو اور سورج نظر نہ آتا ہو؟

ان مطالعات کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ ابھی تک زمین پر کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جہاں مستقل چھ مہینے سورج نہ نظر آتا ہو اور مستقل چھ مہینے مہینوں تک سورج نظر آتا رہتا ہو۔

یعنی،

جو کچھ اب تک سنا اور سوچا یا سمجھا جا تا رہا ہے وہ اس طرح نہیں ہے۔

بلکہ واقعی صورتِ یہ ہے کہ:

زمین پر قطب شمالی اور قطب جنوبی کے علاقوں میں بعض نقاط ایسے ہیں جن میں:

ایک طولانی عرصہ تک مثلاً ۵ ۔ مہینے کچھ دن یا ۳ ۔ مہینے کچھ دن سورج نظر نہیں آتا، پھر چند دنوں مثلاً ۴ ۔ دن ۲۴۔ دن یا کچھ مزید دنوں تک سورج ابھرتا اور ڈوبتا ہے۔ یعنی واضح دن رات ہوتے ہے اس کے بعد پھر ایک طولانی عرصہ تک مثلاً ۵ ۔ مہینے کچھ دن یا ۳ ۔ مہینے کچھ دن مسلسل سورج آسمان پر نکلا رہتا ہے۔ پھر چند دن مثلاً ۴ ۔ دن، ۲۴ ۔ دن یا کچھ مزید دن ایسے آتے ہے جن میں سورج ابھرتا اور ڈوبتا ہے یعنی واضح دن رات ہوتے ہیں۔

اس قسم کی علاقوں کی مثالیں یہ ہے:

۱- North Arcitic Ocean

98.00' N 000.53' w

یہاں ۱۶۹۔ دن یعنی تقریباً ۵ ۔ مہینے ۱۹ ۔ دن ۲۸۔ ستمبر سے ۱۵۔ مارچ تک مسلسل اندھیرا رہتا ہے سورج نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد،

۴ ۔ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروبِ آفتاب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۱۶ ۔ مارچ سے ۱۹۔ مارچ تک ہوتے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۶۔ مارچ:	طلوعِ آفتاب:	۰ ۳۵:۹	غروبِ آفتاب:	۱۵: ۲۱
	دن کا دورانیہ:	۵ ۔ گھنٹے	۴۶۔ منٹ	
۱۷۔ مارچ:	طلوعِ آفتاب:	۰ ۴۹:۷	غروبِ آفتاب:	۱۷: ۱۳
	دن کا دورانیہ:	۹ ۰۔ گھنٹے	۴۹۔ منٹ	
۱۸۔ مارچ:	طلوعِ آفتاب:	۰ ۲۱:۶	غروبِ آفتاب:	۱۸: ۵۰
	دن کا دورانیہ:	۱۲۔ گھنٹے	۲۹ ۔ منٹ	
۱۹۔ مارچ:	طلوعِ آفتاب:	۰ ۵۴:۴	غروبِ آفتاب:	۳۵:۲۰
	دن کا دورانیہ:	۱۵۔ گھنٹے	۱۹۔ منٹ	

اس کے بعد ۱۸۵۔ دن یعنی تقریباً ۶ ۔ مہینے ۵ ۔ دن، ۲۰ ۔ مارچ سے ۲۲ ۔ ستمبر تک سورج مسلسل آسمان پر چمکتا اور نظر آتا ہے۔

اس کے بعد:

۵ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب آفتاب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۲۳۔ ستمبر سے ۲۷۔ ستمبر تک ہوتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۲۳ ۔ ستمبر:	طلوعِ آفتاب:	۰ ۵۱:۲	غروبِ آفتاب:	۴۲:۱۹
	دن کا دورانیہ:	۱۶۔ گھنٹے	۹ ۔ منٹ	
۲۴ ۔ ستمبر:	طلوعِ آفتاب:	۰ ۴۴:۴	غروبِ آفتاب:	۱۵:۱۸
	دن کا دورانیہ:	۱۳۔ گھنٹے	۳۱ ۔ منٹ	

۲۵۔ستمبر:	طلوعِ آفتاب:	۶:۲۰:۰	غروبِ آفتاب:	۱۶:۵۰
	دن کا دورانیہ:	۱۰۔گھنٹے	۲۰۔منٹ	
۲۶۔ستمبر:	طلوعِ آفتاب:	۸:۰۱:۰	غروبِ آفتاب:	۱۵:۱۵
	دن کا دورانیہ:	۷۔گھنٹے	۱۴۔منٹ	
۲۷۔ستمبر:	طلوعِ آفتاب:	۱۰:۴۷	غروبِ آفتاب:	۱۲:۳۲
	دن کا دورانیہ:	۱۔گھنٹے	۴۵۔منٹ	

اس علاقہ میں:

☆سب سے بڑا دن	۱۶۔گھنٹے	۹۔منٹ	مورخہ ۲۳۔ستمبر
☆سب سے چھوٹا دن	۱۔گھنٹے	۴۵۔منٹ	مورخہ ۲۷۔ستمبر
☆متوسط دن	۱۲۔گھنٹے	۲۹۔منٹ	مورخہ ۱۸۔مارچ

۲- South, Antractica

29' N 014.59' E°78

یہاں ۱۰۳۔ دن یعنی تقریباً ۳۔ مہینے ۲۱۔ دن ۲۶۔ اکتوبر سے ۱۵۔ فروری تک مسلسل اندھیرا رہتا ہے۔ سورج نظر نہیں آتا پھر سورج ۱۶۔ فروری کو صبح ۷:۰۳:۳۷۔ پر طلوع ہوتا ہے۔

اس کے بعد،

۶۰۔ دن یعنی تقریباً ۲۔ مہینے ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۱۶۔ فروری سے ۱۵۔ اپریل تک ہوتے ہیں۔

اس کے بعد:

۱۲۹۔ دن یعنی تقریباً ۴۔ مہینے ۷۔ دن، ۱۶۔ اپریل سے ۲۵۔ اگست تک سورج مسلسل آسمان پر چمکتا اور نظر آتا رہتا ہے۔ پھر ۲۵۔ اگست کو ۱۵:۲۰ پر ڈوب جاتا ہے۔

اس کے بعد:

۶۱ ۔ دن ایسے ہوتے جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۲۶ ۔ اگست سے ۲۵ ۔ اکتوبر تک ہوتے ہیں۔

اس علاقہ میں:

☆سب سے بڑا دن:	۲۱ ۔ گھنٹے	۵۸ ۔ منٹ	مورخہ ۱۶ ۔ اپریل
☆سب سے چھوٹا دن:	۱ ۔ گھنٹہ	۴ ۔ منٹ	مورخہ ۲۵ ۔ اکتوبر
☆متوسط دن:	۱۲ ۔ گھنٹے	۲ ۔ منٹ	مورخہ ۱۸ ۔ مارچ

۳۔ South, Antractica

85° 179 12' S ° 28 W

یہاں ۱۵۹ ۔ دن یعنی تقریباً ۵ ۔ مہینے ۹ ۔ دن ۲ ۔ اکتوبر سے ۹ ۔ مارچ تک سورج مسلسل آسمان پر چمکتا اور نظر آتا رہتا ہے۔

اس کے بعد:

۲۴ ۔ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے یہ دن ۱۰ ۔ مارچ سے ۲ ۔ اپریل تک ہوتے ہیں۔

اس کے بعد:

۱۵۸ ۔ دن یعنی تقریباً ۵ ۔ مہینے ۴ ۔ دن، ۳ ۔ اپریل سے ۷ ۔ ستمبر تک مسلسل اندھیرا رہتا ہے سورج نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد:

۲۴ ۔ دن ایسے ہوتے ہے جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔

اس علاقہ میں:

☆سب سے بڑا دن	۲۱ ۔ گھنٹے	۵۱ ۔ منٹ	مورخہ: پہلی اکتوبر
☆سب سے چھوٹا دن:	۲ ۔ گھنٹے	۴۳ ۔ منٹ	مورخہ: ۸ ۔ دسمبر

☆متوسط دن: ۱۲ ۔ گھنٹے ۶ ۔ منٹ مورخہ: ۲۳ ۔ مارچ

۴- South End

85.04 S 000.26' W

یہاں ۱۵۸ ۔ دن یعنی تقریباً ۵ مہینے ۸ ۔ دن ۲ ۔ اکتوبر سے ۱۰ ۔ مارچ تک سورج مسلسل آسمان پر چمکتا ہے اور نظر آتا ہے۔

اس کے بعد:

۲۴ ۔ دن ایسے ہوتے ہے۔ جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۱۱ ۔ مارچ سے ۳ ۔ اپریل تک ہوتے ہیں۔

اس کے بعد:

۱۵۷ ۔ دن یعنی تقریباً ۵ ۔ مہینے ۷ ۔ دن ۱۴ ۔ اپریل سے ۷ ۔ ستمبر تک مسلسل اندھیرا رہتا ہے اور سورج نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد:

۲۵ ۔ دن ایسے ہوتے ہے جن میں طلوع غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۸ ۔ دسمبر سے ۲ ۔ اکتوبر تک ہوتے ہیں۔

اس علاقہ میں:

☆سب سے بڑا دن: ۲۱ ۔ گھنٹے ۱۰ ۔ منٹ مورخہ: ۲ ۔ اکتوبر

☆سب سے چھوٹا دن: ۲ ۔ گھنٹے ۲۶ ۔ منٹ مورخہ: ۸ ۔ ستمبر

☆متوسط دن: ۱۲ ۔ گھنٹے ۲ ۔ منٹ مورخہ: ۲۲ ۔ مارچ

۵۔ RUSSIA, Saskylakh Cacklnay

72.1'N 114.15'E

یہاں ۸۸ دن یعنی تقریبا دو مہینے ۲۸ / دن، ۹ / مئی سے اگست تک سورج مسلسل آسمان پر چمکتا اور نظر آتا ہے۔

اس کے بعد:

۷۳ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن اگست سے ۱۶ نومبر تک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ۷۲ دن یعنی تقریباً دو مہینے ۱۲ / دن، ۱۷ نومبر سے ۲۵ / جنوری تک مسلسل اندھیرا رہتا ہے اور سورج نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد،

پھر ۲۷ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۲۶ جنوری سے ۸ مئی تک ہوتے ہیں۔

اس علاقہ میں:

☆سب سے بڑا دن	۲۳/ گھنٹے	۴/ منٹ	مورخہ ۸/ مئی
☆سب سے چھوٹا دن	۱/ گھنٹے	۶/ منٹ	مورخہ ۱۶/ نومبر
☆متوسط دن	۱۲/ گھنٹے	۴/ منٹ	مورخہ ۱۹/ مارچ

کا ہوتا ہے۔

۶۔ Sweden,Kiruna

67.50'N 020.19'E

یہاں ۵۲/ دن یعنی تقریباً ایک مہینہ ۲۱ دن، ۲۸/ مئی سے ۱۷ جولائی تک سورج مسلسل آسمان پر چمکتا اور نظر آتا ہے۔

اس کے بعد ۱۴۶/ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۱۸/ جولائی سے ۱۰/ دسمبر تک ہوتے ہیں۔

اس کے بعد،

۲۲/دن یعنی ۱۱/دسمبر سے پہلی جنوری تک مسلسل اندھیرا رہتا ہے اور سورج نظر نہیں آتا۔
اس کے بعد،
پھر ۱۶۴دن یعنی ۷/مہینے چار دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۲/جنوری سے ۲۶/مئی تک ہوتے ہیں۔
اس علاقہ میں :

☆سب سے بڑا دن	۲۳/گھنٹے	۴/منٹ	مورخہ ۲۶/مئی
☆سب سے چھوٹا دن		۱۶/منٹ	مورخہ ۲/جنوری
☆متوسط دن	۱۱/گھنٹے	۵۸/منٹ	مورخہ ۱۸/مارچ

کا ہوتا ہے۔

۷۔Finland,Inari

68.55'N　026.56'E

یہاں ۶۱/دن تقریباً دو مہینے، ۲۲/اپریل سے ۲۲/جولائی تک سورج مسلسل آسمان پر چمکتا اور نظر آتا ہے۔
اس کے بعد ۱۳۳/دن تقریباً ۴ مہینے ۱۳دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۲۳/جولائی سے ۲۰/دسمبر تک ہوتے ہیں۔
اس کے بعد، ۳۷/دن تقریباً ایک مہینے ۷/دن ۳/دسمبر سے ۹/جنوری تک مسلسل اندھیرا رہتا ہے اور سورج نظر نہیں آتا۔
اس کے بعد، ۱۳۱دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۱۰/جنوری سے ۲۱/مئی تک ہوتے ہیں۔
اس علاقہ میں :

☆سب سے بڑا دن	۲۳/گھنٹے	۳/منٹ	مورخہ ۲۱/مئی
☆سب سے چھوٹا دن		۲۳/منٹ	مورخہ ۱۰/جنوری

☆متوسط دن ۱۱/گھنٹے ۵۸/منٹ مورخہ ۱۸/مارچ

کا ہوتا ہے۔

۸۔ Canad,Innavic National Park of Canada

69.06' N 139.50'W

یہاں ۶/دن تقریباً دو مہینے ۵/دن ۲۰/جنوری سے ۲۳/جولائی تک سورج مسلسل آسمان پر چمکتا اور نظر آتا ہے۔

اس کے بعد،

۱۳۰/دن تقریباً ۳ مہینے دس دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۲۴/جولائی سے ۳۰/نومبر تک ہوتے ہیں۔

اس کے بعد،

۴۲/دن تقریباً ایک مہینے ۱۲/دن پہلی دسمبر سے ۱۱/جنوری تک مسلسل اندھیرا رہتا ہے اور سورج نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد،

۱۲۸دن تقریباً ۴/مہینے ۸/دن ایسے ہوتے ہیں جن میں طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔ یہ دن ۱۲/جنوری سے ۱۹/مئی تک ہوتے ہیں۔

اس علاقہ میں:

☆سب سے بڑا دن ۲۳/گھنٹے ۴۸ منٹ مورخہ ۱۹/مئی

☆سب سے چھوٹا دن ۳۲/منٹ مورخہ ۳/دسمبر

☆متوسط دن ۱۲/گھنٹے ۱/منٹ مورخہ ۱۹/مارچ

کا ہوتا ہے۔

یہ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے انتہائی نقطوں کی مثالیں ہیں۔ان میں سے بعض مقامات آباد ہیں اور بعض غیر آباد ہیں۔

ان تمام علاقوں میں کچھ نہ کچھ ایام ایسے ضرور ہیں جن میں سورج کا طلوع و غروب انجام پاتا ہے۔

ان واقعی معلومات اور حقائق کی روشنی میں اللہ جل جلالہ پر اعتماد کر کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہلبیت رسول علیہم السلام کے تعلیمات کی روشنی میں یہ کہنے میں کسی تأمل اور جھجک کی گنجائش نظر نہیں آتی؛

کہ،

دنیا کے کسی بھی خطے کے لوگوں کو نماز وروزہ کے اوقات کے تعین کے لیے کسی دوسرے علاقہ ،ملک، یا شہر کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بلکہ،

ہر علاقہ، شہر یا ملک کے لوگوں کا شرعی فریضہ یہ ہے کہ،

جن دنوں میں ایسے حالات ہوتے ہیں جب یا تو طلوع و غروب ہوتا ہی نہیں، [۱]

یا،

دن اتنے طولانی ہوتے ہیں کہ رات، فجر اور فجر صادق انجام نہیں پاتے، [۲]

جیسے ۱۹ یا ۲۲ گھنٹے کے دن میں سورج ۲ یا ۴ گھنٹے کے لیے غائب ہوتا ہے۔

ان مقامات پر رات اور فجر نہیں ہوتی کیونکہ سورج کے ڈوبنے اور ابھرنے میں اتنا مختصر فاصلہ ہوتا ہے کہ اندھیرا ہی نہیں پھیل پاتا۔اس لیے نہ ہی رات ہوتی ہے اور نہ ہی فجر ہوتی ہے۔ان علاقوں کے دن کے حصہ کو "روشن رات" کہا جاتا ہے۔

وہاں کے رہنے والوں کا فریضہ ہے کہ:

۱۔دیکھیے ویب سائٹ: www.sunrisesunsetmap.com

۲۔دیکھیے ویب سائٹ: www.gaisma.com

عام طور سے روزہ کے سلسلے میں اور اگر نماز کے اوقات کا تعین بھی مشکل ہو تو نمازوں کے اوقات کے سلسلہ میں اپنے ہی علاقہ کے معتدل اور متوسط دن جو تقریباً ۱۲ ؍ گھنٹے کے ارد گرد ہو، اس دن کو معیار بنا کر اپنے فرائض و واجبات کو اس دن کے اوقات کے مطابق ادا کریں انشاء اللہ ان کی عبادتیں بارگاہِ ربوبیت میں قبول ہوں گی۔ آمین بحق محمد وآلہ اطاہرین۔

ہماری دی ہوئی مثالوں میں متوسط دنوں کی ترتیب درج ذیل ہے:

پہلی مثال میں: ۱۸ ؍ مارچ

دوسری مثال میں: ۱۸ ؍ مارچ

تیسری مثال میں: ۲۳ ؍ مارچ

چوتھی مثال میں: ۲۲ ؍ مارچ

پانچویں مثال میں ۱۹/مارچ

چھٹی مثال میں ۱۸/مارچ

ساتویں مثال میں ۱۸/مارچ

آٹھویں مثال میں ۱۹/مارچ

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد وآلہ الطاہرین۔

سید حسین مرتضیٰ نقوی

جمعرات، ۹ ؍ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

۱۲ ؍ دسمبر ۲۰۱۳ = ۲۱ ؍ آذر ۱۳۹۲ھ۔ش۔

حوزہ علمیہ قم

لُغَت

﴿شرعی اصطلاحات کے معانی﴾

لُغَتْ

شرعی اصطلاحات کے معانی

اجارہ: کرایہ

اجرت: معاوضہ، تنخواہ، مزدوری

اجیر: وہ شخص جو اجرت، مزدوری یا معاوضہ پر کسی کا کام کرے۔

احتیاط: جب انسان علم کے اس مرحلہ تک پہنچ جائے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کے کلیات اور شریعت کے مزاج کو سمجھ لے لیکن اس مرحلہ تک نہ پہنچ سکے کہ وہ قرآن و حدیث وغیرہ کے ذریعہ خود اللہ تبارک تعالیٰ کے احکام سمجھ سکے، تو اس علمی مرحلہ کو احتیاط کا مرحلہ کہا جاتا ہے۔

احتیاط کا مطلب یہ ہے کہ عالم کسی ایک یا بعض مسائل میں قرآن حکیم وحدیث وغیرہ کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کا استنباط یا اجتہاد نہیں کر سکتا ہے اس لیے وہ شریعت کے کلیات کے سایہ میں اس حکم پر عمل کر رہا ہے جو اس کے نزدیک اللہ تبارک و تعالیٰ کے واقعی حکم سے قریب تر ہے۔ احتیاط پر عمل کرنے والے کو فقہی اصطلاح میں محتاط کہا جاتا ہے۔

استحالہ: کسی چیز کی ماہیت کا بدل جانا۔ کبھی یہ ماہیت قدرتی طور پر بدل جاتی ہے جیسے بیج کا پودا بن جانا یا کھاد کا درختوں کا حصہ بن جانا۔

کبھی یہ ماہیت مصنوعی اور کیمیکل تبدیلی کے سبب آتی ہے جیسے شراب سے سرکہ بنا لینا وغیرہ۔

اماکن اربعہ: "اماکن اربعہ" چار مقامات، اماکن...، مکان کی جمع ہے جس کے معانی مکان یا مقام یا جگہ کے ہیں۔

"اربعہ" کے معانی ہیں، چار۔ فقہی اصطلاح "اماکن اربعہ" ان چار مقامات یا جگہوں کو کہا جاتا ہے جہاں مسافر کو نماز کے قصر یا تمام پڑھنے کا اختیار ہے۔ یہ چار مقامات: مسجد الحرام، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مسجد کوفہ اور حرم امام حسین علیہ السلام ہیں۔

اوزان اور پیمانے:

عام طور سے فقہاء شرعی احکام کے بیان میں ناپ، تول اور پیمائش کیلئے قدیم اوزان اور پیمانے بیان کرتے ہیں۔ ہمارے دور میں ان اوزان یا پیمانوں کے بجائے نئے اوزان اور پیمانے استعمال ہوتے ہیں۔ ہم یہاں قدیم اوزان اور پیمانوں کے جدید نام نیز متبادل اوزان و پیمانے تحریر کر رہے ہیں۔ اس سے عام مسلمانوں کو عمل میں آسانی ہو گی:

درہم: صدر اسلام میں درہم کا وزن 3.18 / گرام تھا۔ 98 / ھجری کے بعد درھم کا وزن 2.91 / گرام سے 2.97 / گرام تک ہو گیا۔

دینار: پرانے زمانہ میں رائج اشرفی یعنی خالص سونے کا ڈھلا ہوا سکہ۔ اس کا وزن ایک مثقال یعنی 3.304 گرام یا 0.116 اونس کے برابر تھا۔

صاع: پرانے زمانہ میں ناپ کر دی جانے والی چیزوں کا پیمانہ مثلاً گندم وغیرہ کا پیمانہ۔

ہمارے زمانہ میں یہ چیزیں عام طور سے تول کر بکتی ہیں۔ آج کل کے اوزان کے مطابق "صاع" 234 / تولہ کے برابر ہے۔ یہ تولہ اگر پاکستانی بانٹ کے مطابق ہو گا تو اس کا وزن 2.925 / سیر یا 2.729 / کیلو گرام یا 6 / برٹش پاؤنڈ کے برابر ہو گا۔

کُر: پرانے زمانہ کا ایک پیمانہ:

جو گندم، جَو وغیرہ جیسی چیزوں کے ناپنے کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ وہ بھی کر کہلاتا تھا۔
جو پیمانہ مائعات ناپنے کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ وہ بھی کر کہلاتا تھا۔
خشک چیزوں کے ناپنے کے "کُر" نامی پیمانے کا وزن 120.393 / کیلو گرام یا 218.65 / امریکن خشک پنٹ یا تقریباً 265 / انگلش پاؤنڈ 6 / اونس۔

نیز:

مائعات یعنی پانی وغیرہ ناپنے کے "کُر" نامی پیمانے کا وزن ہماری تحقیق کے مطابق 196.560 / لیٹر یا 43.337 / امپیریئل گیلن یا 51.949 / امریکن گیلن یا 415.41 / امریکن پنٹ ہے۔

فرسخ: مائعات ناپنے کا پیمانہ سلنڈر کی شکل کا ہوتا تھا۔ اسی لیے روایات میں اس کے فقط دو ابعاد یعنی گہرائی اور قطر کا ذکر ہے۔
پرانے زمانہ میں فاصلے، راستے، سڑکیں اور زمین ناپنے کا پیمانہ۔
ایک "فرسخ" وہ فاصلہ کہلاتا ہے جو گھوڑے کو قدم قدم چلا کر ایک گھنٹہ میں طے کیا جائے۔ یہ چھ ہزار ذراع یعنی گھوڑے کے معمولی قدم کے برابر ہے۔
ہر ذراع ایک ہاتھ یعنی ایک گز یا 0.914 / میٹر کے برابر ہے۔
یوں ایک فرسخ 5.48 / کیلو میٹر 3.4 / میل کے برابر ہے۔
اس لیے مسافت شرعی یعنی 8 / فرسخ 43.84 / کیلو میٹر 27.2 / میل کے برابر ہے۔

مثقال: پرانے زمانے میں تول کا بانٹ یا پیمانہ اس زمانہ کے معیار کے مطابق 14 / نخود یعنی 14 / عدد چنے کے دانوں کے وزن کے برابر ہوتا تھا۔ بعض علاقوں میں آج کل بھی رائج ہے۔

مثقال کے جس پیمانہ کا ذکر عام طور سے فقہی کتابوں میں بھی ہوتا ہے اسے مثقال شرعی بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے جہاں فقط "مثقال" یا "مثقال شرعی" کی اصطلاح استعمال ہو تو اس کاوزن آج کل کے اوزان کے مطابق 0.236×14 یعنی 3.304 / گرام ہے۔

مثقال صیرفی: پرانے زمانہ کا تولنے کا پیمانہ یا بانٹ۔ جو 24 / نخود یعنی چنے کے 24 / دانوں کے وزن کے برابر ہوتا تھا۔

آج کے رائج اوزان کے مطابق "مثقال صیرفی" 0.236×24 یعنی 5.664 / گرام کے برابر ہے۔

مدّ: پرانے زمانہ میں ناپ کر دی جانے والی چیزوں مثلاً گندم وغیرہ کا پیمانہ۔ ہمارے زمانہ میں یہ چیزیں عام طور سے تول کر بکتی ہیں۔

آج کل کے اوزان کے مطابق مُد ساڑھے 58 / تولہ یعنی 680 / گرام کے برابر ہے۔

نخود: چنے کا دانہ۔ پرانے زمانہ میں چنے کا دانہ تولنے کے لیے بانٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

آج کل کے رائج اوزان کے مطابق اس کا متوسط وزن 0.236 / گرام (236 / ملی گرام) کے برابر ہے۔

باطل: وہ شرعی عمل جو احکام شرعی کے خلاف انجام پائے یا احکام شرعی کے مطابق انجام نہ پائے۔

بالغ: وہ انسان جو اپنے سن و سال کا ایک حصہ گزار کر ایک ایسے حصہ میں پہنچ جائے جس کے بعد اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام پر عمل واجب ہو جائے۔

بلوغ: انسانی عمر کا وہ حصہ جس میں اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام پر عمل واجب ہو جاتا ہے۔

پیمانے: دیکھئے: "اوزان اور پیمانے"۔

تدلیس: کسی چیز کا عیب چھپانے کی ترکیب تا کہ خریدار یا خواستگار کو دھوکا دیا جاسکے۔

خواستگاری کے موقعہ پر لڑکے یا لڑکی کی عمر کم ظاہر کرنے یا عیب چھپانے کیلئے حد سے زیادہ بناؤ سنگھار۔

بیچتے وقت کسی چیز کے عیب کو چھپانا یا اوپر اچھا اور اندر خراب مال رکھ کر بیچنا وغیرہ۔

جبیرہ: لغت میں جبیرہ پلاسٹر یا پٹی کو کہتے ہیں۔ فقہ میں یہ کلمہ وضو اور غسل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

."وضوءِ جبیرۃ" یا "غسل جبیرہ"

جب زخم کی نوعیت ایسی ہو کہ زخم کی جگہ پر پانی پہنچانا ممکن نہ ہو یا مضر ہو تو غسل یا وضو کے موقعہ پر اس زخم کی جگہ پٹی یا پلاسٹر کے اوپر گیلا ہاتھ مسء کیا جاتا ہے

اگر اسے لغوی معنی... عوض، بدلے یا ٹھیک کرنے کے معانی میں لیا جائے تو اس سے مراد وضو اور غسل کے موقعہ پر زخم کے دھونے کے بجائے گیلے ہاتھ سے مس کر کے دھونے کے بدلے مس کرنے کے ذریعہ وضو اور غسل کے صحیح ہونے کا عمل "جبیرہ" کہلاتا ہے۔

جہندہ: دیکھئے: "خون جہندہ" جہندہ

حدث: وہ طبیعی غیر اختیاری یا اختیاری افعال و اعمال جن کے انجام پانے کے بعد نماز وغیرہ کی ادائیگی کیلئے وضو یا غسل ضروری ہو۔

جیسے پیشاب، نیند، جنابت، حیض وغیرہ۔

حدثِ اصغر: وہ طبیعی، غیر اختیاری یا اختیاری افعال و اعمال جن کے انجام پانے کے بعد نماز وغیرہ کے لیے وضو کی ضرورت ہو۔ جیسے سونا، پیشاب وغیرہ

حدثِ اکبر: وہ طبیعی، غیر اختیاری یا اختیاری اعمال و افعال جن کے انجام پانے کے بعد نماز وغیرہ کیلئے غسل کی ضرورت ہو۔ جیسے جنابت، حیض وغیرہ۔

حنوط: غسل کے بعد مردہ کے کافور لگانا۔

خُمار: اردو میں خُمار کی اصطلاح مستی کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتی۔
خمار اردو زبان میں اعصاب کی سستی یا اعصاب کے پر سکون ہو جانے اور نیند جیسی کیفیت پیدا ہو جانے کو کہا جاتا ہے۔ مستی، دماغی فتور کو کہا جاتا ہے۔
عربی زبان اور فقہ کی اصطلاح میں خمار، ایسی مستی کو کہا جاتا ہے جو دماغی فتور کے ساتھ ہو۔

خَمر: شراب۔ ایسا مشروب جو انسان کو مست کر دے۔

خون جہندہ: ایسا خون جو اچھل کر نکلے۔ خون جہندہ رکھنے والے جانور ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جن کو اگر ذبح کیا جائے تو ان کا خون اچھل کر نکلے۔

خِیار: فقہی اصطلاح میں تجارتی لین دین کے موقعہ پر بیچنے والے اور خریدنے والے کو بعض اسباب کی بنا پر معاملہ کو ختم کرنے، بیچی ہوئی چیز واپس لینے اور قیمت واپس دینے یا خریدی ہوئی چیز واپس کر کے قیمت واپس لے لینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس حق کو خیار (اختیار) کہا جاتا ہے۔

خیارِ تخلف: اگر خرید و فروخت کے وقت کوئی شرط کی گئی ہو اور خریدار یا بیچنے والا اس شرط پر عمل نہ کرے یا اس شرط کے خلاف عمل کرے تو معاملہ کو انجام پائے خواہ کتنی ہی مدت کیوں نہ گذر چکی ہو، دوسرے فریق کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پہلے فریق کی طرف

سے شرط کی مخالفت کے سبب معاملہ کو توڑ دے۔ اپنی چیز واپس لے لے۔ یا قیمت واپس لے اور قیمت یا چیز واپس کر دے۔

خیارِ عیب: اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی ایسا عیب ہو جو عرف اور معمول کے مطابق اس چیز کی قیمت میں کمی یا جس کام کے لیے لی گئی ہو اس کام میں استعمال کے قابل نہ ہونے کا سبب ہو تو اس بنا پر خریدار کو چیز واپس کر کے قیمت واپس لینے کا حق ہوتا ہے۔

اس حق کو "خیارِ عیب" یعنی چیز کے ناقص یا معیوب ہونے کے سبب واپسی کا اختیار کہتے ہیں۔

خیارِ مجلس: کسی بھی خرید و فروخت کے معاملہ کے انجام پانے کے بعد شریعت نے خریدنے اور بیچنے والے کو یہ حق دیا ہے کہ اگر وہ خرید و فروخت انجام پانے کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے کسی بھی سبب پشیمان ہو جائیں تو دونوں یا کوئی ایک معاملہ کو ختم کر کے چیز اور قیمت کو واپس لے سکتا ہے۔

خیارِ حیوان: جانوروں کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں شریعت نے خریدنے والے کو حق دیا ہے کہ تین دن تک جانور کو اپنے پاس رکھنے کے بعد اگر وہ کسی سبب سے خریداری پر پشیمان ہو جائے تو وہ جانور واپس کر کے قیمت واپس لے سکتا ہے۔ یہ اختیار "خیارِ حیوان" کہلاتا ہے۔

رائج الوقت: دیکھئے: متداول۔

رِبا: شرعی اصطلاح میں جو ربا حرام ہے وہ:

قرض دیتے وقت واپسی کے موقعہ پر ایسی زیادتی کی شرط جو کسی عمل کے مقابلہ میں نہ ہو۔

ساقط: فقہی اصطلاح میں کسی عذر یا مجبوری کے سبب کسی شخص سے اس کی ذمہ داری یا اس پر کسی واجب عمل جیسے روزہ کی ادائیگی کی ذمہ داری کا ہٹ جانا۔ جیسے حائض کے لیے نماز یا مسافر کے لیے سفر کے دوران روزہ۔

سعی: فقہی اصطلاح میں، حج کے دوران صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ چلنا۔

شوط: خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانا۔ یہ چکر حجر اسود کے مقابل سے شروع ہو کر اسی جگہ پر ختم ہوتا ہے۔

صاع: دیکھئے: "اوزان": صاع۔

ضروری: دیکھئے: واجب

فرسخ: دیکھئے: "اوزان": فرسخ

فِلس: ☆ پرانے زمانہ کا ایک سکہ

☆ مچھلی کی کھال پر موجود چھوٹے چھوٹے چھلکے۔

قُرَّاء: وہ افراد جو عہد نبوی اور عہد صحابہ میں قرآن مجید کی تلاوت، کتابت اور املاء میں سند مانے جاتے تھے۔

قرأت: قرآن مجید کو معین املاء، اعراب اور مخارج کے ساتھ ادا کرنا۔

صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی خوشنودی اور رضا کی خاطر کسی عمل کا انجام دینا۔

قصدِ قربت: کسی عمل کا خالص ہونا یعنی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر انجام دینا۔

کُر: دیکھئے "اوزان": کُر

مباح: دیکھئے: جائز

متداول: مروجہ۔ رائج الوقت۔ رواج یافتہ۔ روزمرہ۔ روزمرہ استعمال کی جانے والی چیز۔ جو چیز، بات، سکہ، کتاب، قرأت وغیرہ کسی زمانہ میں عام ہو۔ عام طور سے استعمال ہوتی ہو۔

مثقال: دیکھئے: "اوزان": مثقال

مثقال شرعی: دیکھئے: "اوزان": مثقال

مثقال صیرفی: دیکھئے: "اوزان": مثقال صیرفی

محتاط: دیکھئے: "احتیاط" محتاط

مُد: دیکھئے: "اوزان": مُد

مروجہ: دیکھئے: متداول

مستاجر: ☆وہ شخص جو کسی شخص سے کوئی کام اجرت، مزدوری، معاوضہ یا تنخواہ پر لے۔
☆وہ شخص جو کسی شخص سے کوئی چیز کرایہ پر لے۔ کرایہ دار۔

مستحب: وہ عمل جسے کرنیکا ثواب ملے۔ لیکن نہ کرنے پر قضاء، کفارہ، گناہ یا عذاب نہ ہو۔

مستحب موکد: ایسا کام جس کیلئے قرآن حکیم یا حدیث سے معلوم ہو کہ وہ اچھا ہے۔ نیز اس کے انجام دینے یعنی اس کام کو کرنے پر حدیث و قرآن میں تاکید بھی کی گئی ہو۔ لیکن واجب قرار نہ دیا گیا ہو۔
اس کام کے نہ کرنے میں حرج یا گناہ نہیں ہے۔
لیکن کرنے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

مستی: دماغی فتور۔ انسانی دماغ اور فکر کا ناکارہ ہو جانا۔ ایسی کیفیت یا اثر جس میں انسان کی دماغی سرگرمیوں پر منفی اثر پڑے۔ انسان اچھے اور معقول کاموں کے بجائے برے اور نامعقول کاموں کو انجام دے۔ اس دوران انسان کارآمد اور کام کی باتیں نہ کر سکے۔
دماغ کا مفلوج یا مضطرب و پریشان ہو جانا۔

مشروع: وہ عمل یا کام جو شرعی طور پر قرآن حکیم یا حدیث سے ثابت ہو۔ شرعی قانون کے مطابق انجام پانے والا عمل یا کام۔

مشروعیت: کسی حکم کا شرعاً یعنی قرآن مجید کی کسی آیت یا حدیث کے ذریعہ ثابت ہونا۔

مطہر: وہ چیز جو کسی نجس چیز کو پاک کر سکتی ہے۔

مطہرات: وہ چیزیں جو نجس چیزوں کو پاک کر سکتی ہیں۔

معاملات ربوی: قرض کا ایسا لین دین جس میں حرام سود "رِبا" بلا معاوضہ زیادتی طلب کی جائے۔

موجر: ☆وہ شخص جو کسی شخص کا کوئی کام اجرت، تنخواہ مزدوری یا معاوضہ پر کرے۔
☆وہ شخص جو اپنی کوئی چیز کسی کو کرایہ پر دے۔

مناسک: اعمال فقہ میں "مناسک" کی اصطلاح حج کے معین اعمال کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

مندوب: دیکھئے: مستحب۔

منفور: وہ چیز، شخص یا بات جس سے نفرت کی جائے۔ بہت زیادہ ناپسندیدہ چیز، شخص یا کام یا بات۔

نجاست: نجس العین۔ عین نجس۔ وہ چیز جس کے لگ جانے سے کوئی دوسری چیز نجس ہو جائے۔ اس کا دھونا ضروری ہو۔

نجس: وہ چیز جو کسی نجاست یا عین نجاست کے لگنے کے سبب نجس ہو گئی ہو۔

نجس العین: دیکھئے: نجاست۔

نخود: دیکھئے: "اوزان": نخود

نصاب: نو معین چیزوں کی وہ معین مقدار، جس پر اسلامی شریعت نے مشروط طور پر زکات واجب قرار دی ہے۔

واجب: ضروری، ایسا حکم جس کا انجام دینا شرعاً ضروری ہو۔ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں یا اس کی قضا ضروری ہو یا کفارہ، گناہ، سزا یا عذاب ہو۔

واجب رکنی: نماز کے ایسے واجبات جو اگر بھولے سے بھی ادا نہ کیے جائیں تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

وجوب: کسی حکم پر عمل یا کسی عمل کی انجام دہی کا ضروری ہونا۔

اصلاح: سید حسین مرتضی
۳۰/ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
حوزۂ علمیۂ قم، ایران

فہرست

اسلامی احکام